مکمل و مدلل

حبیب الفتاوی

جدید ترتیب، تعلیق و تخریج

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و صدر مفتی، بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڈھ یوپی

خلیفہ و مجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی و حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری

تفصیلات

نام کتاب	:	مکمل ومدلل حبیب الفتاویٰ (جلد ہشتم)
نام مصنف	:	حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
باہتمام	:	محمد طیب قاسمی مظفرنگری
کمپوزنگ	:	سیّد عبدالعلیم۔7017984091-6396271354
سن اشاعت	:	ستمبر 2020
ناشر	:	مکتبہ طیبہ دیوبند۔ 9412558230

ملنے کے پتے
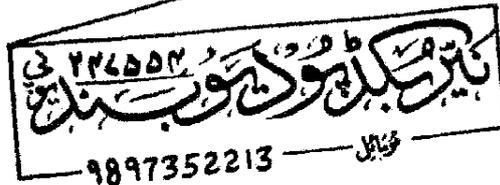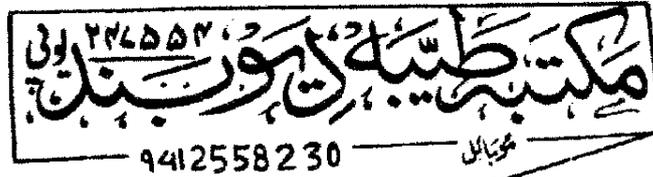
whatsapp: 9897352213

Mob: 9557571573

عرض ناشر

دیوبند جو علوم وفنون کا مرکز ہے یہاں کتب خانے ہمیشہ سے دینی کتابوں کی اشاعت میں پیش پیش رہے ہیں۔

انہیں کتب خانوں میں ایک کتب خانہ **مکتبہ طیبہ** بھی ہے جس نے آغاز سے نہایت اہم موضوعات تفسیر، حدیث فقہ وفتاویٰ پر منتخب کتابیں شائع کرنے کی تاریخ رقم کی ہے۔

مکتبہ طیبہ آج یہ اطلاع دیتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے حبیب الفتاویٰ مکمل مدلل جدید ترتیب تعلیق تخریج کے ساتھ شائع کرنے جا رہا ہے۔ یہ مجموعہ فتاویٰ اس شخصیت کے قلم سے ہے جو نہ صرف دار العلوم دیوبند کے فارغ، بلکہ حضرت مفتی اعظم مولانا محمود حسن گنگوہی صاحب کے خصوصی شاگرد ہیں بلکہ آپ کے معتمد خاص اور مجاز ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ فقہ وفتاویٰ کی دنیا میں، اس مجموعہ فتاویٰ سے ایک گرانقدر اضافہ ہوگا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ جب اس نے اس کی اشاعت کی توفیق دی ہے تو اسے زیادہ سے زیادہ قبولیت سے نوازے، آمین۔

محمد طیب قاسمی مظفر نگری

21/اگست 2020

JAMIA ISLAMIA DARUL ULOOM MUHAZZABPUR, P.O. SANJARPUR
DISTT. AZAMGARH Pin: 223227 (U.P.) INDIA
Mob: 0091 9450546400 Email: muftihabibullahqasmi@yahoo.com

محترم المقام مولانا محمد طیب صاحب قاسمی زید مجدہم!

مالک مکتبہ طیبہ دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوگا۔

مختلف زمانوں اور اوقات میں دین وشریعت کے مسائل ایک عرصہ سے مجھ سے معلوم کیے جاتے رہے اور ان کے جوابات بھی قرآن وحدیث اور بزرگ فقہاء کرام کی تحقیقات کی روشنی میں دیئے جاتے رہے۔

میرے ایک دوست نے انھیں مرتب کیا اور پھر یہ فتاوے "حبیب الفتاویٰ" کے عنوان سے شائع بھی ہوئے اور بحمد اللہ مقبول بھی ہوئے۔

یہ معلوم کرکے بے حد مسرت ہوئی کہ آپ اپنے کتب خانہ "مکتبہ طیبہ دیوبند" سے اس کو شائع کرنا چاہتے ہیں، میں آپ کا شکرگزار ہوں اور بصد خوشی آپ کو اس کی طباعت واشاعت اور اس کے مالکانہ حقوق کی اجازت دیتا ہوں بلکہ اس کی اشاعت کی مقبولیت اور محبوبیت کے لئے دعا گو بھی ہوں۔

والسلام

من کبار فضلاء دار العلوم دیوبند الهند، شیخ الحدیث و صدر مفتی المؤسس ورئیس الجامعة الاسلامیة مهذب فور اعظم جراه اتر ابرادیش الهند، ورئیس دارالافتا والقضاء والبحوث الاسلامیه، و صاحب الفتاویٰ المسمی "بحبیب الفتاویٰ" والمقالات العلمیه والفقهیه والتصانیف المتداوله، وعضو المجمع الفقه الاسلامی الهند، وصاحب الدعوة والارشاد المجاز من کبار مشائخ الهندیه

اجمالی فہرست

✪✪✪

فہرست مضامین

کتاب الصوم

✪✪✪✪

کتاب الطهارة

بیت الخلاء میں جانے مسنون طریقہ

سوال: بیت الخلاء میں جانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

باللہ التوفیق: بیت الخلاء میں جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے۔ سر ڈھاک کر بیت الخلاء میں داخل ہونا، داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھنا، بائیں قدم سے داخل ہونا، بیٹھنے کے قریب ہونے کے وقت کپڑا کھولنا، استنجاء کرنے کے لئے نرم جگہ اختیار کرنا، ذکر لسانی سے احتراز کرنا، استنجاء کے بعد دائیں قدم سے نکلنا، اس کے بعد دعا پڑھنا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویستحب له عند الدخول فی الخلاء امه یقول "اللهم انی أعوذ بک من الجنت والجفائت" ویقدم رحله الیسری وعند الخروج یقدم الیمنی۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱، ص: ۱۰۶)

(۲) فإذا وصل الی الباب بیدأ بالتسمیة قبل الدعاء هو الصحیح فیقول "بسم اللہ اللهم انی اعوذ بک من الخبث و الخبائث" ثم یدخل بالیسری و لا یکشف قبل انه بدنو إلی القعود۔۔۔۔ (حاشیة ابن عابدین ج: ۱ ص: ۲۱۵)۔

(۳) فصل: ویقدم رجله الیسری فی الدخول و الیمنی فی الخروج ویقول عند دخوله۔۔۔۔ فاذا خرج من الخلاء قال" غفرانک الحمد للہ الذی اذهب عنی الاذی وعافانی۔ (المغنی ج: ۱، ص: ۳۱۴)۔

استنجاء پاک کرنے میں انگلیوں کو کس طرح استعمال کی جائے؟

سوال: استنجاء پاک کرنے کے لئے انگلیوں کی ہیئت کیا ہونے چاہئے، اور استنجاء پاک کرنے کی ابتداء کس طرف سے ہونے چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

مرد کا استنجاء پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بیچ والی انگلی کو تھوڑا سا شروع میں اٹھائے اور استنجاء پاک کرے۔ اس کے بعد بنصر کو وسطی کے ساتھ ملا کر پوری پاکی حاصل کرے۔ البتہ عورت وسطی کے ساتھ بنصر کو ملا کر اٹھائے اور استنجائ پاک کرے۔

استنجاء پاک کرتے ہوئے مقعد کو تین بار ڈھیلا کرلے تاکہ پاکی اور ازالۃ نجاست میں کوئی کمی نہ رہ جائے بشرطیکہ روزہ دار نہ ہو۔

نیز بائیں ہاتھ سے استنجاء پاک کرے دائیں سے نہیں۔ اور پہلے اگلے شرم گاہ کو پاک کرلے اس کے بعد پیچھے یعنی استنجاء پاک کرنے میں ابتداء آگے سے کرے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) أنه يستنجي بيدة اليسرى ويصعد إصبعه الوسطى على سائر الأصابع قليلا في ابتداء الاستنجاء وبغسل موضعها ثم يصعد بنصره ويغسل موضعها۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱، ص: ۱۰۴)۔

(۲) وبغسل فرجه باليسرى وبدأ بالقبل ثم الدبر ويرخي مقعده ثلاثا وبذلك كل مره وببالغ فيه مالم يكن صائما۔ (ردالمحتار ج: ۱، ص: ۶۱۶)۔

(۳) وصفة الاستنجاء: أنه يستنجي بيده اليسرى وبصعد اصبعه الوسطى على سائر الاصابع۔ والمرأة تصعد بنصرها واوسطها جمعيا معا۔ (الفتاویٰ التاتارخنية ج: ۱، ص: ۴۱۳)۔

(۴) هكذا في نور الايضاح۔ (ص: ۳۰)۔

گرم پانی سے وضو کرنے کا حکم

سوال: جو پانی سورج کی روشنی کی گرمی سے گرمی ہوا ہو اس سے وضوء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

جو پانی سورج کی روشنی کی گرمی سے گرم ہوا ہو اس سے وضوء کرنا مکروہ ہے چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اور نیز اس سے برص کی بیماری کا خطرہ ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ومن الأدب أنه لا يتوضأ بماء شمس لأنه يورث البرص۔ (حاشية الطحطاوی علی المراقی ص:۸۷)۔

وضو میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنے کا طریقہ

سوال: وضوء میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

وضوء میں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ تشبیک یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرلے۔

پاؤں کی انگلیوں میں خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کے خنصر سے دائیں پاؤں کے خنصر سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کے خنصر میں ختم کرے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) تخليل الأصابع: وهو ادخال بعضه فی بعضه بماء منقاطر والأولی فی اليدين التشبيك۔۔۔ وفی الرجلين انه يخلل بخنصر يده اليسری خنصر رجله اليمنی ويختم بخنصر رجله اليسری۔ (الفتاویٰ الهندية ج:۱، ص:۵۷)۔

ماءقلیل اور ماءکثیر کی تعریف

سوال: ماءقلیل اور کثیر میں فرق کیا ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً

ماءقلیل اور ماءکثیر میں فرق یہ ہے کہ اگر پانی کی ایک طرف سے تحریک کرے لیکن دوسرے طرف تحریک نہ ہو تو وہ ماءکثیر ہیں۔ اگر ایک طرف سے تحریک کرنے کی بعد دوسرے طرف تحریک ہو تو وہ ماءکثیر ہے۔

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) انفقت الروایات عن ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد۔ فی الکتب المشهورة أنه الخلوص بعتبر بالتحریک اذا حرک طرف منه وابدلم یتحرک الطرف الآخر فهو مما لا یخلص۔ وانه تحرک الطرف الآخر فهو مما یخلص۔ (الفتاویٰ التاتارخانیه ج: ۱، ص: ۴۹۹)۔

(۲) اختلف الفقهاء فی حد القله والکثرة۔ فالکثره عند أبی نیفة هو من الکثرة بحیث إذا حرکه آدمی من أحد طرفیة، لم بسر الحرکة إلی الطرف الثانی منه۔ والقلة۔ واکانه دونه عشر فی عشرین اذرعة العام۔ (الفقه الإسلامی وأدلته ج: ۱، ص: ۴۷۹)۔

(۳) هکذافی الفتاویٰ الهندیة ج: ۱، ص: ۷۰)۔

ٹیشو پیپر سے استنجاء کرنے کا حکم

سوال: ٹیشو پیپر سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًو مصلیاً۔

ایسے کاغذ سے یعنی ٹیشو پیپر سے استنجاء کرنا درست اور جائز ہے یعنی وہ جاذب کاعد جو صرف

استنجاء کرنے کی غرض سے بنایا جاتا ہے لکھنے کی کام نہیں آتا ہے لہٰذا اس سے استنجاء کرنا جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وكذا ورقه الكتابة لصقالقه وتقومه، وله احترام أيضاً لكونه آلة لكفاية العلم، وكذا علله في التاتارخانية: بانه تعطيمة من أدب الدين۔۔۔ ومفاده الحرمة بالمكتوب مطلقا، واذا كانت العلة في الأبيضه كونه آلة لكتابة كما ذكرناه بؤخذ منها عدم الكراهه فيما لا يصلح لها۔ واذا كانه قالعا للنجاسة غير فقوم كما قدمناه۔ (فتاویٰ شامی ج: ۱، ص: ۶۰۸)۔

(۲) ولا يستنجي بكاعذ وانه كانت بيضاء كذا في المضمرات (هكذا في التاتارخانية ج: ۱، ص: ۶۱۴)۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱، ص: ۱۰۵)۔

(۳) کاغذ چونکہ تحصیل علم کا ایک آلہ ہے خواہ وہ سفید ہو یا سیاہی ہو۔ اس لئے اس کا احترام کرنا لازم ہے۔۔۔ البتہ وہ جاذب کاغذ ہو جو صرف استنجاء کرنے کی غرض سے بنایا جاتا ہے لکھنے کی کام میں نہیں آتا اور قیمتی بھی نہیں۔ اس لئے اسمیاء کرنا جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج: ۲، ص: ۱۰۸)۔

(۴) ہکذا فتاویٰ قاسمیہ ج: ۵، ص: ۸۴۔

(۵) فتاویٰ دار العلوم ج: ۱، ص: ۳۷۹۔

(۶) فتاویٰ محمودیہ ج: ۵، ص: ۴۹۶۔

وضوء میں دوسرے سے مدد لینے کا حکم

سوال: وضوء کرتے ہوئے دوسرے سے مدد لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

وضوء کرتے ہوئے دوسرے سے مدد لینا مکروہ ہے، ہوا اور اگر عذر کی وجہ سے مدد لے تو مکروہ نہیں ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ومن الأدب: انه يقوم بأمر الوضوء بنفسه: لحديث عمر رضی الله عنه فإنه قال: انا لا نستعين على وضوءنا۔

ومع هذا لو استعانه بغيره بعد انه لا يكونه الغاسل غيره بل يغسل بنفسه۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۱، ص: ۴۴۷)۔

(۲) ومفاده انه الاستعانة مكروه حتى احيج إلى هذا الجواب۔۔۔ أنه لا كراهة أصلا اذا كانت بطيب قلب ومحبة من المعين من غير تكليف من المتوضی۔ (رد المحتار ج: ۱، ص: ۴۸۱)۔

(۳) ويكره الاستعانة بغيره لقول عمر رضی الله عنه رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستقى ماءا لوضوءه۔۔۔ فقال يا عمر فإني لا أريد انه يعنني على صلاتي أحد۔ (حاشية الطحطاوی على المراقی ص: ۸۱)۔

جاری پانی میں نجاست گرنے کا ایک مسئلہ

سوال: جاری پانی میں اگر نجاست گر جائے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً

جاری پانی میں نجاست گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) والفتوى فی الماء الجاری: إنه لا يتنجس والم يتغر طعمه او لونه او ريحه من النجاسه لا لفتاوى الهديه ج: ۱، ص: ۶۸۔

(۲) انه كانه قوی الجری يجوز الاغتسال فيه والوضوء فيه۔ ولا يتنجس بوقوع النجاسة فيه والم بر أثر النجاسة فيه من لونه او طعم اور ريح۔ (الفتاویٰ القاضی خان ج: ۱، ص: ۱۳)۔

(۳) اذا کان قوی الجرمی لا یحک بتنجه لوقوع النجاسة فیه ما لم یقغیر طعمه اولونه اوریحه۔ (الفتاویٰ التاتارخانیه ج: ۱، ص: ۴۹۳)۔

وضو کے بعد تولیہ استعمال کرنا

سوال: وضوء کے بعد تولیہ استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

وضوء کے بعد تولیہ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس طرح نہ پوچھے کہ اعضاءِ وضوء پر پانی کا اثر باقی نہ رہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولم ار من ذکره غیره: وانما وقع الخلاف فی الکراهة ففی الخانیة ولا بأس به للمتوضی والمغتسل روی عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أنه کان یفعله۔ (ردالمحتار ج: ۱، ص: ۴۷۹)۔

(۲) ولا بأس للمتوضی والمغتسل أن یمسح بالمندیل: ومنهم من ذکره ذلک۔ ومنهم کره للمتوضی دون المغتسل والصحیح ما قلنا۔ الا انه ینبغی ان لا یبالغ ولا یقتضی فیبقی أثر الوضوء علی اعضاءه۔ (الفتاویٰ التاتارخانیه ج: ۱، ص: ۴۴۹)۔

(۳) بنوضأه فیمسح وجهه بالثوب قال لا بأس قال به محمد۔ وبه نأخذ۔ ولا نرمی بذلک بأسا وهو قول أبی حنیفة وفی الخانیة لا بأس للمتوضی والمغتسل ان یمسح بالمندیل۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۷۹)۔

ایک انگلی سے استنجاء پاک کرنے کا حکم

سوال: صرف ایک انگلی سے استنجاء پاک کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز انگلی کے کنارہ سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

صرف ایک انگلی سے استنجاء پاک کرنا ممنوع ہے اور انگلی کے کنارہ سے بھی استنجاء کرنا ممنوع ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولا یقنصر علی اصبع واحدۃ۔ ولا یستنجی بظھور الأصابع اور برؤوسھا لانہ بورث الباسور۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص:۴۷)۔

(۲) ویستنجی بعرض الأصابع لا برؤوسھا۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج:۱، ص:۱۰۵)۔

(۳) ویستنجی بعرصہ الاصابع لا برؤوسھا۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج:۱، ص:۱۰۵)۔

(۴) ویستنجی بإصبع أو إصبعین او ثلاثہ أصابع یبطون الأصابع لا برؤوسھا۔ (الفتاویٰ قاضی خان ج: ۱، ص: ۳٦)۔

بیت الخلاء میں جانے کا ایک ادب

سوال: ننگے سر بیت الخلاء میں جانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

ننگے سر بیت الخلاء میں جانا ادب کے خلاف ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویدخل مستور الرأس۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج: ۱، ص: ۱۰۶)۔

(۲) ومستور الرأس استحبابا۔۔۔ لأنه مستقدر یحضره الشیطان۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص: ۵۱)۔

بایاں ہاتھ سے استنجاء کرنا کب درست ہے؟

سوال: اگر کسی شخص کا بایاں ہاتھ نہ ہو تو داہنے ہاتھ سے استنجاء کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

اگر کسی شخص کا بایاں ہاتھ نہ ہو تو داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنا جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویکره الاستنجاء بالید الیمنی إلا اذا لم یکن له یسار۔ (الفتاویٰ التاتارخانیه ج: ۱، ص: ۱۱۴)۔

(۲) ویکره الاستنجاء بالید الیمنی إلا من عذر بالیسری۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص: ۵۰)۔

بیت الخلاء میں چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: بیت الخلاء میں اگر کسی چھینک آجائے تو الحمد للہ کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

بیت الخلاء میں اگر کسی کو چھینک آجائے تو الحمد للہ زبان سے نہ کہیں بلکہ دل سے کہہ سکتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) فلا یحمد اذا عطس ولا یشمت عاطساً۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی

ص:٥٥)۔

(۲) فإذا عطس حمد الله تعالیٰ بقلبه۔ (رد المحتار ج: ١، ص:٦١٦)۔

(۳) فإذا عطس بحمد الله تعالیٰ بقلبه لا يحرک لسانه۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ١، ص:١٠٦)۔

اگر کنویں میں کتا گر جائے تو پاک کرنے کا طریقہ؟

سوال: اگر کنویں میں کتا گر جائے اور زندہ نکال لیا جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

اگر کنویں میں کتا گر جائے اور زندہ نکال لیا جائے تو اگر اس کا منہ پانی کے لگ جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور پورا پانی نکالنا پڑے گا، اور اگر منہ نہ لگے تو صاحبین کے نزدیک ناپاک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناپاک نہیں ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(١) وان وقع نحو شاة وأخرج حيا فالصحيح أنه إذا لم يكن نجس العين ولا في بدنه نجاسة ولم يدخل فاه في الماء يتنجس۔۔۔ وان أدخل فاه فيه فمعتبر بسوره فإن كا سوره طاهرا فالماء طاهر، وان كان نجساً فنجس فينزح كله۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ١، ص: ١٧)۔

(۲) الكلب اذا وقع في الماء وأخرج حيا ان أصاب فمه الماء فهو من جملة القسم الأول يجب نزح جميع الماء، وان لم يضب فمه الماء فعلى قولهما يجب نزح جميع الماء۔۔۔ وعند أبي حنيفه لا بأس بذلک۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج: ١، ص:٣١٨)۔

(۳) وقع فيها كلب او خنزير مات او لم يمت اصاب الماء فم الواقع او لم يصب۔ أفسده۔ (الفتاویٰ القاضی خان ج: ١، ص:١٧)۔

(۴) در المختار ھکذا فی در المختار ج: ۱، ص: ۳۹۔

(۵) فتاویٰ علماء ھند ج: ۳، ص: ۱۹۳۔

(۶) فتاویٰ دار العلوم ج: ۱، ص: ۴۰۷۔

اگر کتا کنویں میں مرجائے تو کیا کرنا ہوگا

سوال: اور کتا کنویں میں مرجائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

اور کتا کنویں میں مرجائے تو پانی ناپاک ہوجائے گا اور پورا پانی نکالا جائے گا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) و ان مات فیھا شاۃ أو کلب أو آدمی أو انتفخ حیوان او نفخ بنزح جمیع ما فیھا صغر الحیوان أو کبر۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج: ۱، ص: ۱۷)۔

(۲) وینزح بموت کلب قید بموتہ فیھا لأنہ غیر نجس الغیر علی الصحیح فاذا لم یمت وخرج حیا ولم یصل فمہ الماء لا ینجس۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص: ۳۶)۔

(۳) و کذلک لو کان الواقع فیہ کلب او شاۃ انتفخ او لم ینتفخ وجب نزح الماء کلہ۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج: ۱، ص: ۳۱۸)۔

(۴) در المختار ج: ۱، ص: ۳۹۔

(۵) فتاویٰ علماء ھند ج: ۳، ص: ۱۹۱۔

(۶) فتاویٰ دار العلوم ج: ۱، ص: ۴۱۴۔

ناک یا منہ میں کس ہاتھ سے پانی ڈالا جائے؟

سوال: داہنے ہاتھ سے ناک منہ میں پانی ڈالنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

داہنے ہاتھ سے ناک منہ میں پانی ڈالنا سنت ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) اعلم ان المضمضة والاستنشاق سنتان مشتملان علی سبع سنن۔ الترتيب والتثليث۔ والتجريد وفعلهما باليمين والمبالغة منهما والمج والاستنثار۔ (حاشية الطحطاوی علی المراقی ج: ۱، ص: ۷۰)۔

(۲) ومنها المضمضة باليمين والاستنشاق باليمين وقال بعضهم المضمضة باليمين والاستنشاق باليسار لأن الفم مطهرة والأنف مقدرة والميمن للإطهار واليسار للاقذا۔ (بدائع الصنائع ج: ۱، ص: ۱۱۱ ص: ۱۱۴)۔

(۳) عبارة الحنفية فی المضمضة والاستنشاق وهما سنتان مؤكدتان مشتملتان علی سنن خمس منها الفعل باليمين۔ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ج: ۱، ص: ۳۹۷)۔

مسواک کی مقدار

سوال: مسواک کتنی لمبی اور کس لکڑی کی ہونی چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

مسواک ایک بالشت ہونی چاہئے اور خنصر کے برابر ہونی چاہئے، پیلو کی لکڑی ہے اور نہ نیم کی مسواک کرے یعنی لکڑی کڑوی ہو تو بہتر ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وكونه لينا مسقوبا بلاعقد فی غلظ الخنصر وطول شبر۔ (الفتاویٰ الشامی

ج: ۱، ص: ۴۳۴۔زکریا)۔

(۲) وينبغي ان يكون السواک من أشجار مرة ولكن رطبا فی غلظ الخنصر وطول شبر۔(الفتاویٰ التاتارخانیہ ج: ۱، ص: ۱۴۴)۔

(۳) وينبغي ان يكون فی غلظ الأصبع طول شبر مسقوبا قليل العقد من الإدال۔(حاشية الطحطاوی علی المراقی ج: ۱، ص: ۴۷)۔

وضو کے پانی کا برتن کہاں رکھا جائے؟

سوال: وضوء کے پانی کا برتن اگر چھوٹا ہو تو اس کو وضوء کرنے والا اپنے دائیں رکھے یا بائیں؟

الجواب: والله الموافق بالصواب

وضوء کے برتن اگر چھوٹا ہو تو اس کو وضوء کرنے والا اپنے بائیں رکھے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) إذا كان الإناء صغيراً يمكن رفعه لا يدخل يده فيه بل يرفعه بشماله ويصب على كفه اليمنى۔(حاشية الطحطاوی علی المراقی ج: ۱، ص: ٦٦)۔

(۲) إنه كان الإناء صغيراً أن يأخذه بشماله۔(الفتاویٰ الهندية ج: ۱، ص: ٥٦)۔ زکریا۔

(۳) إنه كان صغيراً يمكن رفعه لا يدخل فيه بل يرفعه بشماله ويصب على كفه اليمنى ويغسلها ثلاثاً۔(الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۱، ص: ۲۰۱)۔زکزیا۔

اعضاء وضو دھوتے ہوئے جو دعائیں پڑھیں جاتی ہیں

سوال: اعضاء وضوء دھوتے ہوئے کونسی دعاء پڑھنی چاہئے؟

الجواب: واللّٰہ الموفق بالصواب

اعضاءِوضوء دھوتے ہوئے الگ الگ دعا ہے جیسے۔

(۱) ہاتھ دھونے کے وقت یہ دعا پڑھنا چاہئے۔

اللّٰھم احفظ یدی من معاصیک کلھا۔

(۲) کلی کرنے کے وقت۔

اللھم اعنی علی تلاوۃ القرآن و ذکرک و شکرک و حسن عبادتک۔

(۳) ناک میں پانی دینے کے وقت۔

بسم اللہ اللھم ارحنی رائحۃ الجنۃ ألخ۔

(۴) منہ دھونے کے وقت۔

اللّٰھم بیض وجھی یوم بیض وجوہ۔ الخ۔

(۵) داہنا ہاتھ دھونے کے وقت:

اللھم اعطنبی کتابی بیمینی و حاسبنی حساباً یسیراً۔

(۶) بایاں ہاتھ دھونے کے وقت:

اللھم لا تعطنی کتابی بشمالی ولا فی ورائی۔

(۷) سر کا مسح کرنے کے وقت۔

اللھم اظلنی تحت ظل عرشک یوم لا ظل إلا ظل عرشک۔

(۸) دونوں پاں دھونے کے وقت۔

اللھم ثبت قدمی علی الصراط یوم تذول الأقدام۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ج: ۱، ص: ۷۶۔

(۲) الفقہ الإسلامی و أدلتہ ج: ۱، ص: ۴۰۹۔

مستحب وضوء کی ایک قسم

سوال: غیبت کرنے کے بعد اور جھوٹ بولنے کے بعد وضوء کا کیا حکم ہے؟

الجواب: واللّٰہ الموفق بالصواب۔

غیبت کرنے کے بعد اور جھوٹ بولنے کے بعد وضوء کرنا مستحب ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) القسم الثالث: وضوء مندوب للنوم على طهارة۔ إلى وبعد كلام غيبة وكذب ونميمة وبعد كل خطيئة وإنشا شعر۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ج: ۱، ص: ۸۳)۔ دار الكتاب۔

(۲) فصل فى صفة الوضوء منها الوضوء للنوم۔ إلى۔ الوضوء بعد الغيبة وبعد انشاد الشعر۔ (فتاویٰ قاضی خان ج: ۱، ص: ۳۶)۔

(۳) كذا فى نور الإيضاح ج: ۱، ص: ۳۲۔

(۴) كذا فى الفتاوىٰ الهندية ج: ۱، ص: ۶۰۔ (زكريا)

دینی شرعی کتابوں کو ہاتھ لگانے کے لئے کیا وضوء کرنا شرط ہے

سوال: دینی شرعی کتابوں کو ہاتھ لگانے کے لئے وضوء کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

دینی شرعی کتابوں کو ہاتھ لگانے کے لئے وضوء کرنا مستحب ہے۔ البتہ تفسیر کی کتاب کو تو بلا وضوء ہاتھ نہ لگائے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) القسم الثالث: وضوء مندوب فى أحوال كثيرة كمس الكتب الشرعية ورخص مسها للمحدث إلا التفسير كذا فى الدرر۔ (حاشية الطحطاوى على

المراقی ج: ۱، ص: ۸۳)۔

(۲) ویکره له مس کتب التفسیر۔ لم یروا به۔ بأساً۔ (فتاویٰ تاتارخانیة ج: ۱، ص: ۲۷۱۔ زکریا)۔

(۳) وقد جوزنا أصحابنا مس کتب التفسیر للمحدث ولم یفصلوا بین کون الأکثر تفسیراً أو قرآناً ولو قبل به اعتبار الغالب لکان مسنا۔ (شامی ج: ۱، ص: ۳۵۳، أشرفیة)۔

(۴) وکذا فی غنیة المستملی۔ (ج: ۱، ص: ۵۷)۔

بیہوشی طاری ہونے پر وضوء ٹوٹ جانے کا حکم

سوال: ایک شخص باوضوء تھا اس کے بعد بیہوش ہوگیا تو ہوش میں آنے کے بعد نماز کے لئے وضوء کرنا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰه الموفق بالصواب۔

اگر باوضوء آدمی بیہوش ہو جائے گا تو ہوش آنے کے بعد نماز کے لئے پھر وضوء کرنا ضروری ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وینقضه اغماء وهو مرض یذیل القوی ویسیر العقل۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ج: ۱، ص: ۹۱)۔

(۲) ینقض الوضوء قلیلة وکثیرة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱، ص: ۶۳۔ زکریا)۔

(۳) والاغماء ینقض الوضوء وإن قل وفی الخانیة فی الأحوال کلها۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۱، ص: ۲۵۸۔ زکریا۔

(۴) وکذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ (زکریا)۔

کیا سجدے کی حالت میں نیند آنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے

سوال: سجدہ کی حالت میں اگر کسی کو نیند آجائے تو اس کا وضوء ٹوٹے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سجدہ کی حالت میں اگر کسی مصلی کو نیند آجائے تو اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ سجدہ سنت کے مطابق ہے۔ اور اگر سجدہ سنت کی مطابق نہ ہو تو وضوء ٹوٹ جائے گا۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ومنها نوم مصل ولو نام راكعاً أو ساجداً إذا كان على جهة أي صفة السنة لقوله صلى الله عليه وسلم لا يجب الوضوء على من نام جالساً أو قائماً أو ساجداً حتى يضع جنبه فإذا اضطجع استرخت مفاصله وإن لم يكن على صفة السجود والركوع المسنون انتقض وضوءه۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ج: ۱، ص: ۹۴)۔

(۲) ظاهر الرواية أن النوم فى الصلاة قائماً أو قاعداً أو ساجداً لا يكون حدثاً سواء عليه النوم أو تعمده۔ (شامى ج: ۱، ص: ۲۹۶ أشرفيه)۔

(۳) وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان ج: ۱ ص: ۴۳۔ (زكريا)۔

(۴) وكذا فى الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۶۲۔ (زكريا)۔

ودی کا حکم

سوال: ودی کس کو کہتے ہیں اور اس کے نکلنے کے بعد غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ودی اس گاڑھے پانی کو کہتے ہیں جو پیشاب کے بعد یا پہلے آتا ہے ودی نکلنے کے بعد غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) أما الودی فهو غليظ من البول يتعقب الرقيق منه خروجاً قال وليس فی المذی والودی غسل۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج: ۱ ص: ۵۱۴)۔

(۲) أن تيقن أنه ودی لا يجب الغسل۔ (الفتاویٰ التاتارخانیه ج: ۱ ص: ۲۸۴) زکریا۔

(۳) وإن رأی بللاً إلا أنه لم يتذكر الاحتلام فإن تيقن أنه ودی لا يجب الغسل۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۱۶ ۔زکریا)۔

(۴) وکذا فی الهداية ج: ۱ ص: ۳۳۔

(۵) وکذا فی حاشية الطحطاوی علی المراقی ج: ۱ ص: ۱۰۱۔

فرض غسل میں دلک کا حکم

سوال: غسل فرض میں دلک یعنی بدن کو رگڑنا فرض ہے یا واجب؟ تحقیق کے ساتھ لکھیں۔

الجواب حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

غسل فرض میں دلک یعنی بدن کو رگڑنا فرض بھی نہیں واجب بھی نہیں ہے۔ بلکہ سنت ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ويسن أنه بدلک کل اعضاء جسده فی المدة الأولی ليعم الماء بدنه فی المرتين الآخرتين وليسن الدلک بواجب فی الغسل۔ (حاشية الطحطاوی علی المراقی ج: ۱ ص: ۱۰۵)۔

(۲) قال فی الأصل والدلک فی الاغتسال ليس بشرط عندنا خلافاً لمالک وعن أبی يوسف فی الأمالی يدلک فی اليوم البارد۔ (الفتاویٰ التاتارخانیه ج: ۱ ص: ۲۷۳ ۔زکریا)۔

(۳) سنن الغسل: النية والتسمية إلی۔۔۔ ويدلک بدنه بيده۔ (الفقه الاسلامی

وأدلته ج: ا ص: ۵۲۹)۔

(۴) وکذافی الفتاویٰ الهندية ج: ا ص: ۶۵۔ (زكريا)۔

(۵) وكذافي بدائع الصنائع ج: ا ص: ۱۴۳۔ (زكريا)۔

احرام کا کپڑا پہننے سے پہلے غسل کرنے کا حکم

سوال: حاجی کے لئے احرام کا کپڑا پہننے سے پہلے غسل کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

حاجی کے لئے احرام کا کپڑا پہننے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) وأربعة سنة هي: غسل يوم الجمعة ويوم العيدين ويوم العرفة وعند الإحرام وواحد مستحب وهو غسل الكافر وإذا أسلم ولم يكن جنباً۔ (الفتاوىٰ الهندية ج: ا ص: ۲۷۔ زكريا)۔

(۲) ويسن للإحرام للحج أو العمرة لفعله صلى الله عليه وسلم وهو للتنظيق لا للتطهير فتغتسل المرأة ولو كان بها حيض أو نفاس۔ (حاشية الطحطاوي على المراقي ج: ا ص: ۱۰۷)۔

(۳) وكذافي الشامي ج: ا ص: ۳۳۹۔ (أشرفيه)

(۴) وكذافي الفقه الاسلامي وأدلته ج: ا ص: ۵۴۲۔

(۵) وكذافي الدر المختار ج: ا ص: ۳۲۔ (أشرفية)۔

سفر سے واپسی کے بعد غسل کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص لمبے سفر سے واپس آئے تو غسل کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًو مصلياً: والله الموفق بالصواب

اگر کوئی شخص لمبے سفر سے واپس آئے تو غسل کرنا مستحب ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(١) ويندب الاغتسال فی ستة عشر شيئًا۔ إلى۔ ويندب للنائب من ذنب وو للقام من سفر۔ (حاشية الطحطاوی ج: ١، ص: ١٠٩)۔

(٢) وكذافى الشامی ج: ١ ص: ٣٤٢۔ (أشرفيه)۔

(٣) وكذافى البحر الرائق ج: ١ ص: ١٢٢۔ (سعيد)۔

سونے یا چاندی پر تیمم کرنے کا حکم

سوال: سونے چاندی کے زیورات پر تیمم درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًو مصلياً: والله الموفق بالصواب

سونے چاندی کے زیورات پر تیمم کرنا درست نہیں ہے؟

الدليل على ما قلنا:

(١) لا يصح التيمم بنحو الحطب والفضة والذهب والنحاس و الحديد وضابطه أن كل شيئ يصير رماداً او ينطبع بالإحراق لا يجوز به التيمم۔ (حاشية الطحطاوی ج: ١ ص: ١١٩)۔

(٢) يتيمم بطاهر من جنس الأرض۔ إلى۔ وعين الذهب والفضه وبحوها فليس من جنس الأرض۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ١ ص: ٧٩۔ زكريا)۔

(٣) ولا يجوز بما ليس من جنس الأرض نحو الذهب والفضة والرصاص والذجاجة والحنطة وغيرها۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج: ١ ص: ٣٧٤۔ زكريا)۔

(٤) وكذافى الشامی ج: ١ ص: ٤٥١۔ (أشرفيه)۔

کیا تیمم میں انگلیوں کا خلال کرنا ضروری ہے؟

سوال: تیمم میں انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

تیمم میں انگلیوں کا خلال کرنا واجب ہے اگر انگلیوں میں غبار داخل نہ ہو۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وعلى ظاهر الرواية يلزم تخليل الأصائع ونذع الحاتم ولو ترک لم يجز وعلى رواية الحسن لا يلزم ويجوز۔ (البدائع الصنائع ج: ١ ص: ١٦٨، زكريا)

(۲) ويجب تخليل الأصابع إن لم يدخل بينها غبار كذا في التبين۔ (الفتاوىٰ الهندية ج: ١ ص: ٧٩ زكريا)۔

(۳) فإنه روى عنه إذا لم يدخل الغبار بين أصابعه فعليه أن تخلل ما بين أصابعه۔ (الفتاوىٰ التاتارخانية ج: ١ ص: ٣٦٣ زكريا)۔

(۴) وكذافي حاشية الطحطاوى ج: ١ ص: ١٢٠۔

(۵) وكذافي الشامي ج: ١ ص: ٤٥١۔ (اشرفية)۔

موزے پر مسح کرنے کی ایک شرط

سوال: بلا وضوء پہنے ہوئے موزہ پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

بلا وضوء پہنے ہوئے موزہ پر مسح درست نہیں ہے، ہاں اگر پیر دھونے کے بعد موزہ پہنے پھر وضوء مکمل کرے تو اس موزہ پر مسح کرنا جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ويشترط لجواز المسح على الخفين سبعة شرائفط الأول بسهما بعد

غسل الرجلين ولو حكماً لجبيرة بالرجلين أو باحداهما مسحها وليس الخف يمسح خفه لأن مسح الجبيرة كالغسل ولو كان اللبس فيه كمال الوضوء اذا تمه قبل حصول ناقض للوضوء۔ (حاشية الطحطاوی ج: ١ ص: ١٢٩)۔

(٢) شرط جواز المسح على الخف أن يكون الحدث بعد اللبس طارئاً على طهارة كاملة حتى لو غسل رجليه أولاً ولبس الخفين ثم أحدث لم يجز المسح۔

(الفتاویٰ التاتارخانية ج: ١ ص: ٢١٢۔ زكريا)۔

وكذافی الفتاویٰ الهندية ج: ١ ص: ٨٧۔ (زكريا)۔

وكذافی بدائع الصنائع ج: ١ ص: ٨٢۔ (زكريا)۔

وكذافی الشامی ج: ١ ص: ۴٨٨۔ (أشرفية)۔

لکڑی کے بنے ہوئے موزے پر مسح کرنے کا حکم

سوال: لکڑی کے بنے ہوئے موزہ پر مسح کرسکتے ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰه الموفق بالصواب

لکڑی کے بنے ہوئے موزہ پر مسح کرنا جائز نہیں۔

الدليل على ما قلنا:

(١) ولا يجوز المسح على الخف المتخذ من الحديد والدجاج و الخشب۔

(الفتاویٰ الهندية ج: ١ ص: ٨٦۔ زكريا)

(٢) فلا يجوز المسح على خف صنع من زجاج أو خشب أو حديد۔ (حاشية الطحطاوی ج: ١ ص: ١٣٠)۔

(٣) و الثالث كونه مما يمكن متابعة المشی المعتاد فيه فرسخاً فأكثر، فلم يجز متخذ من زجاج وخشب أو حديد۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ١ ص: ۴٩١ (أشرفية)۔

کیا بغیر پاکی کے بندھی ہوئی پٹی پر مسح کرنا درست ہے

سوال: بغیر پاکی کے بندھی پٹی پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

بغیر پاکی کے بندھی پٹی پر مسح کرنا جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) يجوز مسحها ولو شدت بلا وضوء۔ (شامي ج: ۱ ص: ۵۱۷ أشرفية)۔

(۲) ومنها أنه لا تشترط الطهارة لوضع الجبائر حتى لو وضعها وهو محدث ثم توضأ جاز له أن يمسح عليها۔ (بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۹۳۔ زكريا)۔

(۳) ولا يتوقف هذا المسح بوقت ولا فرق بين أن يشده على الوضوء أو على غير الوضوء۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۸۹۔ زكريا)۔

(۴) وكذا في المحيط البرهاني ص: ۱۶۳۔

(۵) وكذا في حاشية الطحطاوي ج: ۱ ص: ۱۳۶۔ (دار الكتاب)۔

کب غسل اور مسح دونوں کو ایک ہی عضو میں جمع کیا جا سکتا ہے

سوال: ثنائی اعضاء میں سے ایک کا مسح اور دوسرے کا غسل درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ثنائی اعضاء میں سے ایک کا مسح اور دوسرے کا غسل درست ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ويجمع مسح جبيرة رجل معه أي مع غسل الأخرى لا مسح خفها۔ (شامي ج: ۱ ص: ۵۱۶۔ أشرفية)۔

(۲) ويجوز مسح جبيرة إحدى الرجلين مع غسل الأخرى لكونه أصلاً۔

(حاشية الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۳٦ ۔ دار الکتاب)۔

(۳) المسح على الجبيرة و خرقة القدحة كالغسل لما تحتها و ليس ببدل حتى لو كانت الجبيرة على إحدى رجليه مسح عليها و غسل الأخرى۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۸۹۔ زکریا)۔

(۴) و کذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة۔ ج: ۱ ص: ۴۲۱۔ (زکریا)۔

نماز عیدین میں تیمم کرنے کا حکم

سوال: عیدین کی نماز کے دوران اگر کسی کا وضوء ٹوٹ جائے تو تیمم کرکے باقی نماز پوری کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

عیدین کی نماز کے دوران اگر کسی کا وضوء ٹوٹ جائے اگر نماز سے فراغ امام کا خوف ہو تو تیمم کرکے باقی نماز پوری کرسکتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قال فی شرح التنویر جاز لخوف فوت جنازة أي كل تكبيراتها أو فوت عيد بفراغ إمام أو زوال شمس۔ إلى۔ لأن المناط خوف الفوت لا إلى بدل فجاز لخوف و سنن روایت۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۲۲۴۔ اشرفیه)۔

(۲) إذا سبقه الحدث بعد الشروع فی الصلاة فإن کان یرجو إدراک الإمام قبل الفراغ لا یباح له التیمم بالإجماع و إن کان لا یرجو إدراک الإمام قبل الفراغ تیمم و یبنی۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۳۸۵۔ زکریا۔

(۳) إذا سبقه الحدث بعد الشروع فی الصلاة فإن کان یرجو إدراک الإمام قبل الفراغ لا یباح له التیمم بالإجماع و إن کان لا یرجو إدراک الإمام قبل الفراغ تیمم و یبنی۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۳۸۵۔ زکریا)۔

(۴) وکذافی بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۷۸۔ (زکریا)۔
(۵) وکذافی حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۱۸۔ (دار الکتاب)۔

مسح اور غسل کو جمع کرنے کی ایک صورت

سوال: اگر اعضاءِ وضوء کا اکثر حصہ زخمی ہو تو مسح و غسل کو جمع کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر اعضاءِ وضوء کا اکثر حصہ زخمی ہو تو مسح کرے غسل نہ کرے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) قال فی شرح التنویر تیمم لو کان أکثره أي أکثر أعضاء الوضوء عدداً وفی الغسل مساحة مجروحاً أو به یجری اعتباراً للأکثر وبعکسه بغسل الصحیح ویمسح الجرایح۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۱۳۷۔ اشرفیہ۔
(۲) القربة التی تبقی من الیدین بین عقدتی العصابة ویکتفی بالمسح علی أکثر الجیدة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۸۹۔ زکریا۔
(۳) یجوز المسح علی الخرقة الزائدة ویقوم المسح علیها مقام غسل ما تحتها۔ (بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۹۰۔ زکریا)۔

حائضہ عورت کے لئے اعتکاف کرنے کا حکم

سوال: حائضہ عورت اعتکاف کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حائضہ عورت اعتکاف نہیں کرسکتی ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) والحیض لا یحصی من الأحکام کالطهارة والصلاة والقراءة والصوم

والاعتکاف والحج والبلوغ۔ (شامی ج: ۱ ص: ۱ ۵۲۱۔أشرفیه)۔

(۲) وأما شروطه: منها الأسلام والعقل والطهارة عن الجنازة والحيض والنفاس۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۲۷۳۔زکریا)۔

(۳) فالحيض من غوامض الأبواب وأعظم المهمات لأحكم كثيرة كالطلاق العتاق والاستبراء والعدة والنسب وحل الوطء والصلاة والصوم وقران القران ومسه والاعتكاف ودخول المسجد۔ (حاشية الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۳۸۔ دار الكتاب)۔

(۴) وكذا فی الفقه الإسلامی وأدلته ج: ۱ ص: ۶۲۴۔

حیض، استحاضہ نفاس کی تعریف

سوال: حیض استحاضہ نفاس کی تفریق لکھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰه الموفق بالصواب

الدليل على ما قلنا:

(۱) الحيض: لغة هو السيلان يقال حاض الوادی إذا سال۔ والحيض شرعاً۔هو الدم الخارج فی حال الصحة من أقصى رحم المرأة من غير ولادة ولا مرض فی أمر معين ولونه عادة السواد وهو محتلم۔

(۲) والنفاس: عند الحنفية والشافعية: هو الدم الخارج عقب الولادة وعند الحنابلة۔ الدم الخارج بسبب الولادة۔

(۳) والاستحاضة: هی سيلان الدم فی غير أو قاته المعتادة غير الحيض والنفاس من مرض وفساد من عرق أدنى الرحم۔ (الفقه الإسلامی وأدلته ج: ۱ ص: ۶۱۰)۔

تیمم کی ایک صورت

سوال: وضوء کے لئے پانی نہ ملنے کی صورت میں کتنی دور تک پانی تلاش کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

وضوء کے لئے پانی نہ ملنے کی صورت میں ایک میل دور تک پانی تلاش کرنا ضروری ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ثم العدم علی نوعین۔ عدم من حیث الصورة والمعنی وعدم من حیث المعنی لامن حیث الصورة۔ فالأول أن یکون بعیداً عنه۔ قال فی البدائع ولم یذکر حد البعد فی ظاهر الروایة۔ فعن محمد التقدیر بالمیل۔ فإن تحقق میل جاز له التیمم وإن تحقق کونه أقل أو ظن أنه میل أو أقل لا یجوز قال فی الهدایة والمیل هو المختار فی المقدار۔ (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۱۳۹۔ سعید)۔

(۲) وکذا فی بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۶۸۔ (زکریا)۔

(۳) وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۱ ص: ۳۶۷۔ (زکریا)۔

(۴) وکذا فی مجمع الأنهر۔ (ج: ۱ ص: ۵۸)۔

ایک تیمم سے متعدد فرائض ادا کرنے کا حکم

سوال: ایک تیمم سے کتنے فرائض کو ادا کرنے کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ایک تیمم سے جتنے بھی فرائض کو ادا کرنا چاہتا ہے ادا کرسکتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویجوز أن یصلی بالتیمم الواحد ماشاءَ من الفرائض کالوضوء۔ (حاشیة

الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۲۵۔دار الکتاب)۔

(۲) ویصلی بالتیمم الواحد ماشاءَ من فرض ونفل کالوضوء۔(مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۶۳)۔

(۳) وکذافی الفقه الحنفی وأدلته ج: ۱ ص: ۸۴۔

(۴) وکذافی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۱۵۶۔(سعید)۔

(۵) وکذافی تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۴۲۔

(۶) وکذافی الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۳۹۵۔(زکریا)۔

(۷) وکذافی الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۸۳۔(زکریا)۔

ناک سے خون نکلنے سے آدمی معذور بن جاتا ہے؟

سوال: جس کی ناک سے بار بار خون نکلتا ہو تو وہ معذور کب کہلائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جس کی ناک سے بار بار خون نکلتا ہو وہ اس وقت معذور ہوگا جب ایک کامل نماز کا وقت ایسا اس کو نہ مل سکے کہ وضوء کر کے نماز بغیر عذر کے ادا کر سکے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) أن لا یجد فی جمیع وقتها زمناً یتوضأ ویصلی فیه خالیا عن الحدث۔(الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۲۸۱۔أشرفیه)۔

(۲) ولا یصیر معذوراً حتی استوعبه العذر وقتاً کاملاً لیس فیه انقطاع لعذره بقدر الوضوء والصلاۃ۔(حاشية الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۵۰۔دار الکتاب)۔

(۳) وکذافی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۱۷۔(سعید)۔

(۴) وکذافی الشامی ج: ۱ ص: ۵۵۴۔(أشرفیه)۔

مستحاضہ عورت کے وضو کا حکم

سوال: مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضوء کرے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضوء نہیں کرے گی بلکہ ہر فرض نماز کے وقت کے لئے وضوء کرے گی، پھر اس وضوء سے جتنی چاہئے نماز پڑھ سکتے ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلاة ويصلون به في الوقت ما شاؤا من الفرائض والنوافل۔ (حاشية الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۴۹۔ دار الكتاب)۔

(۲) يتوضؤون لوقت كل صلاة ويصلون به ما شاؤا من فرض و نفل ويبطل لخروجه فقط۔ (مجمع الأنهر ۸۴۔ فقيه الأمة)۔

(۳) وحكمه الوضوء لوقت على صلاة ثم يصلى به فيه فرضاً ونفلاً فإذا خرج الوقت بطل۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۵۵) أشرفيه۔

(۴) وكذا في البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۱۵۔ (سعيد)۔

(۵) وكذا في الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۹۵۔ (زكريا)۔

(۶) وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۳۳۳۔ (زكريا)

نجاست غلیظہ اور خفیہ کی تعریف

سوال: نجاست غلیظہ وخفیفہ میں کیا فرق ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً واللّٰہ الموفق بالصواب

نجاست غلیظہ وہ نجاست ہے جس کا ثبوت ایسی نص سے ہو سکے جس کے معارض دوسری نص طہارت کو ثابت کرنے والی نہ ہو۔ اور اگر دو نص باہم متعارض موجود ہوں کہ ایک نجاست

ثابت کرتی ہے اور دوسری طہارت، تو یہ نجاست خفیفہ کہلائے گی۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) حاصله إن الإمام أبا حنيفة قال ما توافقت على نجاسته الأدلة فمغلظ سواء اختلفت فيه العلماء وكان فيه بلوى أم لا وإلا فهو مخفف وقالا ما اتفق العلماء على نجاسته ولم يكن فيه بلوى فمغلظ وإلا مخفف ولا نظر للأدلة۔ (حاشية الطحطاوي ج: ۱ ص: ۱۵۳۔دار الكتاب)۔

(۲) ثم اعلم إن المغلظ من النجاسة عند الإمام ماورد فيه نص لم يعارض بنص اخذ۔ فإن عورض بنص أخذ فمخفف وعندهما ما الاختلف الائمة في نجاسته فهو مخفف۔ (شامي ج: ۱ ص: ۵۷۳۔أشرفيه)۔

(۳) وكذا في الهداية ج: ۱ ص: ۷۵۔تهانوى۔

(۴) وكذا في البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۲۹۔سعيد۔

(۵) وكذا في مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۹۳۔(فقيه الأمة)۔

چوہے کا پیشاب کونسی قسم کی نجاست ہے

سوال: چوہے کا پیشاب نجاست غلیظہ میں داخل ہے یا خفیفہ میں؟

الجواب: حامداً و مصلياً والله الموفق بالصواب

چوہے کا پیشاب نجاست خفیفہ میں داخل ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) بول الفأرة وخذؤها نجس وقيل بولها معفو و عليه الفتوى وفي الحجة والصحيح أنه نجس۔ (الفتاوى التاتارخانية ج: ۱ ص: ۴۳۰۔زكريا)۔

(۲) من الغليظة۔ وبول غير مأكول ولو من صغير لم يطعم إلا بول الخفاش وخدأه فطاهر وكذا بول الفأرة لتعذر التحرز عنه وعليه الفتاوىٰ۔ (شامي ج: ۱

ص: ۵۷۴۔ أشرفیه۔

(۳) وکذافی حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۵۴۔ (دار الکتاب)۔

(۴) وکذافی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۳۰۔ (سعید)۔

(۵) وکذافی مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۹۳۔ (فقیه الأمة)۔

نفاس کی اقل اور اکثر مدت کیا ہے؟

سوال: نفاس کی کم سے کم مدت اور زیادہ مدت کتنے ایام ہیں؟

نفاس کی اقل مدت کی کوئی حد نہیں ہے، اور اکثر مدت نفاس چالیس دن ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وحکم النفاس لا حد لأقله وأکثره أربعون یوماً۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۴۶۔ أشرفیه۔

(۲) النفاس هو الدم الخارج عقب الولادة وأکثره أربعون یوماً ولا حد لأقله۔ (حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۴۰۔ دار الکتاب)

(۳) والنفاس دم یعقب الولد وحکمه حکم الحیض ولا حد لأقله وأکثره أربعون یوماً۔ (مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۸۲۔ فقیه الأمة)۔

(۴) وکذافی بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۵۷۔ (زکریا)۔

(۵) وکذافی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۱۹۔۲۰۔

نفاس کی ایک صورت

سوال: ایک عورت کا بچہ ناقص الخلقت ساقط ہوگیا جس کے کچھ اعضاء تیار ہوئے تھے اس کے بعد عورت کو خون آنا شروع ہوگیا تو یہ خون نفاس کہلائے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداًومصلیاًواللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئلہ میں یہ خون نفاس کہلائے گا۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) والسقط إن ظهر بعض خلقه فهو ولو تصير به أمة نفساء والأمة أم ولد وتنقض به العدت۔ (مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۸۳۔ فقيه الأمة)۔

(۲) وسقط ظهر بعض خلقه كيد أو رجل أو اصبع أو ظفر أو شعر ولا يستبين خلقه إلا بعد مائه وعشرين يوماً ولو فيصير المرأة به نفساء والأمة أم ولد وتنقضى به العدة۔ (شامي ج: ۱ ص: ۵۴۹ أشرفيه)۔

(۳) وكذا في حاشية الطحطاوي ج: ۱ ص: ۱۴۰۔ (دار الكتاب)۔

(۴) وكذا في البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۱۸۔ (سعيد)۔

(۵) وكذا في الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۹۱۔ (زكريا)۔

(۶) وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۵۴۲۔ (زكريا)۔

گلاب کے پانی سے پاکیزی حاصل کرنے کا حکم

سوال: گلاب کے پانی سے اگر کوئی نجاست دور کرے تو نجاست دور ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداًومصلیاًواللّٰہ الموفق بالصواب

گلاب کے پانی سے اگر کوئی نجاست دور کرے تو نجاست دور ہو جائے گی۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ويكل مائع طاهر قالع للنجاسة ينعصر بالعصرى لخل وماء ورد حتى الريق۔ (شامي ج: ۱ ص: ۵۶۱۔ أشرفيه)۔

(۲) ويطهر البدن والثوب بالماء وبمائع مذيل كالخل وماء والورد۔ (البحر

الرائق ج: ۱ ص: ۲۲۱۔سعید)۔

(۳) يطهر بدن المصلی وثوبه من النجس الحقيقی بالماء وبكل مائع طاهر مذيل كالخل وماء الورد لا الدهن۔(مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۸٦۔فقيه الأمة)۔

(۴) وكذا فی ملتقی الأبحر ج: ۱ ص: ٦۴۔

نجاست دور کرنے کے بعد اس کا کلر باقی رہ جانے کا حکم

سوال: نجاست دور کرنے کے بعد اگر اس کا کلر باقی رہ جائے تو کپڑا پاک ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً والله الموفق بالصواب

نجاست دور کرنے کے بعد اگر اس کا کلر باقی رہ جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) والنجس المرئی يطهر بزوال عينه الا مايشق أی يطهر محله بزوال عينه لأن تنجس المحل باعتبار العين فيزول بزوالها۔ (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۳٦۔سعید)۔

(۲) والنجس المرئی يطهر بزوال عينه إلا مايشق وغيره بالغسل ثلاثاً۔ (النهر الفائق ج: ۱ ص: ۱۵۰) زکریا۔

(۳) لا بد من غسله وطهارة المرئی بزوال عينه ويعفی أثر شق زواله وغير المرئی بالغسل ثلاثاً۔(مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۹۰۔فقيه الأمة)۔

(۴) وكذا فی الدر المختار ج: ۱ ص: ۵٦۰۔أشرفيه۔

(۵) وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۱ ص: ۴۴۹۔(زکریا)۔

جو پانی پونچھ سے لگ جائے کیا وہ ناپاک ہو جاتا ہے

سوال: اگر کسی شخص کی مونچھ لمبی ہو اور پانی پیتے وقت وہ پانی سے لگ جائے تو اس کا بچا ہوا پانی پی سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر کسی شخص کی مونچھ لمبی ہو اور پانی پیتے وقت وہ پانی سے لگ جائے تو اس کا بچا ہوا پانی پی سکتے ہیں کوئی مضائقہ نہیں۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) إذا كان شارب شارب الخمر طويلاً يتخبس الماء وإن شرب بعد ساعة كذا في التاتار خانية۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۲۳۔ رشيدية)۔

(۲) إذا كان شارب شارب الخمر طويلاً يتجس الماء وإن شرب بعد ساعة۔ (الفتاویٰ التاتار خانية ج: ۱ ص: ۳۵۲۔ زكريا)۔

(۳) وكذا في البحر الرائق ج: ۱ ص: ۱۲۷۔ (سعيد)

(۴) وكذا في تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۳۱۔

(۵) وكذا في مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۵۵۔ (فقيه الأمة)۔

(۶) وكذا في النهر الفائق ج: ۱ ص: ۹۲۔ (زكريا)۔

سوکھی ناپاک زمین پر تیمم کرنے کا حکم

سوال: زمین کی کسی ٹکڑے پر پیشاب کر دے اس کے بعد وہ دھوپ سے خشک ہو جائے تو اس مٹی سے تیمم کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

زمین کے کسی ٹکڑے پر پیشاب کر دے اس کے بعد وہ دھوپ سے خشک ہو جائے تو

اس مٹی سے تیمم کرنا درست نہیں۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ويطهر أرض بخلاف نحو بساط ببسها أي جفافها ولو بديح وذهاب أثرها كللون وريح لأجل صلاةٍ عليها لا تيمم بها لأن المشروط لها الطهارة وله الفطهور به۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۶۳۔أشرفيه)۔

(۲) أن يكون التيمم بطاهر طيب وهو الذى لم يمسه نجاسة ولو زالت بذهاب أثرها۔ (حاشية الطحطاوى ج: ۱ ص: ۱۱۸۔دار الكتاب)۔

(۳) وكذا فى البناية ج: ۱ ص: ۲۸۷۔ (دار الفكر)۔

(۴) وكذا فى تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۲۷۔ (امدادية)۔۔

(۵) وكذا فى الهداية ج: ۱ ص: ۴۷۔ (بلال)۔

گوبر کو جلا کر راکھ بنا دیا جائے تو کیا وہ پاک ہو جاتا ہے

سوال: گوبر جب خشک ہو جائے اور اس کو جلا کر راکھ بنا دیا جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب: حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

گوبر جب خشک ہو جائے اور اس کو جلا کر راکھ بنا دیا جائے تو وہ پاک ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ومنها الإحراق: السرقين إذا أحدق حتى صار رماداً فعند معمد يحكم بطهارته وعليه الفتوى هكذا فى الخلاصة وكذا العذرة۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۹۹۔زكريا)۔

(۲) إن النجاسة إذا تغيرت بمض الزمان وتبدلت أوصافها تصير شيئًا آخر۔ منها۔ العذرة إذا احدقت بالنار وصارت رماداً۔ (بدائع الصنائع ج: ۱

ص: ۲۴۳۔ زکریا)۔

(۳) احترقت النار فتصید رماداً طاراً علی الصحیح لتبدل الحقیقة۔ (حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۶۵۔ دار الکتاب)۔

(۴) وکذافی الشامی ج: ۱ ص: ۵۶۶۔ (أشرفیه)۔

(۵) وکذافی الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۱ ص: ۵۳۴۔ (زکریا)۔

(۶) وکذافی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۲۷۔ (سعید)

کیا مچھلی کے خون ناپاک ہے

سوال: مچھلی کا خون اگر کپڑے میں لگ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مچھلی کا خون اگر کپڑے میں لگ جائے تو وہ پاک ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وأمادم السمک ولعاب البغل: والحمار فطاهر فی ظاهر الروایة وهو الصحیح۔ (حاشیة الطحطاوی ج: ۱ ص: ۱۵۶۔ دار الکتاب)۔

(۲) وعفی دم السمک ولعاب بعل وحمار والمذهب أن دم السمک طاهر لأنه دم صورة لا حقیقة۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۷۹۔ أشرفیه)۔

(۳) ودم السمک وما یعیش فی الماء ل یفسد الثوب فی قول أبی حنیفة ومعمد۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۱۰۲۔ زکریا)۔

(۴) وکذافی الفتاویٰ التاتارخانیة۔ (زکریا)۔

(۵) وکذافی بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۹۵۔ (زکریا)۔

موبائل کے ذریعہ قرآن پڑھنے کا حکم

سوال: موبائل کے ذریعہ بلاوضوء قرآن شریف پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

موبائل کے ذریعہ بلا وضوء قرآن شریف پڑھا جا سکتا ہے لیکن موبائل پر ظاہر ہونے والے الفاظ قرآنیہ کو ہاتھ لگانا ممنوع ہے۔

الدلیل علی ما قلنا

(۱) عن علی رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرئنا القرآن علی کل حالٍ مالم یکن جنباً۔ (رواہ الامام الترمذی سننہ ج: ۱، ص: ۳۸۔ مکتب بلال)۔

(۲) منع الحدث المس أی مس القرآن الکریم ومنعهما الجنابة والنفاس أی منع من القراءة والمس۔ (تبیین الحقائق ج: ۱، ص: ۵۷۔ امدادیہ)۔ (البحر الرائق ج: ۱، ص: ۱۹۹۔ سعید کراچی)۔

(۳) ومنها حرمة قراءة القرآن، لاتقرأ الحائض والجنب شیئًا من القرآن۔ (هندیه ج: ۱ ص: ۳۸۔ رشیدیة)۔

(۴) والحدیث یدل علی جواز قراءة القرآن للحدث بالحدث الأصغر وهو مجمع علیه وأما قراءة الحدث فی المصحف ومسه لا یجوز الا بطهارة۔ (عون المعبود ج: ۱ ص: ۳۰۳۔ قدس)۔ (بذل المجهود ج: ۲ ص: ۲۱۰۔ مرکز الشیخ)۔

(۵) کان یقرئنا القرآن أی یعلمنا علی کل حالٍ متوضأً أو کان غیر متوضئٍ۔ (تحفة الأحوذی ج: ۱ ص: ۱۲۳۔ قدس)۔

(۶) هکذا فی الشامی ج: ۱ ص: ۲۲۹۔ کراچی۔

عورت کے احتلام اور حیض کے درمیان کیا فرق ہے؟

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ: عورت کا احتلام یا حیض میں کوئی فرق ہے؟ یا ایک ہی ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ عورت کا حیض اور احتلام ایک ہی ہے۔ حالانکہ دونوں الگ الگ ہے اور ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔ اس سے اہم فرقوں میں چند فرق یہ ہے۔

احتلام منی نکلنے اور حیض خاص قسم کے خون نکلنے کو کہتے ہیں۔

حیض کی مدت متعین ہے جیسا کہ اس کی اقل مدت تین دن اور اکثر مدت دس دن ہیں۔ جبکہ احتلام کے لئے کوئی مخصوص مدت نہیں ہے۔

دو حیض کے دوران کم ازکم پندرہ دن کا فاصلہ ہونا شرط ہے۔ جبکہ احتلام کے اندر ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔

حیض کے بسبب عورت سے نماز اور روزہ کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ روزے کی قضاء بعد میں کرنی ہوتی ہے۔ لیکن احتلام میں ایسا نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن أم سلمة رضی الله عنها قالت: جاءت أم سليم إلى النبی صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله إن الله لا يستحي من الحق فهل على المرءة من غسل إذا احتلمت؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ نعم إذا رأت الماء فقالت أم سلمة لرسول الله وتحتلم المرأة؟ فقال تربت يداک، فبم يشبهها ولدها؟

رواه الإمام مسلم فی صحیحه ج: ١ ص: ١٤٦ ـ باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المنی منها مکتبه بلال دیوبند۔

رواه النسائی فی سننه ج: ١ ص: ٢٢ ـ باب غسل المرأة ترى فی منامها ما يرى

الرجل۔ مکتبہ بلال دیوبند۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت: فإن ذلک شیئ کتبه الله علی نبات أدم فافعلی ما یفعل الحاج غیر أن لا تطوفی بالبیت حتی تطهری۔ (رواه البخاری ج: ۱ ص: ۴۴۔ کتاب الحیض یاسر ندیم۔ (إعلاء السنن ج: ۱ ادارة القرآن کراچی)۔

عن سفیان قال: أقل الحیض ثلاث واکثره عشرة۔ (سنن الدار قطنی ج: ۱ ص: ۲۱۶۔ مکتبہ دار الإیمان سہارنپور)۔

الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة ج: ۱ ص: ۶۲۔ تھانوی۔

فیه دلیل علی أن کل النساء تحتلمن۔ (فتح الملهم ج: ۳ ص: ۹۷۔ فیصل دیوبند)۔

وهو دم تنفضه رحم امرأة سلیمة عن داءٍ وصغرٍ۔ (کنز الدقائق ج: ۱ ص: ۱۹۰۔ مع البحر الرائق سعید)۔

أقله أی الطهر أی: الفاصل بین الحیضتین خمسة عشر یوماً۔ (النهر الفائق ج: ۱ ص: ۱۳۷۔ زکریا دیوبند)۔

سجدہ تلاوت کے لئے وضوء شرط ہے

سوال: سجدہ تلاوت بغیر وضوء جائز ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ تشفی بخش جواب سے نوازینگے۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات ائمہ کا اجماعی مسئلہ ہے کہ بغیر وضوء سجدۂ تلاوت جائز نہیں ہے۔ چند شرائط میں یہ نماز کی طرح ہے جیسے: بدن، کپڑا اور جائے نماز کا پاک ہونا، اور قبلہ کی طرف متوجہ ہونا، اور ستر عورت کو ڈھاپ کر رکھنا۔

الدليل على ما قلنا:

عن الحسن: فى الرجل يسمع السجدة وهو على غير وضوءٍ فلا سجود عليه۔ (المصنف لابن أبى شيبة ج:۳ ص: ۴۰۹۔ باب الرجل يسمع السجدة وهو على غير وضوءٍ۔ المجلس العلمى۔

عن نافع عن ابن عمر قال لا يسجد الرجل إلا وهو طاهر۔ (فتح البارى ج:۲ ص: ۶۴۴۔بيروت)۔

هكذا فى عمدة القارى ج:۵ ص: ۳۴۸۔زكريا ديوبند۔

حاشية البخارى ج: ۱ ص: ۱۴۶۔ باب ماجاء فى سجود القرآن۔ رقم الحاشية ج:۵ ياسر نديم ديوبند۔

شرائط صحة أداء سجود التلاوة: وهى ما كان من شرائط صحة الصلاة۔ من الطهارة عن النجاسة الحقيقة بدناً ومكاناً وثياباً وستر العورة واستقبال القبلة ونحوها۔ لأنها بعض الصلاة۔ فيشترط لأدائها ماهو شرط فى الكل۔ (تحفة الفقهاء ج: ۱ ص: ۴۵۴۔دار الكتب العلمية بيروت)۔

ولا تصح بدون الطهارة كالصلاة وسجدة التلاوة أو صلاة الجنازة۔ (مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۱۶۔فقيه الامت)۔

وأما الأئمة الأربعة فقائلون بوجوب التوضى فى سجدة التلاوة۔ لأنها أى السجدة أخص مدارج الصلاة فيشترط لها كما اشترط لها۔ (العرف الشاذى مع سنن الترمذى ج: ۱ ص: ۳) باب لا تقبل الصلاة بغير طهور۔ مكتبه بلال ديوبند۔

إن الوضوء على ثلاثة أنواع: فرض وهو الوضوء الصلاة الفريضة وصلاة الجنازة وسجدة التلاوة۔ (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۱۶۔سعيد فرائض الوضوء)۔

کتاب الصلوٰۃ

بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: کیا بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر نماز کے تمام شرائط و ارکان موجود ہو تو اس لئے پیچھے بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(١) عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ۔ الصلاۃ المکتوبۃ واجبۃ خلف کل مسلم براً کان أو فاجراً وإن تحمل الکبائر۔ (ابو داؤد ج: ١ ص: ٣٤٣۔مکتبہ بلال)۔

(٢) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ۔ صلوا خلف کل برٍ و فاجرٍ۔ (سنن الدارقطنی ج: ٢ ص: ٤٤)۔١٧٤٧۔دار الإیمان۔

(٣) ولو صلی خلف مبتدعٍ أو فاسق فھو محرر ثواب الجماعۃ لکن لاینال مثل ما ینال خلف تقی کذا فی الخلاصۃ۔ (ہندیہ ج: ١ ص: ٨٧۔رشیدیہ)۔

(٤) وإن تقدّموا جاز لقولہ علیہ السلام صلوا خلف کل برٍ و فاجرٍ۔ (تبیین الحقائق ج: ١ ص: ١٤٦۔امدادیہ)۔

(٥) قولہ علیہ السلام: فصلوا معھم ما صلوا القبلۃ: وفیہ دلیل علی جواز الصلاۃ خلف الفرق الباغیۃ وکل برو فاجرٍ۔ (شرح الطیبی ج: ٣ ص: ٨٩٤۔ المکتبۃ العربیہ)۔

(٦) رجعنا إلی الأصل أن من صحَّت صلاتہ صحت إمامتہ وأید ذلک فعل الصحابۃ فإنہ اخرج البخاری فی التاریخ عن عبد الکریم: أنہ قال أدرکت عشرۃ

من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم: یصلون خلف ائمة الجور۔ (عون المعبود ج: ۱ ص: ۲۱۳۔قدس)

کیا میاں بیوی گھر میں جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھ سکتے ہیں

سوال: ہم جہاں رہتے ہیں ہمارے گھر سے مسجد پانچ کیلومیٹر کی دوری پر ہے کیا ہم میاں بیوی ایک ساتھ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں میاں بیوی ایک ساتھ گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ اہلیہ پیچھے کھڑی ہوں اگر اہلیہ کے قدم شوہر کے قدم سے مل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

الدلیل علی ما قلنا

(۱) المرءة إذا صلت مع زوجها فی البیت إن کان قدمها بخداء قدم الزوج لا یجوز صلاتهما بالجماعة وإن کان قدمها خلف قدم الزوج إلا أنها تقع رأس المرءة فی السجود قبل رأس الزوج جازت صلاتهما لأن العبرة للقدم۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۷۲۔ کراچی)۔ (تاتارخانیه ج: ۲ ص: ۲۷۳ زکریا)۔ هکذا فی (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۳۵۴۔ (سعید کراچی)۔ (هندیه ج: ۱ ص: ۸۹۔ رشیدیه)۔

مکروہات وقت میں نماز کے علاوہ دوسری عبادتیں کرنے کا حکم

سوال: مکروہات وقت میں نماز کے علاوہ اور دوسری عبادت بھی کرنا منع ہے جیسے تلاوت، قرآن، تسبیحات وغیرہ

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مکروہات وقت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف تین چیزوں سے منع فرمایا ہے

جوکہ عقبہ بن عامر کی حدیث میں مذکور ہے۔ البتہ مذکورہ اوقات میں تلاوت تسبیحات سے منع نہیں ہیں۔ لیکن ان اوقات میں تلاوت قرآن کے بجائے درود پاک اور ذکر وتسبیح میں مشغول رہنا اولیٰ ہے۔

الدليل على ما قلنا:

عن عقبة بن عامر الجهنى رضى الله عنه قال: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن تصلى فيهن وأن نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس باذعه حتى ترتفع وحين تقوم قائم الظهيرة حتى تميل وحين تضيف الشمس حتى تغرب۔ (شرح معان الآثار ج: ۱ ص: ۱۱۰۔ ياسر نديم)۔

الصلاة فيها على النبى أفضل من قراءة القرآن لأنها من أذكار الصلاة۔ وتحته فى الشامية: أن مفاده أنه لا كراهة أصلاً لأن ترك الفاضل لا كراهة فيه۔ (شامى ج: ۱ ص: ۳۷۴۔ كراچى)۔

إذا تلا آية السجدة فى هذه الأوقات فالأفضل أن لا يسجد ولو سجدها جاز لا يعيد۔ (الفتاوىٰ التاتارخانيه ج: ۱ ص: ۴۰۸۔ كراچى)۔

ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة المتلوة فى غير هذه الأوقات وصلاة الجنازة حضرت قبلها۔ (سكب الانهر ج: ۱ ص: ۱۱۰۔ فقيه الأمة)۔

هكذا فى: الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۵۳۔ رشيديه۔

واقتصر عليه فى القنية قال: الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم والدعاء والتسبيح أفضل من قراءة القرآن فى الاوقات التى نهى عن الصلاة فيها۔ (شامى ج: ۶ ص: ۴۲۳۔ كراچى)۔

فوم والے جائے نماز میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال: حضرت مفتی صاحب کیا فوم والے جائے نماز پر سجدہ کرنا درست ہے؟ جس

میں زمین کی سختی محسوس ہی نہ ہو۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

فوم والا جائے نماز اگر ایسا ہو کہ مصلی اگر اس پر سر رکھنے میں مبالغہ کرے تو سر سجدہ گاہ سے زیادہ نیچے نہ جائے تو نماز درست ہے ورنہ نماز درست نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

والسجود علی شیئی یجد الساجد حجمه بحیث لو بالغ لاتقسفل رأسه أبلغ مما کان حال الوضع۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۲۳۱۔ دار الکتاب)۔

یجوز السجود علی الأرض و کذا یجوز علی ما هو بمعنی الأرض مما تجد جیهته و تستقر علیه... اذا القی الحشیش فسجد علیه إن وجد حجمه جاز والإفلا۔ (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۳۱۹) سعید کراچی۔

ویسجد علی شیئ یجد الساجد حجمه و تستقر علیه لا علی مالا تستقر۔ وحد الاستقرار: إن بالغ لا ینزل رأسه أسفل من ذلک۔ (مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۱۱۸۔ فقیه الامة۔

وان سجد یغیب وجهه ولا یجد حجمه أی صلابة جرمه لم یجز سجوده علیه لعدم استقرار جبهته علیه۔ (حلبی کبیری ص: ۲۸۹۔ لاهور)۔

جمعہ کے خطبہ دیکھ کر دینا کیسا ہے؟

سوال: خطبہ جمعہ کتاب میں دیکھ کر دینا سنت ہے؟ یا زبانی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

خطبہ جمعہ دیکھ کر دینا اور زبانی یاد کر کے دینا دونوں طرح درست ہے زبانی یاد کر کے یا اپنی طرف سے بنا کر یاد کر کے خطبہ دینا زیادہ بہتر ہے۔ چونکہ سنت متواتر یہی ہے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین اربعہ اور تمام صحابہ نے زبانی ہی خطبہ دیا ہیں۔

والخطبة فی الاصطلاحی هی الکلام المؤلف الذی یتضمن وعظاً وإبلاغاً علی صفةمخصوصة۔ (الموسوعة الفقهية ج:۱۷ ص:۱۹۱) الکویت۔

وسنتها کونها خطبتین تشمل کل منها علی الحمد والتشهد والصلاة علی النبی صلی اللہ علیه وسلم الأولی علی التلاوة والوعظ أیضاً والثانیة علی الدعاء۔ (حلبی کبیری ص:۵۵۵) لاهور۔

فتاویٰ محمودیه ج:۱۱ ص:۲۱۲۔ شیخ الاسلام۔

جماعت کھڑی ہونے کے بعد فجر کی سنت ادا کی جا سکتی ہے؟

سوال: حضرت اقدس مدظلہ سے گذارش ہے کہ اس مسئلے کو کیا جائے ایک مسجد ہے جس میں چار صف ہے امام فجر کی نماز پڑھا رہا ہے آیا اس صورت میں فجر کی سنت مسجد میں پڑھنا حرام ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

نوافل وسنن گھر میں ادا کرنا افضل ہے۔ مسجد میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ البتہ جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنت ونفل مشروع نہیں ہے۔ لیکن چونکہ سنت فجر کے بارے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت تاکید فرمائی ہے، اس لئے حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر جماعت ملنے کی امید ہو تو سنت فجر کو تخفیف کے ساتھ پڑھ لینا چاہئے۔ لیکن جن حصہ میں جماعت ہو رہی ہو اس میں بلا حائل سنت فجر ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے بلکہ ایسی صورت میں مسجد کے باہر صحن میں سنت فجر پڑھ لے اور اگر مسجد ایک ہی حصہ کا ہو تو روزہ کے قریب پڑھ لے، وہاں بھی اگر جگہ نہ ہو تو مسجد میں ستون وغیرہ کی آڑ میں پڑھ لے اگر وہاں پر بھی جگہ نہ ملے تو سنت فجر کو چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم: صلوا أیها الناس فی

بیوتکم فإن أفضل الصلاة صلاة المرء فی بیته الا المکتوبة۔ (رواہ الامام البخاری فی صحیحه ج: ۱ ص: ۱۰۱ ۔یاسر ندیم)۔

عن عائشة رضی اللہ عنها (قالت) عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: صلوا أیها الناس فی بیوتکم فإن أفضل الصلاة صلاة المرء فی بیته الا المکتوبة۔ (رواہ الإمام البخاری فی صحیحه ج: ۱ ص: ۱۰۱ ۔یاسر ندیم)۔

عن عائشة رضی اللہ عنها (قالت) عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیها۔ (الصحیح المسلم ج: ۱ ص: ۲۵۱۔ مکتبه بلال دیوبند)۔

أبی هریرة رضی اللہ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: إذا اقیمت الصلاة فلا صلاة الا المکتوبة إلا رکعتی الصبح۔ (السنن الکبری للبیهقی ج: ۲ ص: ۴۸۳ ۔دار الفکر)۔

وإذا خاف فوت رکعتی الفجر لا شتغاله بسننها ترکها لکون الجماعة أکمل۔ والا بأن رجا إدراک رکعة فی ظاهر المذهب۔ (وتحته فی الشامیة)۔۔۔۔ لا یترکها بل یصلیها عند باب المسجد إن وجد مکاناً وإلا ترکها۔ (وتحته فی الشامیة)۔۔۔۔ فإن لم یکن علی باب المسجد موضع للصلاة یصلیها فی المسجد خلف ساریه من سواری المسجد وأشدها کراهة أن یصلیها مخالطا للصف مخالفاً للجماعة۔۔۔۔ لأن ترک المکروہ فدم علی السنة۔ (شامی ج: ۲ ص: ۵۶۔ کراچی پاکستان)۔

ملتقی الأبحر ج: ۱ ص: ۱۲۵ ۔مؤسسة الرسالة۔

مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۲۱۰ ۔فقیه الأمة دیوبند۔

مراقی الفلاح علی نور الایضاح مع الطحطاوی ص: ۴۵۲ ۔دار الکتاب۔

ومن خاف فوت الفجر ان أدی سنته ائتم وترکها لأن ثواب الجماعة أعظم

والوعيد بتركها ألزم فكان احراز فضيلتها أولى۔۔۔۔ وإن لم يخش أن تفوته الركعتان إلى أن يصلى سنة الفجر فان كان يرجو أن يدرک احداهما لا يتركها لأنه أمكنه الجمع بين الفضيلتين۔ (تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۱۸۲۔ امداديه ملتان)۔

البحر الرائق ج: ۲ ص: ۷۳۔ سعيد كراچى۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی

سوال: حضرت براہ کرم ایک مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ آں صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھایا اور جماعت کے ساتھ پڑھی گئی تھی؟

الجواب: حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کسی کی اقتداء میں نہیں پڑھی گئی بلکہ ہر ایک نے الگ الگ نماز پڑھی۔ پہلے بنی ہاشم نے پھر مہاجرین نے پھر انصار نے پھر بقیہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے۔ جب سب مرد فارغ ہوئے تب عورتیں جانے لگیں۔ پھر جب عورتیں بھی فارغ ہوگئیں تو بچے جانے لگے۔ کمافی ابن ماجہ۔

الدليل على ما قلنا

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل۔

فلما فرغوا من جهازه يوم الثلثاء وضع على سريره فى بيته ثم دخل الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ ارسالاً يصلون عليه حتى إذا فرغوا ادخلوا النساء حتى إذا فرغوا ادخلوا الصبيان ولم يؤم الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد۔ (سنن ابن ماجه ج: ۱ ص: ۱۱۷۔ باب وفاته و دفنه صلى الله عليه وسلم)۔

نقل عن على رضى الله عنه أنه قال لم يؤم الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد، لأنه كان امامكم فى الحيات وبعد الممات۔ (حاشية الطحطاوى ج: ۱

ص:۱۱۷)۔

وأول من صلی علیه کان أهل بیته علی و عباس، وبنوهاشم ثم المهاجرون۔ ثم الانصار۔ (حاشیة ابن ماجه ج: ۱ ص:۱۱۷)۔

صلی علیه الناس أفذاذاً لأنه کان آخر العهد به فأرادوا أن یأخذ کل واحد برکته مخصوصاً دون أن یکون تابعاً فیها غیره۔ (تفسیر القرطبی ج:۴ ص:۲۲۵۔دار إحیاء التراث العربی)۔

فقد صلی الناس علی رسول الله صلی الله علیه وسلم أفراداً لا یؤمهم أحد۔ و ذلک لعظم رسول الله۔ صلی الله علیه وسلم۔ وتنافسهم فی أن لا یتولی إلامامة فی الصلاة علیه أحد وصلوا علیه مرة بعد مرة۔ (کتاب لأم للشافعی ج: ۱ ص: ۲۸۱۔باب الصلوٰة علی المیت۔بیروت)

عن ابن عباس قال: لما صلی علی رسول الله۔ صلی الله علیه وسلم أدخل الرجال فصلوا علیه بغیر إمام ارسالاً حتی فرغوا ثم أدخل النساء فصلین علیه ثم أدخل الصبیان فصلوا علیه ثم أدخل العبید فصلوا علیه إرسالاً لم یؤمهم علی رسول الله صلی الله علیه وسلم أحد۔

(السنن الکبری للبیهقی (ج: ۴ ص: ۴۹۔ باب الجماعة یصلون علی الجنازة افذاذاً۔بیروت)

کسی نے قنوت نازلہ پہلی رکعت پڑھ لی تو اس کی نماز کا کیا حکم

سوال: قنوت نازلہ فجر کی پہلی رکعت میں رکوع کے پڑھا تو کیا نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب عطا فرمائیں گے

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

دعاء قنوت خواہ راتبہ ہو یا نازلہ ہو اخیری رکعت میں پڑھنا اس کا مشروع ہے اگر کوئی

آدمی غلطی سے پہلی یا دوسری رکعت میں دعاء قنوت پڑھ لے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن قنوت کو اپنا محل سے ہٹانے اور دوسرے ایک رکن میں تاخیر کرنے کے سبب ان پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور اس کو چاہئے دوبارہ اخیری رکعت میں قنوت نہ پڑھے۔ کیونکہ قنوت دوبارہ مشروع نہیں ہے۔

الدليل على ما قلنا:

ويسجد للسهو لزوال القنوت عن محلله الأصلي وتاخير الواجب۔ (مراقی الفلاح علی نور الإیضاح مع حاشية الطحطاوی ص:۳۸۵۔ دار الكتاب ديوبند)۔

ونظيره: عن محمد لو تشهد فی قيامه قبل قراءة الفاتحة فلا سهو عليه، وبعدها يلزم سجود السهو وهو الأصح۔ ولأن بعد الفاتحة محل قراءة السورة فإذا تشهد فيه أخر الواجب۔ (تدبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۱۹۳ ۔ امداديه ملتان)۔

شرعية القنوت أنها هی فی آخر الصلاة حقيقة أو حلماً كما فی غير المسبوق أو حكماً فقط كما فی المسبوق۔ (منحة الخالق على البحر الرائق ج: ۲ ص: ۴۱۔ زكريا)۔

ولأنه غير مشروع أی الاتيان به مرة ثانية۔ (حاشية الطحطاوی على المراقی ص: ۲۸۶ ۔ دار الكتاب ديوبند)۔

دوران نماز موبائل فون بجنے کی صورت میں کیسے بند کیا جائے

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے کہ آنحضرت والا بخیر وعافیت ہونگے۔ حضرت دوران نماز موبائل فون بجنے کی صورت میں کس طرح بند کریں؟ براہ کرم مذکورہ مسئلے کی وضاحت کر کے سرفراز فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مصلی کو چاہیے کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے ہیں فوراً موبائل کو بند کر دے یا سائیلنٹ کر دے تاکہ نماز میں خلل پیدا نہ ہو۔ اور اگر دوران نماز رنگ بج جائے تو بلا تاخیر ایک ہاتھ سے اگر ممکن ہو تو جیب میں رہتے ہوئے بند کر دے۔ بہت سے لوگ جیب سے نکلتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں پھر بند کرتے ہیں۔ یہ عمل کثیر ہے اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

ولو سقطت فلنسوته فإعادتها أفضل، إلا إذا احتاجت لتكوير أو عملٍ كثيرٍ۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۶۴۱۔ کراچی)۔

ولو رفع العمامة ووضعها على الأرض أو رفعها من الأرض ووضعها على الرأس لا تفسد لأنه يتم بيد واحدةٍ من غير تكرار لفعل۔ (فتاویٰ قاضی خان مع الهندیه ج:۷ ص: ۱۸۱۔ زکریا)۔

وکل عملٍ لا یشک الناظر فی عامله أنه فی الصلاة أو لیس فی الصّلاة فهو یسیر۔ وکل عمل لا یشک الناظر فی أنه لیس فی الصلاة فهو کثیر۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۲ ص: ۲۳۴۔ زکریا)۔

الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۱۰۶۔ زکریا۔

کیا قنوت کی غلطیوں کا اثر نماز میں ہوتا ہے

سوال: امام صاحب نے قنوت نازلہ میں ”إنہ لا یذل من والیت“ کی جگہ میں ”انہ لا یذل من عادیت“ پڑھ دیا اور وہ امام تقریباً دس روز سے اسی طرح پڑھا رہا ہے۔ ان نمازوں کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جس طریقہ سے قراءت میں فحش غلطی کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح ادعیہ میں

اس قسم کی غلطی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔صورت مسئولہ میں مذکورہ نماز یں درست نہیں ہوئی اس کااعادہ کرنا ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

القنوت دعاء کالقراءۃ۔(تحفۃ الفقھاء ج: ۱ ص: ۲۸۴)بیروت۔

الموسوعۃ الفقھیۃ ج: ۳۴ ص: ۶۸۔

قرء وإلیک نسعی وتحفذ بالذال تفسد صلاتہ۔ (فتاویٰ قاضی خان ج: ۱ ص: ۱۳۵)بیروت۔

مستفاد من: ومن یؤمن باللہ ویعمل صالحاً یدخلہ جنات، ومن یکفر باللہ۔(یدخل جنات)تفسد صلاتہ۔(المصدر السابق ج: ۱ ص: ۱۳۵)بیروت۔

نماز میں کتنے دیر تک خاموش رہنے سے سجدہ سہو واجب آتا ہے

سوال: نماز میں ایک رکن یا تین تسبیح کے بقدر کے مقدار خاموش رہنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے؟ براہ مہربانی جواب سے نوازیں۔اور ساتھ ساتھ ایک رکن کے مقدار بھی بتا دیجئے۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

نماز ایک عظیم ترین عبادت ہے جس میں بندہ اپنے رب کے سامنے اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا ہے،اور انسان کا ذہن ہر وقت کسی نہ کسی فکر میں مشغول رہتا ہے۔اس لئے نمازی کو چاہئے کہ وہ اس فکر میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو میں دیکھ رہا ہوں۔یا وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

کما جاء فی الحدیث أن تعبد اللہ کأنک تراہ، فإن لم تکن تراہ، فإنہ یراک۔

بسا اوقات لوگ نماز کی حالت میں دنیاوی فکر میں مشغول رہتے ہیں۔لیکن اعمال نماز سے اسے نہیں روکتی ہے۔اس سے اس کی نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔البتہ خشوع و خضوع کے خلاف ہے۔اور اگر نماز میں خلل پیدا کردے،جس کے سبب وہ خاموش رہے۔

اور اس کی وجہ سے کسی رکن یا واجب ادا کرنے سے ایک رکن یعنی تین تسبیح کے بقدر تاخیر ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا۔

الدليل على ما قلنا:

قوله العبارة۔ قال الإمام الامشي: العبادة عبارة عن الخضوع و التذلل۔ (شامي ج: ۲ ص: ۵۹۷۔ مطلب فی الفرق بين العبادة و القربة و الطاعة من كتاب الحج۔ كراچی)۔

البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۴۔ قديم۔

التفسير للبيضاوي: ص: ۸۔ تحت آية: إياك نعبد و إياك نستعين۔

و أجاب فی الحلية عن وجوب السجود فی مسألة التفكر عمداً بأنه وجب لما يلزم منه من ترك واجب هو تأخير الركن أو الواجب عما قبلله فإنه نوع سهوٍ۔ (شامي ج: ۲ ص: ۸۰۔ باب سجود السهو، كراچی)۔

الدر المنتقى ج: ۱ ص: ۲۱۹۔ فقيه الأمت ديوبند۔

مراقی الفلاح على نور الايضاح مع حاشية الطحطاوی ص: ۴۶۲۔ دار الكتاب

النهر الفائق ج: ۱ ص: ۳۲۱۔ زكريا ديوبند۔

البحر الرائق ج: ۲ ص: ۹۱۔ سعيد۔

الفقه الاسلامی و أدلته ج: ۲ ص: ۱۱۰۹۔ دار الفكر المعاصر۔

هذا إذا كان التفكر يمنعه عن التسبيح أما إذا كان يسبح أو يقرأ أو يتفكر فلا سهو عليه۔ (البحر الرائق ج: ۲ ص: ۹۸۔ سعيد)۔

قدر أداء ركن وهو مقدار ثلاث تسبيحات۔ (الفقه الاسلامی و أدلته جا: ۲ ص: ۱۰۲۱۔ دار الفكر المعاصر۔

ضم سورہ سے پہلے بسم اللہ اور ولا الضالین کے بعد آمین کہنے کا حکم

سوال: سوال یہ ہے کہ (۱) فرض نماز کی پہلی اور دوسری اور سنت ونوافلہ کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد ضم سورہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کا پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

کیا امام اور منفرد کے لئے ولا الضالین کے بعد آمین کہنا نماز کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

(۱) نماز کی ہر رکعت میں خواہ فرض ہو یا نفل سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا سنت ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے ضم سورہ سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا مکروہ نہیں جائز ہے۔ بلکہ اختلاف کے پیش نظر اس کا پڑھنا بہتر ہے۔

(۲) امام، مقتدی، اور منفرد کے لئے ولا الضالین کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔ سنن صلاۃ صحت صلاۃ کے شرائط میں سے نہیں ہیں۔ فلیحفظ۔

الدلیل علی ما قلنا:

(فی المسئلۃ الأولیٰ)۔

(۱) عن ابن عباس، قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفتتح صلاتہ بِ۔ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)۔ (سنن الترمذی ج: ۱ ص: ۵۷۔ فیصل)۔

(۲) ثم یأتی بالتسمیۃ ویخفیھا۔۔۔۔ ویأتی بھا فی أول کل رکعۃ وھو قول أبی یوسف۔ رحمہ اللہ۔ کذا فی المحیط وفی الحجۃ وعلیہ الفتویٰ۔ (ھکذا فی)۔ ھکذا فی الوقایۃ والنقایۃ وھو الصحیح۔ ھکذا فی البدائع والجوھرۃ النیرۃ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج: ۱ ص: ۷۴۔ رشیدیہ۔

الدر المختار مع الامی ج: ۱ ص: ۴۹۰۔ کراچی۔

شرح المنية ص:۳۰۸۔لاہور۔

البحر الرائق ج:۲ ص:۳۱۳۔سعید۔

النهر الفائق ج: ۱ ص:۲۱۰۔زکریا دیوبند۔

مجمع الأنهر ج: ۱ ص:۱۴۳۔فقیہ الأمت۔

منحة الخالق على البحر الرائق ج:۲ ص:۳۱۳۔سعید۔

مراقى الفلاح مع الطحطاوی ص:۲۶۰۔دار الکتاب دیوبند۔

(۳) ولا خلاف أنه لو سمى كان حسناً۔

(النهر الفائق ج: ۱ ص:۲۱۱۔زکریا دیوبند)۔

حاشية الطحطاوی مع المراقی ص:۲۶۰۔دار الکتاب دیوبند۔

فى المسئلة الثانية۔

(۱) عن أبى هريرة رضى الله عنه: ان رسول الله۔صلى الله عليه وسلم۔قال: إذا قال الإمام (غير المغضوب عليهم ولا الضالين)۔

فقولوا: آمين۔فإنه من وافق قوله قول الملائكة۔غفر له ماتقدم من ذنبه۔

(الصحيح للبخارى ج: ۱ ص:۱۰۸۔باب جهر المأموم بالتأمين۔

(سنن أبى داؤد) ج: ۱ ص:۱۳۵۔باب التأمين وراء الامام۔

(سنن الترمذى) ج: ۱ ص:۵۸۔باب فضل التأمين۔

(۲) إذا قال الإمام فى آخرها "ولا الضالين" يقول أى الإمام: آمين: والمؤتم أيضاً يقولها۔والتأمين سنة لقوله۔عليه الصلاة والسلام۔إذا أمن الإمام فأمنوا۔الخ۔

(شرح المنية ص:۳۰۹۔لاہور)۔

(الدر المختار مع الشامى ج: ۱ ص:۴۹۲۔کراچی۔

مراقى الفلاح مع الطحطاوی ص:۲۶۰۔دار الکتاب دیوبند۔

البحر الرائق ج: ۱ ص:۳۱۳۔سعید۔

(۳) ترک السنة لا یوجب فساداً و لا سهواً بل إساءة لو عامداً غیر مستخف۔ وقالوا الإساءة أدون من الکراهة۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۴۷۳۔ مطلب۔ (سنن الصلاة۔ کراچی)۔

(حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۲۵۶۔ دار الکتاب دیو بند۔

فصل فی بیان السنة۔

سنت فجر اگر چھوٹ جائے تو اُسے کب ادا کیا جائے؟

سوال: دریافت طلب امر یہ ہے کہ فجر کی فرض نماز کے بعد سنت فجر کو طلوع شمس سے پہلے ادا کی جاسکتی ہے؟ براہ کرم جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

فجر کی فرض نماز کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے کسی قسم کی نقیل نفل نماز پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ خواہ فجر کی سنت ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ وقت نکلنے کے بعد فجر کی سنت کی حیثیت نفل کی ہو جاتی ہے۔ اور نفل نماز اس وقت حضرات حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبی هریرة۔ رضی اللہ عنه۔ أن رسول اللہ۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ نهی عن الصلاة بعد العصر، وعن الصلاة بعد الصبح حتی تطلع الشمس۔ (المؤطا للإمام مالک: ص: ۱۲۷۔ باب النهی عن الصلاة بعد الصبح و بعد العصر۔ بیروت)۔

و أما إذا فاتت وحدها۔ فلا تقضی سنة الفجر قبل طلوع الشمس بالإجماع، لکراهة التنفل بعد الصبح۔ (شامی ج: ۲ ص: ۵۷۔ سعید)۔

(۴) فلا قضاء لها قبل طلوع الشمس۔ (شرنبلالیة ص: ۴۵۳۔ دار الکتاب دیو بند)۔

سنت فجر کب تک ادا کی جا سکتی ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام فجر کی سنت فرض نماز شروع ہونے کے بعد پڑھ سکتے ہیں؟ اور کیا سنت فجر فرض نماز کے بعد ادا کی جا سکتی ہے۔ براہ کرم جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد سنت و نوافل کا پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ لیکن چونکہ سنت فجر کے بارے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تاکید فرمائی ہے۔(۱) اس لئے حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر جماعت ملنے کی امید ہو تو تخفیف کے ساتھ پڑھ لینا چاہئے۔

سنت فجر کی قضاء نہیں ہے، (۲) لیکن اگر فجر کی فرض نماز بھی چھوٹ جائے، اور زوال سے پہلے اس کو ادا کیا جائے، تو سنت کو فرض کے تابع بنا کر اس کی بھی قضا کی جائے گی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن عائشة رضی اللہ عنها۔ عن النبی۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ قال: رکعتا الفجر خیر من الدنیا و ما فیها۔ (الصحیح لمسلم ج: ۱ ص: ۲۵۱۔ بلال)۔

(۲) عن أبی هریرة رضی اللہ عنه۔ أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ قال: إذا اقیمت الصلاة فلا صلاة إلا المکتوبة۔ (السنن الکبری للبیهقی ج:۲ ص:۴۸۳۔ دار الفکر)

(۲) ولا یقضیها إلا بطریق التبعیة، أی لا یقضی سنة الفجر، إلا إذا فاتت مع الفجر فیقضیها تبعا لقضائه لو قبل الزوال۔ (شامی ج:۲ ص:۵۷۔ کراچی)۔

(۴) هکذا فی: البحر الرائق ج:۲ ص:۷۳۔ سعید۔

(۵) تبیین الحقائق ج:۱ ص:۱۸۲۔ امدادیه ملتان۔

(۶) ملتقی الأبحر ج:۱ ص:۱۲۵۔ مؤسسة الرسالة۔

(۷) مجمع الأنھر ج: ۱ ص: ۲۱۰۔ فقیہ الأمۃ۔

(۸) مراقی الفلاح علی نور الإیضاح مع حاشیۃ الطحطاوی ص: ۴۵۲۔ دار الکتاب۔

کروناوائرس کے خوف سے مسجد میں جماعت اور جمعہ بند کر دینا کیسا ہے؟

سوال: کروناوائرس کے خوف سے اپنی مسجدوں میں جماعت اور جمعہ موقوف کر دینا اور گھروں میں نماز پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ یہ سوال اس وقت شہروں میں گردش کر رہا ہے۔اس سلسلے میں مفتیان کرام رہنمائی فرمائیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

شریعت مطہرہ میں یہ بھی باجماعت نماز نہ پڑھنے کا عذر ہے کہ کسی شخص میں ایسی بیماری ہوجس سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہو۔(۱) یا جس سے تلویث مسجد کا خطرہ ہو۔ایسے آدمی کو مسجد میں آنے سے روکنے کی اجازت ہے۔اگر کوئی شخص واقعۃً کروناوائرس کا مریض ہوتو وہ مسجد نہ آئے۔بلکہ ایسے شخص کو مسجد آنے سے روکا جاسکتا ہے۔لیکن جن لوگوں میں یہ وائرس نہ ہوان کو مسجد سے روکنا شرعاً درست نہیں ہے۔صرف وہم کی بنیاد پر مسجد کو مقفل کر دینا۔

''ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا'' کے زمرہ میں داخل ہے۔ باقی احتیاطی تدابیر کے اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔لیکن یہ ذہن میں رہے۔''قل لن یصیبنا إلا ما کتب اللہ لنا'' نیز''لا عدوی ولا طیرۃ فی الاسلام''۔وبائی امراض ماضی میں بھی آئے ہیں لیکن جورویہ عالم اسلام کا بالخصوص حال میں دیکھا جارہا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

بلکہ قاضی عبد الرحمن القرشی الشافعی نے اپنی کتاب ''شفاء القلب المحزون فیما یتعلق بالطاعون''میں اپنے زمانہ کے طاعون ۷۶۴ھ کے متعلق لکھا ہے کہ جب طاعون پھیل گیا اور

لوگوں کی موت ہونے لگی تو لوگوں نے تہجد، روزے، صدقے، توبہ اور استغفار کی کثرت شروع کردی۔ اور ہم مردوں، بچوں عورتوں نے گھر چھوڑ دیا اور مسجدوں کو لازم پکڑ لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ پاک نے خصوصی فضل کا معاملہ فرمایا۔ (۲)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وعن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ من أکل من هذه الشجر المنتنة، فلا یقربن مسجدنا، فإن الملائکة تتأذی مما یتأذی منه الإنس۔ (متفق علیه)۔ مشکاة المصابیح ج: ۱ ص: ۶۹۔ مکتبة ملت۔

(قوله وأکل نحو ثوم) أی کبصل ونحوه مما له رائحة کریهة للحدیث الصحیح فی النهی عن قربان أکل الثوم والبصل المسجد۔ قال الإمام العینی فی شرحه علی صحیح البخاری قلت: علة النهی أذی الملائکة وأذی المسلمین ولا یختص بمسجده۔ علیه الصلاة والسلام۔ بل الکل سواء لروایة مساجدنا بالجمع۔ خلافاً لمن شذ ویلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ماله رائحة کریهة مأکولا أو غیره وإنما خص الثوم هنا بالذکر وفی غیره ایضا بالبصل والکراهة لکثرة أکلهم لها۔ وکذلک الحق بعضهم بذلک من بفیه بخر أو به جرح له رائحة۔ وکذلک القصاب والسماک والمجذوم والأجرص أولی بالإلحاق۔ (الشامی مع الدرج: ۱ ص: ۶۶۱۔ کراچی)

ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ عام لکل من خرب مسجداً أو سعی فی تعطیل مکان مرشح للصلاة۔ (التفسیر للبیضاوی ج: ۱ ص: ۱۰۱۔ تحت تفسیر آیة: ۱۱۴ من سورة البقرة)۔

(۲) وکان هذا کالطاعون الأول۔ عم البلاد۔ وأفنی العباد، وکان الناس به علی خیر عظیم، من إحیاء اللیل، وصوم النهار، والصدقة والتوبة۔ فهجرنا البیوت ولزمنا المساجد رجالنا۔ وأطفالنا۔ ونسائنا، وکأن الناس به علی خیر۔ (شفاء

القلب الماحزون فیما یتلعق بالطاعون۔ متحدثا عن طاعون ۷۶۴ھ۔ مخطوط)
کفایۃ المفتی ج:۳ص:۱۳۸۔دار الاشاعت۔

عذر کے پیش نظر دو مصلی کے درمیان ایک میٹر کا فاصلہ رکھنا کیسا ہے؟

سوال: (انڈمان) یہاں حکومت نے سختی کے ساتھ کہا ہے کہ مسجدوں میں ہر دو نمازی کے درمیان ایک میٹر کا فاصلہ کیا جائے ورنہ مسجد بند کر دی جائے گی۔ ابھی ظہر میں کئی مسجدوں میں ایسے ہی نماز ہوئی ہے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ایک میٹر کا فاصلہ کیا جائے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔۔۔۔شرعی رہنمائی فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حدیث پاک میں صفیں سیدھی کرنے اور درمیانی خلل کو بھرنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ اور اس کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔لیکن اگر بیماری سے بچاؤ کے لئے حکومت کی طرف سے پابند کیا جائے کہ دو مصلی کے درمیان ایک میٹر کا فاصلہ ہونا ضروری ہے۔ جبکہ ماہرین اطباء کا بھی کہنا کہ کرونا وائرس سے بچنے کے لئے ایک دوسرے سے کچھ دوری بنائے رکھنا ضروری ہے لہٰذا مذکوہ فاصلہ کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں۔نماز ہو جائے گی۔(۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن كثير بن مرة۔ عن عبد الله بن عمر۔ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ قال: من وصل صفاً وصله الله۔ ومن قطع قطعه الله عز وجل۔ (سنن النسائی ج: ۱ ص: ۹۳۔ بلال دیوبند)۔

(۲) عن عبد الله بن عمر۔ قال قتيبة: عن أبي الزاهرية، عن أبي شجرة۔ لم يذكر ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين

المناكب وسدوا لخلال ولينوا بأيدى إخوانكم۔ لم يقل عيسىٰ بأيدى إخوانكم۔ ولا تذروا فرجات للشيطان ومن وصل صفاً وصله الله۔ ومن قطع صفاً قطعه الله۔ (سنن أبى داؤد باب تسوية الصفوف۔ رقم الحديث ص: ٦٦٦)۔

عن عمرو بن الشريد۔ عن أبيه، قال: كان فى وفد ثقيف رجل مجذوم۔ فأرسل إليه النبى صلى الله عليه وسلم۔ إنا قد بايعناک فارجع۔ (مصنف ابن أبى شيبة۔ باب من كان يتقى المجذوم۔ رقم الحديث ص: ۲۴۵۴۲)۔

عن النهاس بن قهم۔ عن شيخ۔ قال: سمعت أباهريرة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ فر من المجذوم فرارک من الأسد۔ (المصدر السابق رقم الحديث ص: ۲۴۵۴۳)۔

(۵) (ويصف) أى يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلک۔ قال الشمنى: وينبغى أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدوا الخلل۔ ويسووا مناكبهم ويقف وسطاً۔ (الدر المختار مع الشامى ج: ۱ ص: ۵٦۸)۔ كراچى۔

درر الحكام شرح غرر الأحكام ج: ۱ ص: ۹۰۔ قديم۔

الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۱٦۵۱۔ فقيه الأمة۔

حاشية الطحطاوى على المراقى ص: ۳۰٦۔ دار الكتاديوبند۔

الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۱۴٦۔ زكريا ديوبند۔

عذر کے پیش نظر جمعہ کے دن اگر ظہر کی نماز ادا کرنی ہو تو ظہر کی نماز الگ الگ ادا کرینگے یا جماعت کے ساتھ

سوال: کرونا وائرس کی وجہ سے جو لوگ ظہر کی نماز گھروں میں ادا کرینگے، وہ ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں یا الگ الگ؟ مدلل جوب سے نوازیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر مجبوری کی وجہ سے ایسی جگہ یہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کرنی ہو جہاں جمعہ درست ہے وہاں ظہر کی نماز الگ الگ پڑھی جائے گی، جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) (وكره) تحريماً (لمعذور و مسجون) ومسافر (آداء ظهر بجماعة فى مصر) قبل الجمعة وبعدها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة وآفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع (وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة) فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة۔ وتحته فى الشامية (قوله فى مصر) بخلاف القرى لأنه لا جمعة عليهم فكان هذا اليوم فى الموضع صلوا الظهر بجماعة (قوله لتقليل الجماعة) لأن المعذور قد يقتدى به غيره فيؤدى۔ إلى تركها بحر وكذا إذا علم أنه يصلى بعدها بجماعة ربما يتركها ليصلى معه فافهم۔ (قوله و صورة المعارضة) لأن شعار المسلمين فى هذا اليوم صلاة الجمعة وقصد المعارضة لهم يؤدى إلى أمر عظيم۔ (الدر المختار مع الشامى ج:۲ ص:۱۵۷ كراچى)۔

ولو حذف المصنف المعذور والمسجون لكان أولى فإن أداء الظهر: بجماعة مكروه يوم الجمعة مطلقاً قال فى الظهيريه۔ وكذا إذا فاتتهم الجمعة فى المصر فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۱۶۶۔باب الجمعة)۔

بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۵۴۔باب بيان محل الآذان۔ كراچى۔

المحيط البرهانى ج:۲ ص:۹۲۔بيروت۔

الفقه الاسلامى وأدلته ج:۲ ص:۱۳۲۴۔دار الفكر المعاصر۔

الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص:۱۵۴۔رشيدياها۔

وبائی امراض میں مرنے والا کون شہید کہا جاسکتا ہے؟

سوال: کرونا یا کسی وبائی امراض میں اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا اس کو شہید کا درجہ ملتا ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وبائی امراض میں اگر کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کو بھی شہید کا درجہ ملے گا۔ بشرطیکہ وہ مایوس نہ ہو۔ اور ذات پاک پر پوری طرح بھروسہ ہو۔ اور اس پر صبر کرے۔ لیکن یہ اخروی اعتبار سے ہے۔ دنیوی اعتبار سے اس پر بھی عام میت کا حکم نافذ ہوگا۔ یعنی اس کو غسل دیا جائے گا۔ کفن پہنایا جائے گا۔ نماز جنازہ پڑھی جائے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبی هريرة۔ قال: قال رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم (ماتعدون الشهيد فيكم؟) قالوا: يا رسول الله، من قتل فی سبيل الله فهو شهيد قال: (إن شهداء أمتی إذا لقليل) قالوا: فمن هم يا رسول الله؟ قال: (من قتل فی سبيل الله فهو شهيد۔ ومن مات فی سبايل الله فهو شهيد ومن مات فی الطاعون فهو شهيد، ومن مات فی البطن فهو شهيد)۔ قال ابن مقسم: أشهد على أبيک فی هذا الحديث أنه قال: (والغريق شهيد)۔ (الصحيح لمسلم) باب بيان الشهداء، رقم الحديث: ۱۹۱۵)۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ قال: الشهداء خمسة: المطعون۔ والمبطون۔ والغرق۔ وصاحب الهدم۔ والشهيد فی سبيل الله۔ (الصحيح البخاری: باب الشهادة سبع سوى القتل۔ رقم الحديث ص: ۲۵۵۸)۔

عن جابر بن عتيک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ الشهادة سبع سوى

القتل فی سبیل اللہ عز وجل: المطعون شهید۔ والمبطون شهید۔ والغریق شهید۔
وصاحب الهدم شهید وصاحب ذات الجنب شهید۔
وصاحب الحرق شهید۔ والمرأة تموت بجمع شهیدة۔
سنن النسائی: باب النهی عن البکاء علی المیت، رقم الحدیث: ۱۸۴۶۔
فلمرتت شهید الآخرة وکذا الجنب ونحوه، ومن قصد العدو فأصاب نفسه والحریق والغریب والمهدوم علیه والمبطون والمطعون، والنفساء والمیت لیلة الجمعة، وصاحب ذات الجنب ومن مات وهو یطلب العلم۔ وقد عدهم السیوطی نحو الثلاثین۔ وتحته فی الشامیة۔ (قوله: والمطعون) وکذا من مات فی زمن الطاعون بغیره إذا أقام فی بلده صابراً محتسباً فإن له أجر الشهید کما فی حدیث البخاری۔ وذکر الحافظ ابن حجر أنه لا یسأل فی قبره أجهوری۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۲۵۲) کراچی۔
وأما حکم الغسل فنقول الشهید نوعان۔ نوع یغسل ونوع لا یغسل۔ أما الذی لا یغسل فهو الذی فی معنی شهداء أحد فیلحق بهم فی حق سقوط الغسل بالحدیث الذی رویناه وإلا فیبقی علی الأصل المعهود وهو أن الغسل سنة للموتی۔ (تحفة الفقهاء ج:۱ ص:۲۵۸۔ بیروت)۔

کرونا میں مرنے والے کے غسل دینے کا کیا طریقہ ہے؟

سوال: کرونا وائرس کی وجہ سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کو کس طرح غسل دیا جائے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

میت کو غسل دینا واجب ہے، کیونکہ انسان کے بدن سے روح نکلانے کی وجہ سے ایک قسم کی نجاست اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ خواہ اس کے بدن پر ظاہری نجاست ہو یا نہ ہو۔ کرونا

وائرس کی وجہ سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو س کے غسل کا انتظام بھی کیا جائے گا۔ اور اگر حکومت یا ماہر اطباء کی طرف سے اس کے جسم کے کپڑے اتارنا، یا ہاتھ لگانا منع ہو تو ہاتھ میں کوئی خرقہ کپڑا وغیرہ لے اکر اسکو پانی میں بھیگا کر اس کے جسم پر مسح کیا جائے۔ جیسا کہ زخمی جگہوں پر مسح کیا جاتا ہے۔ اور اگر اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو تیمم کی صورت اختیار کی جائے۔ (۱)

الدليل على ما قلنا:

(۱) والفرض قد سقط بالنية عند الإخراج۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ص: ۵۶۹۔ دار الكتاب ديوبند)۔

لأن غسله ماوجب لرفع الحدث، بل لتطهره عن تنجسه بالموت۔ (الدر المنتقى ج: ١ ص: ٢٦٦۔ فقيه الأمة۔ ديوبند)۔

مستفاد من: أن المسح على الجبائر واجب عند تعذر الغسل وإنما يسقط إذا كان المسح۔ يضره لما روينا من الحديث أن النبى عليه السلام۔ أمر بالمسح على الجبائر۔ وظاهر الأمر لوجوب العمل إلا أنه إذا كان۔ لخاف الضرر فى المسح يسقط لأن الغسل يسقط عند خوف زيادة الضرر فالمسح أولىٰ أن يسقط۔ (تحفة الفقهاء ج: ١ ص: ٩١۔ باب المسح)۔

تکبیر کہنے کے وقت اِدھر اُدھر جا کر جگہیں پر کرنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص تکبیر کہہ رہا ہے اور دوران تکبیر یعنی تکبیر کہتے ہوئے وہ ادھر اُدھر کو ہو کر جگہ کو پر کرتا ہے تو کیا اس طرح کرسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: حامداً و مصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

بلا عذر اقامت کے وقت چلنا، یا ادھر ادھر کرنا مناسب نہیں ہے۔ چونکہ اس کی وجہ سے

اقامت کے چند سنن و مستحبات میں خلل پیدا ہوتا ہے جیسے استقبال قبلہ۔ حیعلتین میں سر کو دائیں بائیں گھمانا وغیرہ۔ لیکن اگر صفیں سیدھی کرنی ہو، یا درمیانی خلل بھرنا ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ چونکہ اس کے متعلق احادیث مبارکہ میں بہت تاکید آئی ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن عبد الله بن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من وصل صفاً وصله الله، ومن قطع صفاً قطعه الله عز وجل۔ (سنن النسائی ج: ۱ ص: ۹۱)۔ باب من وصل صفاً۔ (سنن أبی داؤد: باب تسوية الصفوف۔ رقم الحديث: ٦٦٢)۔

قال الشمنی: وينبغی أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا مناكبهم ويقف وسطاً۔ (الدر المختار مع الشامی۔ ج: ۱ ص: ٥٦٨۔ کراچی)۔

(الدر المنتقی: ج: ۱ ص: ١٦٥۔ فقيه الأمة۔

حاشية الطحطاوی على المراقی ص: ٣٠٦۔ دار الكتاب ديوبند۔

الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ١٤٦۔ زكريا ديوبند۔

قال: رحمه الله۔ ويستقبل بهما القبلة۔ لأن بلالاً كان يؤذن ويقيم مستقبل القبلة والملك النازل أذّن وأقام كذلك۔ ولأنهما مشتملان على الثناء وأحسن أحوال الذاكرين استقبال القبلة ولو ترك الاستقبال جاز لحصول المقصود وهو الاعلام ويكره لتركه المتوارث۔

تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۹۱۔ بيروت۔

الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۳۸۹۔ کراچی۔

النهر الفائق ج: ۱ ص: ١٧٤۔ زكريا ديوبند۔

الجوهرة النيرة: ج: ۱ ص: ٥٤۔ کراچی۔

درر الحكام شارح غرر الأحكام ج: ۱ ص: ٥٦۔ قديم۔

مسجد بند ہونے کی صورت جمعہ کے دن کونسی نماز پڑھی جائے؟

سوال: ہمارے یہاں مسجد پر تالا لگا دیا گیا۔تو ابھی جمعہ کے دن کونسی نماز پڑھنی ہوگی؟ جبکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جمعہ کی نماز ہی پڑھنی ہوگی۔ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں،مہربانی ہوگی

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

بلاوجہ شرعی مسجد کو مقفل کر دینا شرعاً درست نہیں ہے۔البتہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے ہو تو امر اخر ہے،موجودہ صورت حال میں نمازیوں کی تخفیف و تقلیل ایک مجبوری ہے۔جس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔لہٰذا صورت مسئولہ میں محلے کے لوگوں کو چاہئے کہ چند لوگ ایک ساتھ جمع ہو کرکہیں بھی جمعہ ادا کرلیں۔صرف تین آدمی کا ہونا جماعت صحیح ہونے کے لئے کافی ہے۔نیز جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے۔حضرت امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک جہاں جمعہ درست ہے۔وہاں مختلف جگہوں پہ جماعت ہوسکتی ہے اور اگر شرائط موجود نہ ہوں تو ظہر کی نماز ادا کریں۔

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) "والسادس" "الجماعة" لأن الجمعة مشتقة منها ولأن العلماء أجمعوا على أنها لا تصح من المنفرد۔ "و" واختلفوا في تقدير الجماعة فعندنا هم ثلاثة رجال۔ (مراقی الفلاح علی نور الإیضاح مع حاشیة الطحطاوی ص: ۱۱۵۔دار الکتاب)۔

بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۲۲۶۔کراچی۔

تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۲۲۰۔بیروت۔

النهر الفائق ج: ۱ ص: ۳۶۰۔زکریا۔

یصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع کثیرة، وهو قول أبی حنیفة ومحمد۔

وهو الأصح لأن فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدينة كبيرة حرجاً بيناً، وهو مدفوع۔ (البحر الرائق ج: ۲ ص: ۱۵۴)۔

الدر المختار مع حاشية ابن عابدين ج: ۲ ص: ۱۴۴۔

الفقه الاسلامي و أدلته ج: ۲ ص: ۱۳۰۲۔ دار الفكر المعاصر۔

الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۱۴۵۔ رشيدية۔

امام اگر قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت بھی پڑھ لے مقتدی کو کیا کرنا چاہئے؟

سوال: اگر امام قعدہ اخیرہ میں بیٹھ کر پانچویں رکعت کے لئے بھولے سے کھڑا ہو جائے اور مقتدی بغیر لقمہ دیئے بیٹھے انتظار کرتے رہیں اور پانچویں رکعت میں امام کی اقتدا نہیں کی۔ پھر امام نے پانچویں رکعت مکمل کر کے سجدہ سہو کرلیا سب نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، کیا مقتدیوں کی نماز درست ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں لقمہ دینا مقتدیوں پر ضروری تھا۔ تاکہ وہ لوٹ آئے پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے تک مقتدیوں کو انتظار کرنا ہے۔ اور جب پانچویں رکعت کا امام سجدہ کرلے۔ تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ الگ سے سلام پھیر دیں، اور اگر امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیریں۔ تب بھی مقتدیوں کی نماز درست ہوجائے گی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (۱)

الدليل على ما قلنا:

(۱) قال في شرح المنية: ثم في القيام إلى الخامساة إن كان قعد على الرابعة وينتظره المقتدى قاعداً۔ فإن سلم من غير إعادة التشهد سلم المقتدى معه وإن قيد الخامسة ابسجدة سلم المقتدى وحده۔ وإن كان لم يقعد على الرابعة فإن

عاد تابعه المقتدی۔ وإن قاید الخامساة فسدت صلاتهم جمیعاً ولا ینفع المقتدی تشهده و سلامه وحدهٔ۔ (شامی مع الدر المختار ج:۲ ص:۱۲) کراچی۔

ولو زاد الإمام سجدة أو قام بعد القعود الأخیر ساهیاً لا یتبعه المؤتم فیما لیس من صلاته بل یمکث فإن عاد قبل تقییده الزائدة بسجدة سلم معه وإن قیدها أی الإمام أی الرکعة الزائدة بسجدة سلم۔ المقتدی وحده۔ ولا ینتظر لخرواجه إلی غیر صلاته۔ (مراقی مع الطحطاوی ص: ۳۱۰) دار الکتاب۔

چند افراد مل کر جمعہ کے دن مسجد کے علاوہ دوسری کسی جگہ پہ نماز جمعہ قائم کرنا

سوال: جمعہ کے دن موجودہ حالات میں (کرونا وائرس) اگر چند افراد مسجد کے علاوہ گھروں میں جمعہ کی نماز ادا کریں۔ تو اذن عام کی بات فقہاء نے لکھی ہے اس پر عمل کیسے ہوگا؟ اور کیا عورتیں بھی اس میں کر سکتی ہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

نماز جمعہ شعائر اسلام اور خصائص دین میں سے ہے، جیسے شہر یا فنا شہر میں اذن عام کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، اور حضرات فقہاء نے اذن عام کو صحت جمعہ کے لئے شرط قرار دیا ہے۔ موجودہ حالات میں اگر احتیاطی تدابیر کرتے ہوئے صرف چند فراد جمعہ کی نماز گھر میں ادا کریں۔ اور باقی لوگوں کو آنے روک دیا جائے۔ تو اس میں صورۃ اذن عام نہ پائے جانے کے باوجود حضرات فقہاء کی تصریحات کے مطابق جمعہ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر دشمن یا چور کے خوف کی وجہ سے دروازہ بند کر دیا جائے۔ تو یہ اذن عام کے خلاف نہیں ہے۔ (۱)

عورتوں پر جمعہ کیا نماز واجب نہیں ہے۔ اگر وہ شریعت کے حدود میں رہ کر تمام شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے نماز جمعہ ادا کریں تو ان سے ظہر کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ (۲)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن عمرو بن شدید، عن أبیه، قال: کان فی وفد ثقیف راجل مجوم۔ فأرسل إلیه النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ إنا قد بایعناک فارجع۔ (مسند ابن ابی شیبۃ باب من یتقی المجذوم رقم الحدیث ص: ۹۰۹)۔

قال رحمه اللہ (والإذن العام) أی من شرط أدائها أن یأذن الإمام للناس إذنا عاماً حتی لو غلق باب قصره وصلی بأصحابه لم یجز۔ لأنها من شعائر الاسلام وخصائص الدین فتجب إقامتها علی سبیل الاشهار۔ (تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۲۲۱)۔ بیروت۔

فلا یضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قدیمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وعلقة لمنع العدو لا المصلی۔ نعم لو لم یغلق لکان أحسن کما فی مجمع الأنهر معزیاً لشرح عیون لمذاهب قال: وهذا أولی مما فی البحر والمنح فلیحفظ۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۱۵۲۔ کراچی)۔

حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۵۱۱۔ دار الکتاب۔

(۲) ولا تجب الجمعة علی مسافر ولا امرأة ولا مریض ولا عبد ولا أعمی لأن المسافر یحرج فی الحضور وکذا المریض والأعمی والعبد مشغول بخدمة المولی والمرأة بخدمة الزوج فعذروا رفعا للحرج والضرر فإن حضروا وصلوا مع الناس أجزاهم عن فرض الوقف لأنهم تحملوه فصاروا کالمسافر إذا صام۔ (هدایه ج: ۱ ص: ۱۶۹۔ دار الکتاب دیوبند)۔

اذان کے بعد اپنے گھر نماز پڑھنے کا اعلان کرنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسجد ہے جو مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ ضلع کے اعتبار سے حکومت کی نگاہ میں اور عوام الناس

کے بھی نگاہ میں موجودہ حالات کے پیش نظر اس مسجد میں اذان تو ہو رہی ہے لیکن اس میں اذان کے بعد یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ تمام حضرات سے درخواست ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ گھر ہی پر نماز ادا کر لیں مسجد میں تشریف نہ لائیں۔ اعلان کی وجہ یہ ہے کہ لوگ زیادہ تعداد میں آرہے تھے اب اعلان کی وجہ سے کچھ کمی آئی ہے۔ تو کیا ایسا اعلان کرنا موجودہ دور میں درست نہیں ہے؟ یا اس سے شرعی اعتبار سے کوئی خرابی لازم آرہی ہے؟ جواب سے مطلع فرمائیں بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حالات حاضرہ میں وبائی امراض کے پیش نظر عالم اسلام نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس کی نظیر کسی صدی میں نہیں ملتی، چونکہ وبائی امراض کا پھیل جانا یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ پہلے زمانے میں لوگ عمومی وبائی بیماری سے بچنے کے لئے مساجد کی طرف رکوع کیا کرتے تھے۔ لیکن احتیاطی تدابیر اختیار کرنا شریعت مطہرہ کے خلاف نہیں ہے۔ حالات حاضرہ میں اگر حکومت کی طرف سے پابندی اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ہدایت دی جارہی ہے تو اس کی پابندی کرنی چاہئے۔ ماہر اطباء کی رائے میں یہ ضروری بھی ہے۔ لہٰذا اگر اذان کے بعد مائک سے گھر میں نماز پڑھنے کا اعلان کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چونکہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں بھی کبھی کسی عذر کے پیش نظر یہ اعلان کیا جانا ثابت ہے۔ (۱) صلوا فی رحالکم۔ لیکن اگر بار بار اعلان کے بجائے پنج وقتہ نمازیوں کو ایک بار اس کی ہدایت دیدی جائے تو بار بار اعلان سے بہتر ہے اور یہ روح شریعت کے مطابق بھی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) حدثنا شریک، وهشيم، عن يعلى بن عطاءٍ عن عمرو بن الشريد، عن أبيه، قال كان في وفد ثقيف رجل مجذوم۔ فأرسل اليه النبي صلى الله عليه وسلم: إنا قد بايعناک فارجع۔

(مصنف ابن أبی شیبة: باب من کان یتقی المجذوم رقم الحدیث: ۲۴۵۴۲)

عن ابن عمر، أنه نادی بالصلاة فی لیلة ذات برد وریح ومطر، فقال فی آخر ندائه: ألا صلوا فی رحالکم، ألا صلوا فی الرحال۔ ثم قال: إن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یأمر المؤذن، إذا کانت لیلة باردة، أو ذات مطر فی السفر، أن یقول۔ ألا صلوا فی رحالکم۔ (الصحیح لمسلم۔ باب الصلوٰۃ فی الرحال فی المطر۔ رقم الحدیث: ۶۹۷۔

(صلوا فی الرحال) أی فی البیوت والمنازل ۔ قال الطیبی: أی: الدور والمساکن، رحل لرجل منزله ومسکنه، ثم قال: إن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یأمر المؤذن إذا کانت أی: وقعت (لیلة) بالرفع (ذات برد) صفتها: أی صاحبه برد شدید و (مطر) أی کثیر، وفی روایة للشافعی زیادة وریح۔ یقول (آلا صلوا) أمر إباحة۔ (فی الرجال) للعذر۔ (مرقاۃ المفاتیح ج:۳ ص: ۸۳۴۔ دار الفکر۔ بیروت)۔

وکان هذا کالطاعون الأول: عم البلاد، وافتی العباد، وکان الناس به علی خیر عظیم، من إحیاء اللیل، وصول النهار، والصدقة والتوبة فهجرنا البیوت ولزمنا المساجد، رجالن، وأطفالنا، ونسائنا۔ مکأن الناس به علی خیر۔ (شفاء القلب المحزون فیما یتعلق بالطاعون و(۷۸۰ھ) متحدثا عن طاعون (۷۶۴ھ) مخطوط)۔

(۳) وفی شرح المنیة الأشبه أن صوتها لیس بعورة۔ وإنما یؤدی إلی الفتنة کما علل به صاحب الهدایة وغیره فی مسألة التلبیة ولعلّهن إنما مُنعن من رفع الصوت بالتسبیح فی الصلاة لهذا المعنی ولا یلزم من حرمة رفع صوتها بحضرة الأجانب أن یکون عورة کما قد مناه۔ (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۸۵۔ دار الکتاب الاسلامی)۔

(۴) اختلف العلماء فی صوت المرأة فقال بعضهم إنه لیس بعورة۔ لأن نساء النبی کن یروین الأخبار للرجال۔ وقال بعضهم إن صوتها عورة وهی منهیة عن رفعه بالکلام بحیث یسمع ذلک الأجانب إذا کان صوتها أقرب إلی الفتنة من صوت خلخالها۔ وقد قال اللّٰہ تعالیٰ۔ (ولا یضربن بأرجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن)۔

فقد نهی اللّٰہ تعالیٰ عن استماع صوت خلخالها۔ لأنه یدل علی زینتها فحرمة رفع صوتها أولیٰ من ذلک۔ ولذلک کره الفقهاء أذان المرأة لأنه یحتاج فیه إلی رفع الصوت۔ (الفقه المذاهب الأربعة ج:۵ ص:۵۳۔ کتاب الحدود۔ دار الکتاب العلمیة بیروت)۔

(۵) والتصفیق للنساء قال فی تاج المصادر: التصفیق فی الحدیث مأخوذ من صفق إحدی الیدین علی الأخری۔ لا ببطونهما۔ ولکن بظهور أصابع الیمنی علی الراحة من الید الیسری۔ (مرقاة المفاتیح ج:۲ ص:۷۸۵۔ دار الفکر۔ بیروت)۔

گھر پر میاں بیوی اور ماں ایک ساتھ جماعت میں نماز پڑھنے کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے

سوال: شوہر امام ہے اس کے لڑکے اس کے پیچھے صف میں ہیں بچوں کی ماں یعنی امام کی بیوی کو لڑکوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے لیکن جہاں نماز پڑھنی ہے وہاں جگہ کی تنگی ہے عورتوں کی صف نہیں بن سکتی تو کیا اس صورت میں بچوں کی ماں پہلی صف میں اپنے لڑکوں کے ساتھ کھڑی ہوسکتی ہے؟ کیا اس کی اجازت ہے؟ اس سے نماز میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا؟ امید ہے کہ جواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دینگے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

نماز میں صفوں کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے مرد اور اس کے بعد بچے اور سب سے آخیر میں عورتیں کھڑی ہوں، صورت مسئولہ میں جب جگہ کی تنگی ہے تو بیچ میں ایک پردہ کا نظم کر لیں چونکہ اس مسئلہ میں محارم بھی اجنبی کے حکم میں ہیں۔ اس لئے اپنے لڑکوں کے پیچھے اس طرح کھڑی ہوں کہ اپنا کوئی عضوا اپنے لڑکے کے عضو سے نہ مل سکے۔ اور اگر ملنے کا خطرہ ہو تو کشادہ جگہ کا انتظام کرلیں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اپنی نماز الگ پڑھیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خير صفوف الرجال أوّلها۔ وشرها آخرها۔ وخير صفوف النساء آخرها۔ وشرها أولها۔ (الصحيح لمسلم: باب خير الصفوف رقم الحديث: ۴۴۰)۔

(۲) قوله ويصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء لقوله عليه الصلاة والسلام۔ ليلينی منكم أولو الأحلام والنهى۔ ولأن المحاذاة مفسدة فيؤخرون۔ (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۳۷۴۔ دار الكتاب الاسلامی۔

رمضان میں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم

سوال: اگر تراویح کی نماز میں عورتیں بھی شامل ہوں تو وتر کی نماز بھی امام کے ساتھ باجماعت ادا کرینگی؟ یا الگ الگ پڑھینگی امید کہ جواب دیکر ممنون و مشکور رہوں گے۔

الجواب: وابالله التوفيق

اگر عورتوں کو شرعی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے تراویح کی نماز میں امام کے پیچھے اقتداء کرنے کا موقعہ مل جائے، تو اگر کوئی عذر نہ ہو تو وتر کی نماز بھی امام کی اقتدا میں پڑھ سکتی ہیں، جس طرح عورتوں کے لئے تراویح میں مرد امام کی اقتدا درست ہے اسی طرح وتر کی نماز میں بھی اقتدا درست ہے، لیکن اگر تنہا پڑھنا چاہیں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وقوله: (ولا یصلی الوثر بجماعة) ظاهر، وأما الوثر بجماعة فی رمضان فهو افضل، لان عمر کان یومهم فی الوتر وذکر أبو علی النسفی أن علماءنا اختاروا أن یوتر فی رمضان فی منزله ولا یوتر بجماعة، لان الصحابة۔ رضی اللہ عنهم لم یجتمعوا علی الوتر بجماعة فی رمضان کاجتماعهم علی التراویح، فإن أبی بن کعب۔ رضی الله عنه۔ ما کان یومهم فیها۔ (العنایة شرح الهدایة: ج: ا ص: ۴۶۹۔ دار الفکر)۔

(۲) وصلاته ای الوتر مع الجماعة رمضان أفضل من ادائه منفرداً أخر اللیل فی اختیار قاضی خان قال: قاضی خان رحمه الله۔ هو الصحیح۔ لأنه لما جازت الجماعة کان أفضل ولأن عمر رضی اللہ عنه کان یؤمهم فی الوتر "وصححه" أی غیر قاضی خان" خلافه" قال فی النهایة۔ حکایة هذا واختار علمائنا أن یوتر فی منزله لا بجماعة لعدم اجتماع الصحابة علی الوتر بجماعة فی رمضان لأن عمر رضی الله تعالیٰ عنه کان یؤمهم فیه وأبی بن کعب کان لا یؤمهم۔ وفی الفتح او البرهان ما یفید أن قول قاضی خان أرجح لأنه صلی اللہ علیه وسلم أوتر بهم فیه ثم بین عذر الترک وهو خشیة أن یکتب علینا قیام رمضان وکذا الخلفاء الراشدون صلوه بالجماعة۔ (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی ص: ۳۸۶)۔ دار الکتاب دیوبند۔

کتاب الصوم

کب ایک جگہ کی رؤیت ہلال دوسری جگہ میں معتبر ہوگی

سوال: ہندوستان پاکستان بنگلہ دیش کا مطلع علماء محققین کے نزدیک ایک ہے تو کیا ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ معتبر ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر مطلع ایک ہو تو ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ میں بھی معتبر ہوگی بشرطیکہ وہاں کی رویت شہادت شرعی سے ثابت ہو اور اس کو تسلیم کرنے سے یہاں مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا نہ ہو۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولو استفاض الخبر فی البلدة الأخری لزمهم علی الصحیح من المذهب۔ (شامی ج:۲ ص:۳۹۰۔ کراچی)۔

(۲) بطریق موجب کأن یحتمل إثنان الشهادة علی حکم القاضی۔ (شامی ج:۲ ص:۳۹۴۔ کراچی)۔

(۳) وکذافی حاشیة الطحطاوی ج:۱ ص:۶۵۶۔ (زکریا)۔

(۴) وکذافی بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۴۔ (زکریا)۔

(۵) وکذافی الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۲ ص:۳۵۵۔ (زکریا)۔

اعلان کرنے کا حق کس کو حاصل ہے؟

سوال: اگر کسی خطہ میں رویت متحقق ہوجائے تو کیا عام مسلمانوں کے لئے اس پر عمل کی اجازت ہے یا مقامی قاضی یا دارالقضاء کے فیصلہ کا پابند ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ایسی صورت میں مقامی قاضی یا دار القضاء کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیے، ہر ایک کسی کو اعلان کرنے کا حق نہیں ہے، اس سے عوام الناس میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) لأن قضاء القاضی حجة وقد شهدوا به لالو شهدوا برؤية غيرهم لأنه حكاية۔ (شامی ج: ۲ ص: ۳۹۰ کراچی)۔

(۲) ولو كان ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلين وفی الشامية والظاهر أن المراد به الوجوب۔ (شامی ج: ۲ ص: ۳۸۶۔ کراچی)۔

(۳) وکذا فی التاتارخانية ج: ۲ ص: ۳۵۵۔ (زکریا)۔

(۴) وکذا فی بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۲۲۴۔ (زکریا)۔

کیا فلکیاتی حساب شریعت میں معتبر ہے؟

سوال: اگر کسی خطہ میں فلکیاتی حساب سے قمری ماہ ۲۹ تاریخ کو رویت کا امکان نہ ہو لیکن اس خطہ میں رویت ہلال کی شرعی شہادت ملتی ہو تو کیا اسے قبول کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

چاند کے ثبوت کے لئے ملکیاتی حساب کو شرعاً معیار نہیں بنانا چاہیئے چاند کے ثبوت کا دار و مدار رؤیت بصری پر ہے، صورت مسئولہ میں شرعی شہادت کی وجہ سے اسے قبول کیا جائے گا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن ابن عمر (رضی اللہ عنه) قال قال النبی صلی اللہ علیه وسلم الشهر تسع وعشرون فلا تصوموا حتی تروه ولا تفطروا حتی تروه۔ فإن غم عليكم فاقدروا له ثلاثين۔ (أبو داؤد ج: ۱ ص: ۳۱۷)۔ والترمذی ج: ۱ ص: ۱۴۷۔

(۲) لا عبرة بقول المؤقيتن أي فی وجوب الصوم۔ (شامی ج: ۲ ص: ۳۹۰۔

کراچی)۔

(۳) وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۲ ص:۳۵۵۔ (زکریا)۔

(۴) وکذا فی بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۴۔ (زکریا)۔

رؤیت ہلال میں محکمہ موسمیات کی مدد لینا کیسا ہے؟

سوال: کیا چاند کی رویت کے لئے محکمہ موسمیات کی مدد لی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کا دارومدار رؤیت بصری پر رکھا ہے حتی کہ آپ نے فرمایا کہ اگر ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو تم مہینہ کو ۳۰ پورا کرو۔ اور محکمہ موسمیات سے جو بات کہتے ہیں وہ اندازہ کے طور پر ہوتی ہے کیونکہ اہل حساب کے تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ رویت ہلال کو کسی حساب سے اس طرح محفوظ کرنا ممکن نہیں ہے کہ چاند یقینی طور پر دکھائی دے گا یا نہیں۔

اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ وہ لوگ صرف امکان رویت کا دعویٰ کرتے ہیں نہ کہ رویت کا، اور امکان رویت سے رویت کا تحقق لازم نہیں آتا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم إنا أمة لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا يعني مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين۔

(ترمذی ج:۱ ص:۱۴۸۔ نسائی ج:۱ ص:۳۰۱۔ بخاری ج:۱ ص:۲۵۶۔ مسلم ج:۱ ص:۳۴۷۔ أبوداؤد ج:۱ ص:۳۱۸)۔ النسخ الهندية۔

(۲) إن الشرط في وجوب الصوم الرؤية لا يؤخذ بقولهم۔ (الدر المختار مع الشامي ج:۲ ص:۳۸۷۔ کراچی)۔

(۳) قال ابن العربي وقد زل بعض أصحاب الشافعي أنه قال يُعَوّل على الحساب

وھی عشرۃ۔ (تفسیر قرطبی ج:۲ ص:۲۹۴)۔

(۴) وکذافی المنھل العذب المورود ج:۹ ص:۳۷۔

(۵) وکذافی الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید۔ ج:۲ ص:۴۲۴۔

مطلع صاف نہ ہونے کی کئی صورتیں

سوال: مطلع صاف نہ ہونے میں کن امور کا دخل ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مطلع صاف نہ ہونے میں جن چیزوں کا دخل ہے وہ یہ ہیں بادل، دھول، دھواں، دھند وغیرہ۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وإن کانت بالسماء علۃ والعلۃ غیم أو غبار فی المطلع أو نحوہ نحو الدخان والضیاب۔ (البنایۃ ج:۳ص:۶۲۵۔دار الفکر)۔

(۲) ولفظ للصوم مع علۃ کغیم وغبار۔ (شامی ج:۲ ص:۳۸۵۔ کراچی)۔

(۳) عن نافع کان ابن عمر ع إذا کان شعبان تسعاً وعشرین نظر لہ فان روی فذاک ولم بروہ ولم یحل دون منظرہ سحاب ولا قترہ أصبح صائماً۔ (ابوداؤد ج:۱ ص۳۱۷بلال)۔

(۴) وکذافی فتح القدیر ج:۲ ص:۲۵۱۔(دار إحیاء التراث)۔

(۵) وکذافی الفقہ علی المذاھب الأربعۃ ج:۲ ص:۴۲۴۔

ایک شخص کی شہادت کی بنیاد پر رمضان کے آغاز کا اعلان کرنے کا حکم

سوال: اگر ۲۹ شعبان کو مطلع ابر آلودہ ہو اور قاضی ایک شخص کی شہادت کی بنیاد پر رمضان کے آغاز کا اعلان کردے اور ۳۰ رمضان کو مطلع صاف ہونے کے باوجود کہیں بھی چاند نظر میں نہ آئے تو اگلے دن روزہ رکھیں یا عید کی نماز پڑھیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اگلے دن بھی روزہ رکھیں اور یہی زیادہ احتیاط ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) وإذا صاموا بشهادة الواحد واكملوا ثلاثين يوماً ولم يروا هلال شوال لا يفطرون فيما روى الحسن عن أبي حنيفة للاحتياط۔ (الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۱۹۸ سعيد)۔

(۲) وإذا قبل شهادة الواحد في روية هلال رمضان صاموا ثلاين ولا يفطرون لا حتياط قال ابن كمال إذا لم ير الهلال ليلة الثلاثين۔ (فتح القدير ج: ۲ ص: ۲۵۱۔ دار إحياء التراث۔

(۳) وكذا في البناية ج: ۳ ص: ۶۲۵۔ (دار الفكر)۔

مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں کتنے لوگوں کی شہادت ضروری ہے؟

سوال: رمضان و عیدین کے ثبوت کے لئے جب مطلع صاف ہو تو کتنے لوگوں کی

شہادت ضروری ہے؟

اور کیا مستور الحال کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر مطلع صاف ہو تو رمضان وعیدین کو ثابت کرنے کے لئے ایک بڑی جماعت کی گواہی کی ضرورت ہے، بڑی جماعت کے بارے میں فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ اتنی بڑی جماعت ہونی چاہئے جس سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے، اور مستور الحال کی شہادت کے بارے دو روایت ہے، کہ اس کی شہادت رمضان کا چاند دیکھنے میں قبول کی جائیگی یا نہیں، اصح روایت یہ ہے کہ اس کی شہادت بھی قبول کی جائیگی، البتہ عیدین کا چاند دیکھنے میں ایسے آدمی کی شہادت قبول نہیں کی جائیگی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قبل بعلة خبر عدل ولو قنا أو أنثى لرمضان وحدين أو حدو حرتين للفطر وإلا مجمع عظيم أي وإن لم يكن بالسماء علة يشترط أن يكون فيها الشهود حمعاً كثيراً۔ (البحر الرائق ج:۲ ص: ۲۶۹۔رشيدية)۔

(۲) وأما مستور الحال أنه لا تقبل شهادته وروى الحسن عند أبي حنيفة أنه تقبل شهادته وهو الصحيح كذافي المحيط۔ (الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۲۵۹۔ سعيد)۔

(۳) وكذافي الفقه الاسلامي وأدلته ج:۳ص: ۱۶۵۳۔(دار الفكر۔

(۴) وكذافي بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۲۲۔(زكريا)۔

(۵) وكذافي تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۳۲۰۔(امدادية)۔

چاند دیکھنے کا ایک مسئلہ

سوال: چاند دیکھنے والوں کے لئے قاضی کے پاس جا کر شہادت دینا ضروری

ہے؟ اور چاند دیکھنے والے چاند دیکھنے کی خبر دینگے یا شہادت؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر کسی جگہ میں قاضی کا نظام ہو تو وہاں چاند دیکھنے والوں کو قاضی کے پاس جا کر شہادت دینا ضروری ہے۔

رمضان کا چاند دیکھنے کی خبر دے سکتے ہیں اس میں شہادت شرط نہیں ہے، البتہ عیدین کا چاند دیکھنے کی شہادت دینا لازم اور ضروری ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) إذا رأی أحدهم هلال رمضان شهد فی مسجد قریة وعلی الناس أن یصوموا بقوله یعد أن یکون عدداً إذا لم یکن هناک حاکم یشهد عنده۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۳ص:۳۶۲۔زکریا)۔

(۲) وصوم رمضان أمر دینی فأشبه روایة الأخبار ولهذا لا یختص بلفظ الشهادة وأما فی شهادة الفطر والأضحی یشترط فیه لفظ الشهادة۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۲۶۶۔رشیدیة)۔

(۳) وکذا فی الفتاویٰ الهندیة ج:۱ ص:۱۹۸۔زکریا۔

(۴) وکذا فی بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۔زکریا۔

(۵) وکذا فی الفقه الاسلامی وأدلته۔ ج:۳ص:۱۶۵۳۔دار الفکر۔

چاند دیکھنے والوں کو کب شہادت دینا ضروری ہے؟

سوال: کیا چاند دیکھنے والوں کے لئے فوراً شہادت دینا ضروری ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

چاند دیکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ لوگ اس وقت شہادت دیں جس وقت شہادت دینے سے لوگ آنے والے دن میں روزہ رکھ سکتے ہوں یا عید کر سکتے ہوں۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) وهى من فروض العين يجب أن يشهد فى ليلة كتى لا يصبح الناس منظرين۔ (الفتاوىٰ التاتار خانية ج:۳ص: ۳۶۲۔زكريا)۔

(۲) ويلزم العدل أن يشهد عند الحاكم فى ليلة رويته كيلا يصبحوا منظرين۔ (حاشية الطحطاوى ج: ۱ ص: ۶۵۲۔دار الكتب)۔

(۳) وكذافى البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۲۔(سعيد)۔

(۴) وكذافى بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۲۲۔(زكريا)۔

ٹیلی ویژن کے ذریعے اگر رؤیت ہلال کیا معتبر ہے؟

سوال: قاضی کی طرف سے اگر ویڈیو یا ٹیلی ویژن کے ذریعہ رویت کا اعلان ہو تو یہ اعلان معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

اگر قاضی کی طرف سے ریڈیو یا ٹیلی ویژن کے ذریعہ اعلان کیا جائے تو یہ اعلان معتبر ہوگا۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو روية القناديل من المصر۔ لأنه علامة ظاهرة يفيد عليه الظن حجة موجبة للعمل۔ (شامى ج: ۲ ص: ۳۸۲۔ كراچى)۔

(۲) وكذافى الفتاوىٰ التاتار خانية ج:۳ص:۳۶۳۔(زكريا)۔

(۳) وكذافى فتح القدير ج: ۲ ص:۲۶۵۔(دار إحياء التراث)۔

ہندوستان کے ایک صوبہ کی رؤیت دوسرے صوبوں میں کافی ہے

سوال: ہندوستان کے اگرکسی ایک صوبہ کے قاضی نے رویت کا اعلان کردیا تو وہ اعلان دوسرے صوبوں میں بھی معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ہندوستان کے کسی صوبہ میں اگر معتبر ذرائع سے چاند کا ثبوت ہوجائے تو اگرچہ دوسرے صوبہ میں چاند نظر نہ آئے پھر بھی اس معتبر خبر کے ذریعہ قاضی کا ہلال کمیٹی فیصلہ کرسکتی ہے۔

ہندوستان کے تمام صوبوں کا مطلع ایک ہے اس لئے ایک صوبہ کی رویت دوسرے صوبہ میں معتبر ہوگی۔ مطلع کی تبدیلی کا حکم اس وقت لگتا ہے جب وہاں کی رویت مان لینے سے یہاں ۲۸ یا ۳۱ دن کا مہینہ لازم آتا ہو۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) إذا كان بين البلدتين تفاوت لا تختلف المطالع لزم حكم أهل إحدى البلدتين البلدة الأخرى۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج:۳ ص:۳٦۵۔ زكريا)۔

(۲) ولو استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح من المذهب۔ (شامي ج:۲ ص:۳۹۴۔ كراچی)۔

(۳) وكذا في بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۴۔ زكريا۔

(۴) وكذا في حاشية الطحطاوي ج:۱ ص:٦۵٦۔ دار الكتاب)۔

کیا قاضی صاحب کو ہی اعلان رؤیت کرنا مردہ ہے یا اس کے نمائندہ بھی کرسکتا ہے

سوال: ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر اعلان رویت کے لئے قاضی کا جانا ضروری ہے یا اس

کا نمائندہ کافی ہوگا؟ نیز اگر نمائندہ غیر مسلم ہو تو اس کا اعلان معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر اعلان رؤیت کے لئے قاضی کا جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے نمائندہ کا جانا کافی ہے۔

قاضی صاحب کو چاہئے کہ اگر نمائندہ بھیجنا ہو تو مسلم نمائندہ بھیجے، لیکن اگر ریڈیو میں اعلان کرنے والا آدمی غیر مسلم ہو تو قاضی کی طرف سے رؤیت کا اعلان کرنے میں اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ بعینہ قاضی کی دی ہوئی تحریر پڑھے، کیونکہ کبھی ریڈیو میں اعلان کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے آدمی متعین ہوتا ہے، دوسرے کسی کو اعلان کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ زمانہ کی حالت بدل گئی اہل کتاب اور زمیوں کو ملک کی بڑی بڑی زمہ داری ملنے لگی ہے، لہٰذا ان لوگوں کے پاس قاضی صاحب کا خط بھیجنا یا ان لوگوں کو کسی کام کا ذمہ داری بنانا درست معلوم ہوتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وخبر منادی القاضی مقبول عدلاً کان أو فاسقاً۔ (الفتاویٰ الهندية ج:۵ ص: ۳۰۹۔زکریا)۔

(۲) إن الإنسان يعجز عن المباشرة بنفسه على اعتبار بعض الأحوال فيحتاج لى أن يؤكل به غيره۔ (هداية ج:۳ ص:۱۷۷۔تهانوی)۔

(۳) وكذا في فتح القدير ج:۵ ص:۵۵۴۔(دار إحياء التراث)۔

(۴) وكذا في البناية ج:۸ ص:۲۶۲۔(دار الفكر)۔

(۵) وكذا في تفسير القرطبي ج:۴ ص:۱۷۹۔

برطانیہ میں رؤیت ہلال کا حکم

سوال: بعض علاقوں میں بالعموم مطلع ابر آلود رہتا ہے اور ۲۹ کی رؤیت کا امکان

بہت کم ہوتا ہے جیسے برطانیہ لندن تو کیا عدم رؤیت کے وجہ سے ۳۰ دن کا مہینہ شمار کر کے رمضان وعیدین کا فیصلہ کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ایسی جگہ جہاں رؤیت ہلال ۲۹ تاریخ میں دیکھنے کا امکان ہے اگرچہ رؤیت کا امکان بہت کم ہو پھر بھی وہاں کے رہنے والوں پر ضروری ہے کہ ۲۹ تاریخ میں بھی چاند تلاش کریں، اگر ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو مہینہ کو ۳۰ پورا کریں ایسی جگہوں میں صرف ۳۰ تاریخ شمار کر کے عید یا روزہ کا فیصلہ کرنا درست نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ینبغي للناس أن یلتمسوا الهلال في الیوم التاسع والعشرین من شعبان فإن رؤوه صاموا وإن غم علیهم اکملوا عدة شعبان ثلاثین۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۳ ص:۳۵۸۔زکریا)۔

(۲) قوله علیه السلام صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فإن غم علیکم واکملوا العدة۔ فإنه لو کان رمضان أبداً ثلاثین لم یحتج إلی هذا۔ (فتح الباری ج:۴ ص:۱۲۱۔دار الفکر)۔

(۳) وکذافي مجمع الفتاویٰ ج:۵ ۲ ص:۱۵۳۔

رؤیت ہلال اور فلکیات کے حساب

سوال: یا ان ملکوں میں فلکیات کے قول پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

چاند کے ثبوت کے لئے فلکیات کو شرعاً معیار نہیں بنانا چاہئے، چاند کے ثبوت کا دارومدار رؤیت بصری پر ہے، ماہرین فلکیات بھی اس بات پر متفق ہیں کہ رؤیت ہلال کے لئے ایسا کوئی ضابطہ نہیں ہے جس سے بتایا جاسکے کہ فلاں تاریخ کو یقینی طور پر چاند نظر آئے گا یا نہیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) إن الشرط فی وجوب الصوم الرؤیة فلا یؤخذ بقولهم۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۳۸۷۔ کراچی)۔

(۲) ولا عبرة بقول المؤقتین فی وجوب الصوم۔ (شامی ج:۲ ص:۳۹۰۔ کراچی)۔

(۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشهر تسع وعشرون فلا تصوموا حتی تروہ ولا تفطروا حتی تروہ فإن غم علیکم فاقدروا له ثلاثین۔ (أبو داؤد ج:۱ ص:۳۱۷۔ ترمذی ج:۱ ص:۱۴۷۔ بلال)۔

(۴) وکذا في الفقه علی المذاهب الأربعة ج:۲ ص:۴۲۴۔ (سلمان)۔

قریبی ممالک کا اعتبار کب کیا جا سکتا ہے؟

سوال: یا قریبی ممالک کی رؤیت کا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر قریبی ممالک اور اس کا مطلع ایک ہو تو قریبی ممالک کا بھی اعتبارع کیا جا سکتا ہے، یعنی جہاں کی رؤیت مان لینے سے یہاں کا مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا ہونا لازم نہ آئے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولو استفاض الخبر فی البلدة الأخری لزمهم علی الصحیح۔ (شامی ج:۲ ص:۳۹۳ کراچی)۔

(۲) إذا کان بین البلدتین تفاوت لا تختلف المطالع لزم حکم أهل إحدی البلدتین البلدة الأخری۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۳ ص:۳۶۵۔ زکریا)۔

(۳) إذا کانت المسافة بین البلدتین قریبة لا تختلف فیها المطالع فأما إذا کانت بعیدة فلا یلزم أحد البلدتین حکم الآخر۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۴۔

زکریا)۔

(۴) وکذافی حاشیۃ الطحطاوی ج: ۱ ص: ۶۵۶۔ (دار الکتاب)۔

(۵) وکذافی البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۶۴۔ (سعید)۔

رؤیت ہلال کی خبر کو کب استفاضہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے

سوال: اگر مختلف صوبوں سے باوثوق ذرائع سے رؤیت کی خبر لے تو اس کو استفاضہ کا درجہ حاصل ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر مختلف صوبوں سے باوثوق ذرائع سے رؤیت کی خبر ملی تو اس کو استفاضہ کا درجہ حاصل ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قال الرحمتی: معنی الاستفاضة: أن تأتی من تلک البلدة جماعات متعددون کل منهم یخبرون عن أهل تلک البلدة أنهم صاموا عن رؤیة لا عن مجرد الشیوع من غیر علم۔ (شامی ج: ۲ ص: ۳۹۰۔ کراچی)۔

(۲) المراد بالاستفاض تواتر الخبر من الواردین من بلدة القرب إلی البلدة التی لم یثبت بها۔ (منحة الخالق علی البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۷۰۔ سعید)۔

(۳) وکذافی الفتاویٰ التاتارخانیة ج: ۳ ص: ۳۶۵۔ (زکریا)۔

(۴) وکذافی البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۷۰۔ (سعید)۔

رمضان و عیدین کی رؤیت کے اعلان کا حق کس کو ہے؟

سوال: رمضان و عیدین کی رؤیت کے اعلان کا حق کس کو ہے؟ قاضی، ہلال کمیٹی یا کوئی بھی فرد اعلان کرسکتا ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

رمضان وعیدین کی رؤیت کا اعلان کا حق ہر کسی کو نہیں ہے اگر قاضی ہوتو اعلان کرنے کا حق قاضی کو ہوگا، اگر قاضی نہ ہو اور وہاں ہلال کمیٹی ہوتو پھر اعلان کرنے کا حق ان کو ہوگا، اگر ہلال کمیٹی بھی نہ ہوتو جن لوگوں نے چاند دیکھا وہ لوگ مجمع عام میں اعلان کرینگے جیسا کہ جامع مسجد وغیرہ۔

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي فلا بد من أن يكون صومهم مبيناً على حكم حاكمهم الشرعي۔ (شامي ج:۲ ص:۳۹۰۔ كراچي)۔

(۲) ومن رأى هلال رمضان في الدستاق وليس هناك والٍ وقاض فإن كان ثقة يصوم الناس بقوله وفي الفطر إن أجز عدلان برؤيته لا بأس بأن يفطروا۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۲۶۷۔سعيد)۔

(۳) ولأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به لا لو شهدوا برؤية بخبرهم لأنه حكاية۔ (شامي ج:۲ ص:۳۹۰۔ كراچي)۔

(۴) وكذافي رسائل ابن عابدين ج:۱ ص:۲۳۴۔

(۵) وكذافي الشامي ج:۲ ص:۳۸۶۔ (كراچي)۔

غیر ذمہ دار کے اعلان کرنے کا حکم

سوال: اگر کسی غیر ذمہ دار فرد کے اعلان پر لوگ روزہ رکھیں یا عید کریں تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر روزہ توڑ دیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جہاں قاضی موجود ہو وہاں غیر ذمہ دار کے اعلان کا اعتبار نہیں بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ قاضی کے اعلان کا انتظار کریں، اگر غیر ذمہ دار کے اعلان رلوگ روزہ رکھیں یا عید کریں اور یہ

اعلان ذمہ دار لوگوں کے اعلان کے مطابق ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اگر غیر ذمہ دار کے اعلان پر لوگ عید کریں، جبکہ ذمہ دار لوگ نے آپ تک اعلان نہیں کیا، اور بعد میں پتہ چلا کہ رمضان کا اور ایک دن باقی ہے تو ان لوگوں کو اس کی قضاء کرنا ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) یوم مختلف فی صومه فإن الحسن و ابن سیرین و عطاء قالوا بأنه لا یصومه إلا مع الإمام۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۲۶۶۔سعید)۔

(۲) إذا صام أهل بلدة ثلاثین یوماً للرؤیة وأهل بلدة أخری صاموا تسعة وعشرین یوماً للرؤیة فعلیهم قضاء صوم واحد وبه کان یفتی الفقیة أبو اللیث۔ (الفتاویٰ الغیاثیة ج:۱ ص:۴۹۰)۔

(۳) وکذا فی الفتاویٰ النوازل ج:۱ ص:۱۴۶۔

ایک سے زیادہ ہلال کمیٹی ہونے کی صورت میں کس کی بات مانی جائے گی

سوال: ایک شہر میں ایک سے زیادہ ہلال کمیٹی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر قاضی نہ ہوتے ہوئے ایک شہر میں ایک سے زیادہ ہلال کمیٹی ہو تو لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے مقامی ہلال کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کریں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولو کانوا ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة وأفطروا باخبار عدلین تحته فی الشامیة الظاهر أن المراد به الوجوب۔ (شامی ج:۲ ص:۳۸۶۔ کراچی)۔

(۲) إذا رأی أحدهم هلال رمضان وشهر فی مسجد قریته وعلی الناس أن

بصوموا بقوله بعد أن يكون عدداً إذا لم هناک حاكم يشهد عنده۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج:۳ص:۳۶۲۔زکریا)

(۳) وکذافی البحر الرائق ج:۲ ص:۲۶۶۔(سعید)۔

(۴) وکذافی بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۴۔(زکریا)۔

متفق علیہ ہلال کمیٹی کی ایک شکل

سوال: ہندوستان کے تمام صوبوں کا مطلع ایک ہے اسی صورت متفق علیہ ہلال کمیٹی کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جبکہ ہندوستان کے تمام صوبوں کا مطلع ایک ہے تو ایسی صورت میں متفق علیہ ہلال کمیٹی کی یہ شکل بھی ہوسکتی ہے کہ ملک دارالحکومت میں ہر جماعت کے افراد پر مشتمل ایک ہلال کمیٹی بنائی جائے جومختلف صوبوں سے رابطہ کر کے رؤیت کا ثبوت جمع کرے اور پھر متفقہ طور پر رمضان وعیدین کی رؤیت وعدم رؤیت کا اعلان کریں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) إذا كان بين البلدتين تفاوت لا يختلف المطالع لزم حكم إحدى البلدتين البلدة الأخرى۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج:۳ص:۳۶۵۔زکریا)۔

(۲) وإذا استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصحيح من المذهب۔ (شامي ج:۲ ص:۳۹۴۔ کراچی)۔

(۳) وکذافی حاشية الطحطاوي ج:۱ ص:۶۵۶۔(دار الکتاب)۔

(۴) وکذافی بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۲۴۔(زکریا)۔

جو روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہے اسے کیا کرنا چاہئے؟

سوال: ایک شخص عمر کی زیادتی اور بیماری کی وجہ سے رمضان کا روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہے۔ تو وہ کیا کرے؟ جواب سے نوازکر ممنون ہوں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جو لوگ بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو یا روزہ رکھنے میں بہت زیادہ مشقت ہو۔ تو وہ حضرات روزہ کا فدیہ ادا کردیں۔ اور فدیہ کی مقدار نصف صاع گیہوں یعنی پونے دوکیلو۔ یا اس کی قیمت ہے، اور یہ فدیہ ایک ہی مستحق کو دینا ضروری نہیں ہے۔ اس کو متفرق مستحقین کو بھی دیا جاسکتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ ایک مسکین کو ایک فدیہ کی مقدار سے کم نہ دیا جائے، لیکن اگر بعد میں عذر زائل ہو جائے۔ تو رمضان کے روزے کی قضاء کرنی ہوگی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) واجمعوا علی أن المشایخ و العجائز الذین لا یطیقون الصیام او یطیقونه علی مشقة شدیدة أن یفطروا۔ (الجامع لا حکام القرآن للقرطبی ج:۲ ص: ۲۸۹)۔ دار إحیاء التراث العربی۔

(۲) یجوز اجماعاً الفطر للشیخ الفانی و العجوز الفانیة العاجزین عن الصوم فی جمیع فصول السنة، ولا قضاء علیهما، لعدم القدرة، وعلیهما عن کل یوم فدیة طعام مسکین۔ (الفقه الاسلامی وأدلته۔ ج:۳ ص: ۱۷۰۱۔ دار الفکر المعاصر)۔

(۳) وجوب الفداء: فشرطه العجز عن القضاء عجزاً لا ترجی معه القدرة فی جمیع عمره فلا یجب إلا علی الشیخ الفانی۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص: ۱۰۵۔ بیروت)۔

(۴) قال: رحمه الله۔ وللشیخ الفانی وهو یفدی فقط۔ أی للشیخ الفانی الفطر

علی نحو ما تقدم فی الحامل و المرضع من العطف و هو وحده یفدی دون غیره ممن تقدم ذکرهم لقوله تعالیٰ۔ و علی الذین یطیقونه فدیة طعام۔ (تبیین الحقائق ج: ۱ ص: ۳۳۷۔ بیروت)۔

(۵) أن له أن یفرق علی أیِّ عدد شاء و لکن الأفضل أن یعطی مسکیناً واحداً لأن ما دون نصف صاع لا یحصل به الإغناء۔ (حاشیة الشلبی علی التبیین ج: ۱ ص: ۳۱۱۔ بیروت)۔

(۶) و لو قدر علی الصوم یبطل حکم الفداء۔ لأن شرط الخالفیة استمرار العجز فی الصوم۔ (البحر الرائق ج: ۲ ص: ۳۰۸۔ دار الکتاب۔ الاسلامی)۔

کیا قی مفسد صوم ہے

سوال: کیا قے مفسد صوم ہے؟ نیز روزے کی حالت میں جان بوجھ کر قے کرنے، یا خود بخود قے ہو جانے میں روزہ ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کے سلسلے میں کچھ فرق ہے؟ امید ہے کہ مدلل جواب سے نوازینگے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

روزے کی حالت میں اگر خود بخود الٹی ہو جائے پھر وہ قصداً اعادہ نہ کرے تو یہ مفسد صوم نہیں ہے۔ خواہ منہ بھر کر ہو یا نہ ہو۔ اور اگر اعادہ کرلیا اور منہ بھر کر ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں۔ اور اگر قصداً الٹی کرے جبکہ روزے کی حالت میں ہونا یاد ہو تو اگر منہ بھر کر ہو تو اس کا روزہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) و حدثنی عن مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر۔ أنه کان یقول: من استقاء و هو صائم فعلیه القضاء۔ و من ذرعه القیء فلیس علیه القضاء۔

مؤطا للإمام مالک: باب ما جاء فی قضاء رمضان و الکفارات۔ رقم الحدیث: ۴۷۔

سنن أبی داؤد: باب الصائم یستقی عامداً۔ رقم الحدیث: ۲۳۸۰۔

سنن الترمذی: باب ما جاء فیمن استقاء عمداً۔ رقم الحدیث: ۷۲۰۔

(وإن ذرعه القیء وخرج) ولم یعد (لا یفطر مطلقاً) ملأ أو لا (فإن عاد) بلا صنعه (و) لو (هو ملء الغم مع تذکره للصوم لا یفسد) خلافاً للثانی (وإن أعاده) أو قدر حمصة منه فأکثر حدادی (أفطر إجماعاً) ولا کفارة (إن ملأ الفم وإلا لا) هو المختار (وإن استقاء) أی طلب القیء (عامداً) أی متذکراً لصوم۔ (إن کان ملء الفم فسد بالإجماع)۔

الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۴۱۴۔ کراچی۔

هدایة ج:۱ ص:۲۱۸۔ دار الکتاب دیوبند۔

حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص:۶۶۲۔ دار الکتاب دیوبند۔

النهر الفائق ج:۲ ص:۱۹۔ زکریا۔

تحفة الفقهاء ج:۱ ص:۳۵۸۔ بیروت۔

درر الحکام شرح غدر الأحکام ج:۱ ص:۲۰۶۔ دار إحیاء الکتب العربیة۔

کتاب الحج

مسائل سفر میں سفر شرعی کی مسافت حکم کی بنیاد ہے یا تین دن تین راتیں؟

سوال: خواتین کے ساتھ محرم کی شرط کے مسئلہ میں سفر شرعی کی مسافت حکم کی بنیاد ہے یا تین شب و روز کی مدت؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

خواتین کے ساتھ محرم کی شرط کے مسئلہ میں سفر شرعی کی مسافت حکم کی بنیاد ہے، نہ کہ تین دن اور تین رات، کسی عورت کے لئے شرعی سفر کی مقدار ۴۸ میل یا ۷۸ کیلومیٹر، اس سے زیادہ محرم کے بغیر جانا جائز نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) يباح لها الخروج إلى مادون السفر بغير محرم۔ قال المرغيناني اختلف فيها دون مسافة القصر۔ (البناية ج:۴ ص: ۲۱) دار الفكر۔

(۲) وكذا في البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۶۵۔ (سعيد)۔

(۳) وكذا في الشامي ج: ۶ ص: ۳۶۱۔ (كراچی)۔

(۴) وكذا في المنهل العذب المورود ج: ۱۰ ص: ۲۶۹۔

کیا سفر میں عورت کے ساتھ محرم کا ہونا شرط ہے؟

سوال: سفر میں محرم کے ساتھ کی شرط ہونے کے سلسلہ میں کیا فقہاء کا اختلاف ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ سفر شرعی کی مسافت یا اس سے زیادہ مسافت میں عورت کے ساتھ محرم ہونا شرط ہے، لیکن اگر وہ مسافت سفر شرعی کی مسافت سے کم ہو تو اس میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے کہ محرم ہونا شرط ہے یا نہیں۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں اس صورت میں بھی محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے، اور بعض فقہاء فرماتے ہیں اس صورت میں محرم کا ساتھ ہونا شرط نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وفیہ إشارۃ أن الحرّۃ لا تسافر ثلاثۃ أیام بلا محرم واختلف فیما دون الثلاث وقیل مع الصالحین والصبی والمعتوہ غیر محرمین۔ (الشامی ج:٦ ص:٣٦٠ کراچی)۔

(۲) یباح لھا الخروج إلی ما دون السفر بغیر محرم قال المرغینانی واختلف فیما دون مسافۃ القصر۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۳۱۵ ج:۲ سعید)

(۳) وکذا فی بذل المجھود ج:۷ ص:۱۴۔

(۴) وکذا فی نیل الأوطار ج:۴ ص:۳۲۵۔

اگر کوئی عورت اپنے محرم کے بجائے ثقہ عورتوں کی جماعت کے ساتھ نکلے تو یہ کافی ہے

سوال: اگر عورت کے ساتھ محرم نہ ہو لیکن ثقہ عورتوں کی ایک جماعت ہو تو کیا یہ کافی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ عورتوں کے لئے حج اور عمرہ کے علاوہ دوسرے سفر میں محرم کے بغیر سفر میں نکلنا جائز نہیں ہے، اگرچہ ان کے ساتھ ثقہ عورتوں کی جماعت

موجود ہوں، البتہ اگر حج یا عمرہ کا سفر ہو تو امام شافعی کے نزدیک ثقہ عورتوں کی جماعت بھی محرم کے قائم مقام ہو جائیگی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قال: اتفق العلماء علی أنه لیس لها أن یخرج فی غیر الحج و العمرة إلا مع ذی محرم۔ (حاشیة أبی داؤد ج: ۱ ص: ۲۴۲۔بلال)۔

(۲) وعند الشافعي یجوز لها المسافرة بغیر محرم فی رفقه لها فیها نساء ثقات۔ (فتاویٰ قاضی خان ج: ۱ ص: ۲۵۱۔دار الکتب)۔

(۳) و کذا فی بذل المجهود ج: ۷ ص: ۱۴۔

(۴) و کذا فی نیل الأوطار۔ ج: ۴ ص: ۳۲۵۔

نظام سفر اگر محفوظ ہو تب بھی محرم کا ہونا شرط ہے

سوال: اگر محفوظ نظام سفر مثلاً کوئی شخص ریاض میں رہتا ہو وہ اپنی بیوی کو وہاں بلائے دہلی میں اس کے رشتہ دار اس کو فلائٹ پر سفر کر دیں اور ریاض ایئر پورٹ سے اس کا شوہر لے لے تو کیا یہ صورت درست ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں عورت کا سفر ضرورت کی بناء پر درست ہو سکتا ہے ورنہ فقہاء حنفیہ مطلقاً عورت کے لئے سفر شرعی کی مسافت کو محرم کے بغیر کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چاہئے نظام سفر مامون ہو یا نہ ہو، البتہ دوسرے فقہاء ایسی صورت میں جائز قرار دیتے ہیں۔

(۱) کل ما یسمی سفراً نهی عنه المرءة بغیر زوج أو محرم۔ (حاشیة أبی داؤد ج: ۱ ص: ۲۴۲ بلال)۔

(۲) وعند الشافعی یجوز لها المسافرة بغیر محرم فی رفقة لها۔ (فتاویٰ قاضی خان ج: ۱ ص: ۲۵۱۔دار الکتب)۔

(۳) وکذافی البحر الرائق ج:۲ ص:۳۱۵۔ (سعید)۔
(۴) وکذافی بذل المجھود ج:۷ ص:۱۴۔ مرکز الشیخ

عورت بغیر محرم عمرہ کر سکتی ہے؟

سوال: اگر کوئی عورت عمرہ کرنا چاہے اور اس کا کوئی محرم نہ ہو اور نہ محرم کے اخراجات کا متحمل ہو تو دوسری عورتوں کے ساتھ بغیر محرم کے عمرہ کر سکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حنفی مذہب میں عورت کے لئے محرم کے بغیر حج یا عمرہ کا سفر کرنا جائز نہیں ہے، البتہ دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز ہے جس کی تفصیل آگے مذکور ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وأما الذی یحیض النساء فشرطان: أحدھما أن یکون معھا زوج أو محرم لھا فإن لم یوجد أحدھما لا یجب علیھا الحج۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۹۹۔ زکریا)۔

(۲) اختلفوا ھل یقوم غیر المحرم مقامه کالنسوۃ الثقات فقیل: یجوز لضعف النھمة وقیل لا یجوز لا بد من المحرم۔ (بذل المجھود ج:۷ ص:۱۳)۔

(۳) وکذافی الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۴۶۵۔ کراچی۔

سفر حج کے لئے محرم کی شرط ہونے کی حیثیت

سوال: سفر حج کے لئے محرم کی شرط کیا حیثیت ہے؟ اور اس کے بارے میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سفر حج کے لئے فقہاء حنفیہ کے نزدیک عورت کے لئے محرم ہونا شرط ہے۔ اگر محرم نہ ہو یا

ہو لیکن اس کا نفقہ پر عورت قادر نہ ہو تو ایسی عورت پر حج واجب نہیں ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر محرم نہ ہو تو وہ عورتوں کی جماعت کے ساتھ سفر کر سکتی ہے اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ صلحاء کے ساتھ بھی نکل سکتی ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) فإلم يوجد أحدهما لا يجب عليها الحج۔ (بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۲۹۹۔ زکریا)۔

(۲) قال مالک يخرج مع جماعة النساء۔ (اعلاء السنن)۔

(۳) وعند الإمام الشافعي يجوز لها المسافرة بغير محرم في رفقة لها۔ (فتاویٰ قاضی خان ج: ۱ ص: ۲۵۱۔ دار الکتب)۔

(۴) قال حماد لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين۔ (فتاویٰ هندية ج: ۵ ص: ۳۶۔ زکریا)۔

(۵) وقيل إنها تسافر مع الصالحين والصبی والمعتوه غير محرمين۔ (شامی ج: ۶ ص: ۳۶۰۔ کراچی)۔

محرم نہ ہونے کی صورت حج ٹور کے قافلہ کے ساتھ جا سکتی ہے

سوال: ایک عورت پر حج فرض ہے لیکن کوئی محرم ساتھ جانے والا نہیں ہے اور نہ ہی محرم کے اخراجات کی متحمل ہے تو اسی صورت میں حج کمیٹی یا حج ٹور کے قافلہ کے ساتھ بغیر محرم کے حج کے لئے جا سکتی ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات فقہاء حنفیہ کے نزدیک عورت کے لئے بغیر محرم حج کے لئے جانا درست نہیں ہے۔ البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بغیر محرم بھی جا سکتی ہے۔ اگر عورت محرم کے اخراجات کی متحمل نہ ہو تو اداء ان پر حج واجب نہیں ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) فإن لم یوجد أحدهما أي الزوج أو المحرم لا یجب علیها الحج۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص:۲۹۹۔زکریا)۔

(۲) قال مالک یخرج مع جماعة النساء۔ (اعلاء السنن)۔

(۳) وعند الشافعي یجوز لها المسافرة بغیر محرم فی رفقة لها۔ (قاضی خان ج:۱ ص:۲۵۱۔دار الکتب)۔

(۴) وکذا فی الفتاویٰ الهندیة ج:۵ ص:۳۶۶۔(زکریا)۔

(۵) وکذا فی الشامی ج:۲ ص:۳۶۰۔(کراچی)۔

ہر عمر کی عورتوں کے لئے محرم کا ہونا شرط ہے

سوال: کیا محرم کی شرط ہر عمر کی عورتوں کے لئے ہے یا اس کی کوئی تحدید ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

محرم کی شرط ہر عمر کی بالغہ عورت کے لئے ہے چاہے وہ عورت جوان ہو یا بوڑھی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) أطلق المرءة تشمل الشابة والعجوز لإطلاق النصوص۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۳۱۵۔سعید)۔

(۲) مع زوج أو محرم بالغ عاقل لامرأة حرة ولو عجوزاً فی السفر۔ (شامی ج:۲ ص:۴۶۴۔ کراچی)۔

(۳) ولا یجوز للمرأة أن تسافر یوماً ولیلة إلا إذا کان معها محرم سواء کانت المرأة شابةً أو هرمةً۔ (المنهل العذب المورود ج:۱۰ ص:۲۶۶)۔

عمرہ کے طواف مکمل ہونے سے پہلے اگر کسی لڑکی کو حیض آجائے تو اسے کیا کرنا ہوگا؟

سوال: ایک عورت عمرہ کے لئے گئی۔ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے اس کو حیض شروع ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے احرام کا کیا حکم ہوگا؟ اس کی واپسی مکہ آئندہ پانچ روز کے بعد ہے۔ اس کو حیض مہینہ میں دس یوم کو آتا ہے، یعنی مکہ رہتے ہوئے وہ پاک نہیں ہوگی، اس کے عمرہ کا کیا ہوگا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے احرام باندھ لے اور مکہ مکرمہ پہونچ کر پاک ہونے کا انتظار کرے۔ اور غسل کر کے عمرہ کر لے، لیکن اگر اپنے ملک میں واپسی سے پہلے پہلے حیض سے پاک ہو کر عمرہ کرنے کی صورت نہ ہو۔ یعنی ویزا بڑھانے کی، یا محرم ساتھ دینے کی کوئی صورت نہ ہو۔ ت مجبوراً حالت حیض میں عمرہ کر لے۔

اور حرم کے حدود میں ایک دم (بکری) دے دے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الحائض تقضی المناسک إلا لالطواف بالبیت۔ (إعلاء السنن ج:۱۰ ص:۳۱۷۔ ادارۃ القرآن کراچی)۔

لو طاف للعمرۃ کلہ أو اکثرہ أو أقلہ ولو شوطاً جنباً أو حائضاً أو نفساء فعلیہ شاۃ۔ (شامی ج:۲ ص:۵۵۱۔ کراچی۔ منحة الخالق علی البحر الرائق ج:۳ ص:۲۲۔ سعید)۔

فتاویٰ بنوری ٹاؤن کراچی۔ (۵۶۵-۹۲۰۰-۱۴۳۹)۔

احرام باندھنے کے بعد اعمال حج یا عمرہ کرنے سے پہلے اگر پھنس جائے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

سوال: مفتی صاحب ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے، کچھ لوگ عمرہ پر جارہے تھے پھر ان کا پاسپورٹ کہیں پھنس گیا، جس کی وجہ سے دو یا تین دن بعد جانے کا ہے۔

تو مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ ان لوگوں نے احرام باندھ لیا تھا اور نیت بھی کرلی تھی تو کیا احرام کھول سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں جب وہ لوگ مکہ مکرمہ نہیں جا پارہے ہیں۔ پاسپورٹ پھنس جانے کی وجہ سے، تو احرام سے نکلنے کے لئے مکہ ہدی یا اس کی قیمت بھیجنا ضروری ہے، ابھی ان کو چاہئے کہ جہاں رکاوٹ کا سامنا ہے۔ وہاں سے مکہ مکرمہ میں ہدی بھیج دیں۔ اور جب ہدی ذبح ہوجائے تب احرام سے نکل سکتے ہیں۔ اس کے بغیر احرام سے نہیں نکل سکتے ہیں۔ البتہ بعد میں ہر ایک پر اس عمرہ کے بدلے ایک عمرہ کرنا لازم ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) واتموا الحج والعمرة لله فإن احصرتم فما استیسر منا لهدی۔ ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الهدیٔ محلله۔ الخ۔ (سورة البقرة رقم الآیة: ۱۹۶)۔

(۲) الإحصار کما یکون عن الحج۔ یکون عن العمرة عند عامة العلماء۔ وأما حکم الإحصار فهو: أن یبعث بالهدیٔ أو بثمنه یشتری به هدیاً ویذبح عنه۔ ومالم یذبح لایحل۔ (الفتاویٰ الهندیة ج:۱ ص:۳۱۹)۔ الباب الثانی عشر فی الإحصار زکریا۔

(۳) لمن أحصر بعدو أو مرض، أن یبعث شاة یذبح عنه، فیتحلل۔۔۔۔ وأفاد

بالفاء التی للتعقیب فی قوله "فیتحلل" إلی أنه لا یحتلل إلا بالذبح۔ (البحر الرائق ج:۳ص:۵۳۔۵۴ سعید)۔

(۴) ویجوز (الذبح) للمحصر بالعمرة متی شاء۔ (شامی ج:۲ ص:۵۹۱۔ کراچی)۔

(۵) وعلی المحصر بالحج إن تحلل حجة۔ وعلی المعتمر عمدة، وعلی القارن حجة وعمرتان۔ (کنز الدقائق) بیان لحکم المحصر المآلی۔ فإن له حکمین۔ حالیاً، ومآلیاً۔ فما تقدم من بعث الشاة حکم الحالی، والقضاء إذا تحلل۔ وزال الإحصار حکمه حکم المآلی۔ (البحر الرائق ج:۳ص:۵۵۔ سعید)۔

(۶) وإن کان أحرم بالعمرة لاغیر۔ قضاها لوجوبها بالشروع، فی أی وقت شاء، لأنه لیس له وقت معین۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص:۴۰۳۔ زکریا دیوبند)۔

(۷) قال العینی فی البنایة: المحصر بالحج، یجبا علیه قضاء حجة وعمرة وإن کان محصراً بعمرة، یجب علیه قضاء عمرة لا غیر۔ (أوجز المسالک ج:۷ ص:۲۳۲) مرکز الشیخ۔

احرام کی حالت میں خوشبو دار تمبا کو کھانا کیسا ہے

سوال: احرام کی حالت میں خوشبو دار تمبا کو کھائے تو کیا حکم ہے؟ اور جان بوجھ کر کئی بار کھائے تو کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ جواب دیکر ممنون ہونگے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

محرم کو خوشبو دار چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہئے، چونکہ بعض صورتوں میں دم بھی لازم آجاتا ہے اس طرح خوشبو دار تمبا کو سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔ چونکہ خوشبو دار تمبا کو کا استعمال احرام کی حالت میں مکروہ ہے۔

الدليل على ماقلنا:

(۱) الطيب كل شئی له رائحة مستلذة، ويعده العقلاء طيباً۔ كذا فی السراج۔ (الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۳۰۹۔ زكريا)۔

(۲) وإن خلطه بما يؤكل بلا طبخ۔ فإن كان مغلوباً۔ فلا شيئ عليه۔ غير إن وجذت الرائحة كره۔ (الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۲۴۱۔ رشيديه)۔

حاشية الشر نبلالی على درر الحكام شرح غدر الأحكام۔ ج: ۱ ص: ۲۴۰۔ قديم۔

لباب المناسک مع شرحه ص: ۳۵۲۔ بيروت۔

المبحث الحادی عشر۔ جزاء الجنايات۔ دار الفكر المعاصر۔

(۳) أوجبوا الكفارة فيما إذا أكل أو شرب مما كان الطيب فيه غالباً۔ ولم يفصلوا بين ما إذا أكل أو شرب من ذلک قليلا أو كثيراً۔

(منحة الخالق على البحر الرائق ج: ۳ ص: ٦۔ سعيد)۔

(۴) هكذا فی معلم الحجاج۔ (سعيدی)۔ ص: ۱۱۴۔

(۵) ولكن أصحابنا قالوا: يجب أن يزيد فی التقصير على قدر الأنملة۔۔۔۔ حتى يستيقن باستيفاء قدر الواجب، فيخرج عن العهدة۔ (بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۳۳۰۔ حكم الحلق۔ زكريا)۔

(٦) فإذا طاف، وسعى، وحلق، يخرج عن الإحرام۔ (الفتاوىٰ الهندية ج: ۱ ص: ۳۰۱۔ زكريا)۔

(۷) إن المحرم لو نوى الرفض، ففعل كالحلال على ظن خروجه من الإحرام بذلک، لزمه دم واحد لجميع ما ارتكب لاستناد الكل إلى قصد واحد۔ (شامی ج: ۲ ص: ۵۹۲۔ كراچی)۔

(۸) وأما الواجبات فمن تركها شيئًا منها لزمه دم، ويصح الحج بدونه۔ سواء

ترکه عمداً أو سهواً، لکن یأثم العامد۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج:۳ ص:۲۱۵۸)۔دار الفکر المعاصر۔

کیا عمرہ مردوں اور زندوں دونوں کی طرف سے ادا کیا جاسکتا ہے

سوال: عمرہ صرف مردوں کی طرف سے کرسکتے ہیں یا زندوں کی طرف سے بھی؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زندوں کی طرف اسے عمرہ نہیں کرسکتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مردوں کی طرف سے جس طرح عمرہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح زندوں کی طرف سے بھی کیا جاسکتا ہے۔لیکن چونکہ عمرہ ایک ایسی مستقل عبادت ہے جس میں نیابت چلتی ہے۔اس لئے جس کی طرف سے ادا کیا جارہا ہے وہ اگر زندہ ہو تو اس کی اجازت لے لی جائے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) والأصل فیه أن الانسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذکراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غیر ذلک عند أصحابنا لکتاب والسنة۔

(البحر الرائق ج:۳ ص:۵۹۔سعید)۔

شامی ج:۲ ص:۵۹۵۔کراچی۔

تبیین الحقائق ج:۲ ص:۸۴۔امدادیه ملتان۔

الفتاویٰ الهندیة ج:۱ ص:۱۲۱۳۔زکریا دیوبند۔

إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری۔ (ص:۴۷۵۔ دار الکتب العلمیة)۔

(۲) وکما تکون النیابة فی الحج عن الأحیاء، کذالک تکون عن الأموات۔۔۔

والعمرة كالحج فی ذلک۔ (الفقه علی المذاهب الأربعة ج: ۱ ص:۵۴۵۔ سلمان)۔

(۳) ولا یجوز الحج والعمرة عن حی إلا بإذنه فرضاً أو تطوعاً۔ لأنها عبادة تدخلها النیابة۔ فلم تجز عن البالغ العاقل إلا بإذنه کالزکاة۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج:۳ص: ۲۱۰۱۔دار الفکر المعاصر)۔

(۴) مستفاد من: ولو أمره بالعمرة، قاعتمر، ثم حج عن نفسه أو أمره بالحج، فحج ثم اعتمم لنفسه جاز۔ (لباب المناسک مع سرحه۔ ص:۴۸۸۔ دار الکتب العلمیة)۔

(۵) ففی الحج النفل تجوز النیابة حالة القدرة۔ لأن باب النفل أو سع۔ کذا فی السراج الوهاج۔ (الفتاویٰ الهندیه ج: ۱ ص: ۲۱ ۳)۔زکریادیوبند۔

دوران طواف اگر وضوء ٹوٹ جائے تو کیا کیا جاسکتا ہے؟

سوال: ایک شخص طواف کر رہا تھا تیسرے شرط میں اس کا وضوٹوٹ گیا اب وہ کیا کرے دوبارہ طواف کرے؟ باوضو کر کے باقی شرطپورا کرلے۔

الجواب: حامداًومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ہر قسم کی نجاست سے پاک ہونا طواف کے لئے شرط ہے۔ بغیر طہارت طواف کرنا درست نہیں ہے۔ اگر کسی کا دوران طواف وضوٹوٹ جائے تو طواف اسی جگہ روک کر وضو کرنے کے لئے چلا جائے۔ اور وضو کرنے کے بعد وہی سے باقی طواف مکمل کرسکتا ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ اگر چار چکروں سے پہلے وضوء ٹوٹ جائے تو بعد میں از سر نو طواف شروع کرے۔ اور اگر چار چکروں کے بعد ہوتو اسے اختیار ہے۔ اگر چاہے تو از سر نو شروع کرسکتا ہے۔ اور اگر چاہے تو بقیہ چکروں کو مکمل بھی کرسکتا ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) حدثنا أبو الأحوص، عن ليث، عن عطاء، وطاؤس، ومجاهد قالوا: لا تطف بالبيت إلا أنت على وضوء۔ (المصنف لابن أبي شيبة ج:۸ ص: ۴۳۶۔ كتاب الحج رقم الحديث ص: ۱۴۵۵۹)۔

(۲) ولو خرج منه أو من السعي إلى جنازة أو مكتوبة أو تجديد وضوء ثم عاد بنى۔ (الدر المختار مع الشامي ج:۲ ص:۴۹۷۔ کراچی۔ النهر الفائق ج:۲ ص:۷۶۔ زکریا دیوبند۔

(۳) فصل في مستحباته: واستئناف الطواف لو قطعه أي ولو بعذر، والظاهر أنه مفيد بما قبل إتيان أكثره۔

إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری ص:۱۷۷۔ دار الکتب العلمیه۔

(۴) ويستحب الا ستئناف في الطواف إذا كان قبل إتيان أكثره۔ (لباب المناسک ص:۱۲۷۔ جدید)۔

عمرہ کے احرام باندھنے کے بعد بغیر عمرہ احرام کھولا جاسکتا ہے

سوال: اگر کوئی شخص عمرہ کے لئے احرام باندھ لے، تو کیا عمرہ کرنے کے بغیر احرام کھول سکتا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

احرام حالت کا نام ہے، صرف کپڑے اور چادروں کے پہننے کا نام نہیں ہے، جو شخص عمرہ یا حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لے تو اس وقت سے احرام کی پابندیاں جاری ہو جاتی ہیں، جس نے احرام باندھنے کے ساتھ تلبیہ پڑھ لیا، اس پر ضروری ہے کہ وہ طواف کرے، پھر سعی کرے، اور سر منڈائے یا کٹوائے اس کے علاوہ احرام سے باہر آنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔ الا یہ کہ وہ محصر ہو جائے۔ یعنی احرام باندھ کر چلے۔ لیکن راستے میں کہیں پھنس جائے۔ اور آگے

چلنے کی امید نہ ہو تو حدودِ حرم میں کوئی بکرا ذبح کرائے، اور ذبح کروانے سے پہلے حلال ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر حلق یا قصر کروائے۔ اور احرام سے حلال ہو جائے۔ اس صورت میں حلق یا قصر کروانا حلال ہونے کی شرط نہیں ہے البتہ بہتر ضرور ہے۔

الدليل على ما قلنا:

يا ايها الذين أمنو أطيعوا الله واطيعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالكم۔ (سورة محمد رقم الآية: ۳۳)۔

(۲) أنه يصير محرماً عند النية والتلبية۔ (شامی ج: ۲ ص: ۴۸۴۔ کراچی)۔

(۳) أنه إذا أتم الإحرام أو عمرة لا يخرج عنه إلا بعمل ما أحرم به وإن أفسده إلا في الفوات فبعمل العمرة وإلا الإحصار فبذبح الهدى۔

(الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۴۸۰۔ کراچی)

البحر الرائق ج: ۲ ص: ۳۲۰۔ سعید۔

النهر الفائق ج: ۲ ص: ۶۳۔ زکریا۔

الفقه الاسلامی وادلته ج: ۳ ص: ۲۱۷۷۔ دار الفكر المعاصر۔

درر الحكام شرح عذر الأحكام ج: ۲ ص: ۳۲۰۔ قديم۔

(۴) فإنه يجب إتمامه بعد إحرامه۔ (إرشاد السارى إلى مناسك الملا على القارى ج: ۴۵۲۔

(۵) ثم الإحصار كما يكون عن الحج يكون عن العمرة عند عامة العلماء (وأما حكم الإحصار)۔ فهو أن يبعث بالهدى أو بثمنه يشترى به هدياً ويذبح عنه وما لم يذبح لا يحل وهو قول عامة العلماء۔ سواء شرط عند الإحرام الإهلال بغير ذبح عند الإحصار أو لم يشترط، ويجب أن يواعديوماً معلوماً يذبح عنه فيحل بعد بعد الذبح ولا يحل قبله حتى لو فعل شيئاً من محظورات الإحرام قبل ذبح الهدى يجب عليه ما يجب على المحرم إذا لم يكن محصراً۔ وأما الحلق فليس بشرط

للتحلل فی قول أبی حنیفة و محمد۔ (رحمهما الله تعالیٰ۔ وإن حلق فحسن۔ کذا فی البدائع۔ (الفتاویٰ الهندیة ج: ۱ ص: ۳۹۱۔ زکریا)۔

مکہ میں رہتے ہوئے عمرہ کے احرام کہاں سے باندھنا چاہئے

سوال: مکہ مکرمہ میں لوگ سجدہ عائشہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں یہاں سے عمرہ نہیں ہوتا صحیح رائے سے مطلع فرمائیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مکہ مکرمہ سے عمرہ کرنے والوں کے احرام کی میقات حل ہے۔ البتہ تنعیم سے احرام باندھنا بہتر ہے۔ اور تنعیم وہی جگہ ہے جو مسجد عائشہ کے نام سے مشہور ہے۔ لوگوں کا ایسا کہنا کہ ''مسجد عائشہ سے عمرہ کا احرام باندھنے سے عمرہ درست نہیں ہوتا''۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) (و) المیقات (لمن بمکة) یعنی من بداخل الحرم۔ (للحج الحرم وللعمرة الحل) لیتحقق نوع سفر۔ وتحته فی الشامیة: والمراد بالمکی من کان داخل الحرم سواء کان بمکة أولا۔ وسواء کان من أهلها أولا۔

الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۴۷۸۔ کتاب الحج کراچی۔

مجمع الأنهر ج: ۱ ص: ۳۹۳۔ فقیه الأمة۔

تبیین الحقائق ج: ۲ ص: ۸۔ امدادیه ملتان۔

البحر الرائق ج: ۲ ص: ۳۱۹۔ سعید۔

النهر الفائق ج: ۲ ص: ۶۲۔ زکزیا۔

تحفة الفقهاء ج: ۲ ص: ۸۳۸۔ دار الکتب العلمیة۔

الفقه الاسلامی وادلته ج: ۳ ص: ۲۱۲۶۔ دار الفکر المعاصر۔

دار الحكام شرح غرر الأحكام ج: ۱ ص: ۲۱۸ ـ قديم۔
لباب المناسک مع سرحه ص: ۹۳ ـ دار الكتب العلمية۔
(۲) قوله والتنعيم أفضله: موضع قريب من مكة عند مسجد عائشة وهو أقرب موضع من الحل۔ أى الإحرام منه للعمرة أفضل من الإحرام لها من الجعرانة وغيرها من الحل عندنا۔
شامى ج: ۲ ص: ۴۷۹ ـ كراچى۔
حاشية الشلبى على تبيين الحقائق ج: ۲ ص: ۸ ـ امداديه ملتان۔
(۳) وأفضل بقاع الحل للإحرام بالعمرة: عند الحنفية والحنابلة: التنعيم۔ لأن النبى صلى الله عليه وسلم۔ أمر عبد الرحمن بن أبى بكر أن يعمر عائشة من التنعيم۔ لأنها أقرب الحل إلى مكة۔ وتحته فى التعليق: والتنعيم: المكان المعروف بمساجد عائشة۔ (الفقه الإسلامي وأدلته ج: ۳ ص: ۲۱۲۶)۔ دار الفكر المعاصر۔

کتاب النکاح

کسی نے اپنی سالی سے ہمبستری کری تو کیا نکاح ٹوٹ گیا ہے؟

سوال: حضرت اگر کوئی شخص اپنی سالی کے ساتھ ہمبستری کرے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی جواب مطلوب

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سالی کے ساتھ ہمبستری کرنے سے نکاح تو ختم نہیں ہوتا ہے عقد نکاح باقی رہے گا۔ البتہ یہ بہت بڑا گناہ اور باعث لعنت ہے۔

اگر سالی کو بیوی سمجھ کر وطی کرے اور بعد میں پتا چلے کہ یہ بیوی نہیں ہے تو ان کو چاہئے اس زانیہ کو ایک حیض آنے تک اپنی بیوی علیحدہ رہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

وفی الخلاصة وطئ أخت امرأته لا تحرم علیه امرأته، وتحته فی الشامیة: لا تحرم حرمة مؤبدة وإلا فتحرم إلی انقضاء عدة الموطوءة لو بشبهة۔ (شامی ج:۳ ص:۳۷۔ کراچی)۔

لو وطئی أخت امرأته بشهوة حیث تحرم امرأته مالم ینقض عدة ذات الشبهة۔ (البحر الرائق ج:۳ص:۹۶۔سعید)۔

امداد الأحکام ج:۳ص:۲۴۶۔زکریا۔

فتاویٰ محمودیه ج:۱۱ ص:۴۰۹۔شیخ الاسلام دیوبند۔

فون پر نکاح کرنے کا حکم

سوال: اُمید ہے کہ بخیر و عافیت ہوگے، فون پر نکاح کے جواز و عدم جواز کے

بارے میں برائے مہربانی جواب سے آگاہ فرمائیں

وجزاکم اللہ واَحسن اللہ الیکم

مستفتی: اب یاسر محمد کلیم اختر القاسمی مکۃ مکرمۃ

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

فون کے ذریعہ براہ راست نکاح درست نہیں ہے کیونکہ نکاح کی چند شرائط ہیں جن میں اتحاد المجلس بھی ایک ہے۔ یعنی عاقدین یا وکیل عاقدین کی مجلس کا ایک ہونا البتہ اس کی جائز شکل یہ بن سکتی ہے کہ کوئی ایک عاقد اپنا وکیل کو دوسرے عاقد یا ان کے وکیل کے پاس بھیج دے اور وہ وکیل نکاح کا انعقاد کرے۔

صاحب فتاویٰ خیریہ نے فون کے ذریعہ نکاح کا اعتبار کا فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ آواز جانی پہچانی ہو اور ایجاب وقبول دو گواہ سن رہے ہو۔

الدلیل علی ما قلنا:

ومن شرائط الإیجاب والقبول: اتحاد المجلس۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۳ص:۱۴۔ کراچی)۔

وأما الذی یرجع إلی مکان العقد فھو اتحاد المجلس إذا کان العاقدان حاضرین وھو أن یکون الایجاب والقبول فی مجلس واحدٍ حتی لو اختلف المجلس لا ینعقدالنکاح۔ (بدائع الصنائع ج:۳ص:۴۹۰۔زکریادیوبند)۔

شرائط الإیجاب والقبول فمنھا اتحاد المجلس إذا کان الشخصان حاضرین فلو اختلف المجلس لم ینعقد۔ (البحر الرائق ج:۳ص:۸۳۔سعید کراچی)۔

ھکذا:فی النھر الفائق ج:۱ص:۱۷۸۔زکریادیوبند۔

کل عقد جاز أن یعمدہ الإنسان بنفسہ جاز أن یؤکل بہ غیرہ۔ (ھدایہ ج:۳ ص:۱۷۷۔اشرفی دیوبند)۔

ولو صرح بالتوکیل فقال وکلتک بأن تزوجنی نفسک منی فقالت زوجت

صح النکاح۔ (شامی ج:۳ص:۱۰۱۔ کراچی)۔

ویصح النکاح بالوکالة والرسالة الکتابة لأنه عقد ینعقد بالرضا والإنابة۔ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۴ص:۱۲۶۔زکریا دیوبند)۔

اپنی بیٹی سے پیار سے بوسہ لینا کیسا ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کا بوسہ لیا ہو۔بچپن میں پیار سے، اور پھر وہی شخص بوسہ لیا ہو حالت بلوغ میں اگر باپ کے بوسہ لیتے وقت بیٹی کو شہوت آجائے تو یہ باپ اس لڑکی کی ماں کے لئے کیسا ہے۔اس مسئلہ کے بارے میں مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں مدلل جواب دیں۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اپنی یا دوسری کی چھوٹی اولاد سے محبت وشفقت کا بوسہ لینا شمائل نبویہ میں ہے۔(۱) ہر مسلمان کو اسے آپنانا چاہیئے،لیکن جب اپنی لڑکی بڑی ہو جائے۔یعنی حد شہوت کو پہونچ جائے،تو باپ کو چاہیئے کہ اس کا بوسہ نہ لے۔خواہ محبت سے کیوں نہ ہو چونکہ شہوت ایک مخفی چیز ہے۔کیا پتہ ہے کہ کب کس کے اندر اس کا تحقق ہو جائے،اگر کوئی شخص اپنی بالغہ لڑکی کا بوسہ لے اور لڑکی کو شہوت آجائے تو بوسہ لینے والے کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال أبصر الأقرع بن حابس النبی صلی اللّٰه علیه وسلام۔ وهو یقبل الحسن والحسین فقال: إن لی من الولد عشرة ما قبلت أحدمنهم فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم۔من لا یرحم لا یرحم۔

رواه الإمام الترمذی فی سننه ج:۲ ص:۱۳۔فی باب ماجاء فی رحمة الولد من کتاب البر والصلة)۔

رواه الإمام أبو داؤد فی سننه ج:۲ ص:۷۰۸۔ فی باب قبلة الرجل ولده من

کتاب الأدب۔

قوله علیه السلام: من مس امرأة بشهوة حرمت علیه أمها وابنتها۔ (هدایة ج: ۲ ص: ۳۰۹۔ اشرفیه)۔

تبیین الحقائق ج: ۲ ص: ۱۰۶۔ إمدادیة ملتان۔

أن المس والنظر سبب داع إلی الوطء فیقام مقامه فی موضع الاحتیاط۔ (هدایه ج: ۲ ص: ۳۰۹)۔

واللمس والنظر بشهوة یوجب حرمة المصاهرة۔ (منحة الخالق علی البحر الرائق ج: ۳ ص: ۹۸۔ سعید)۔

مستفاد من: فلو أیقظ زوجته، أو أیقظته هی لجماعها، فمست یده بنتها المشتهاة، أو یدها ابنه۔ حرمت علیه الأم أبدا۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۳ ص: ۳۵۔ کراچی)۔

کیا کوئی لڑکی اور لڑکا والدین کے بغیر شادی کر سکتے ہیں؟

سوال: کیا کوئی لڑکی اور لڑکا والدین کی رضامندی اور اجازت کے بغیر شادی کر لے جس میں مہر بھی متعین ہو، اور اس کے علاوہ نکاح کی تمام شرطوں کا تحقق ہو۔ تو ایسی صورت میں نکاح درست ہو جائے گا؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات فقہاء حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ عاقل آزاد بالغ اور بالغہ کی شادی والدین کی اجازت اور رضامندی کے بغیر بھی درست ہے۔ (۱) البتہ نابالغ ہونے کی صورت میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں ہے۔ (۲) لیکن والدین کی اجازت و رضامندی سے شادی کرنی چاہیئے تاکہ لوگ کسی قسم کی طعن و تشنیع نہ کر سکیں۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) فلا جناح عليها فيما فعلن في أنفسهن۔ (سورة البقرة رقم الآية ص: ۲۴۰)۔
وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وإن لم يعقد عليها ولي۔ بكراً كانت أو ثيباً۔ (هدايه ج: ۲ ص: ۳۱۳)۔ا

وإنما بطالب الولي بالتزويج كيلا تنسب إلى الوقاحه، ولذا كان المستحب في حقها تفويض الأمر إليه۔ (البحر الرائق ج: ۳ ص: ۱۰۹)۔ سعيد

(۲) ولا يصح تصرف صبي وعبد بلا إذن ولي وسيد، لأن الصبي عديم العقل، إذا كان مميزاً فعقله ناقص لعدم الاعتدال وهو البلوغ۔

(البحر الرائق ج: ۸ ص: ۸۷۔ سعيد)

مجمع الأنهر ج: ۴ ص: ۱۵۱۔ فقيه الأمت۔

تبيين الحقائق ج: ۴ ص: ۱۹۱۔ إداديه ملتان۔

فتح القدير ج: ۸ ص: ۱۸۶۔ دار إحياء التراث العربي۔

نکاح سے پہلے اگر جہیز کا سامان دے دیا جائے تو اس کا کیا حکم

سوال: زید کا نکاح ہو رہا ہے زید کے سسرال والے زبردستی سامان دے رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں ہم آپ کو یا آپ کے گھر والوں کو نہیں دے رہے ہیں۔ اپنی بیٹی کو تحفہ دے رہے ہیں۔ اور جو اپنی بڑی بیٹی کو دیئے تھے وہی دینگے نہیں تو چھوٹی بیٹی زندگی بھر کو سے گی اور روز قیامت کہے گی ہمارے درمیان باپ نے دو نظری کی ہے۔

اس صورت میں زید کیا کرے؟ اور اگر زید کے گھر سامان آنا درست ہے تو نکاح سے پہلے سامان آنا درست ہے؟ براہ کرم جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

اپنی بیٹی کو کسی بھی وقت کچھ بھی باپ دے سکتا ہے، (ا) شادی کے موقع پر ہو، یا

دوسرے کسی موقع پر۔ البتہ شادی کے موقع پر باپ اپنی بیٹی کو جو سامان دیا کرتا ہے۔ اس کو عرف میں جہیز کہا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں جو جہیز ہے۔ وہ تو خلاف سنت ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اپنی بیٹی کو رقم کی شکل میں کچھ تحفہ دے دے جو اس کے کام آئے۔ صورت مسؤلہ میں جبکہ والدین نے اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے کہ یہ سامان ہم اپنی بیٹی کو دے رہے ہیں۔ تو زید بطور امانت اس کو اپنے گھر میں رکھ سکتا ہے، اس کو بیوی ہی استعمال کر سکتی ہے شوہر نہیں۔ (۲)

الدليل على ما قلنا:

(۱) رجل له ابن وابنة أراد أن لهما شيئًا، ويفضل أحدهما على الآخر في الهبة، فلا بأس بتفضيل بعض الأولاد على البعض۔ إذا لم يقصد الإضرار۔ (الفتاوىٰ الخانية على هامش الهندية ج:۳ ص:۲۷۹۔ رشيديه)۔

هكذا في شامي ج:۵ ص:۶۹۶۔ كراچی۔

هندية ج:۴ ص:۳۹۱۔ رشيديه۔

الإيداع مشروع ومندوب۔ وهو تسليط الغير على حفظ ماله۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج:۵ ص:۴۰۱۶۔ دار الفكر المعاصر)۔

وجوب الحفظ والأداء عند الطلب۔ استحباب قبولها۔ (البحر الرائق ج:۷ ص:۲۷۳۔ سعيد)۔

(۲) وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة۔

(المبسوط للسرخسي ج:۱۱ ص:۱۲۲۔ دار الكتب العلمية بيروت)۔

کتاب الطلاق

ایک طلاق سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

سوال: ایک ساتھ دوطلاق دی ہو وہ طلاق رجعی ہوگی یا بائن

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ایک ساتھ دوطلاق دینے سے جس طرح طلاق رجعی واقع ہوئی ہے۔اسی طرح طلاق بائن بھی ہوتی ہے۔البتہ طلاق رجعی واقع ہونے کے لئے پانچ شرطیں ہیں۔

طلاق کادخول کے بعد (یعنی میاں بیوی کی صحبت کے بعد) ہونا۔

کسی عوض کے مقابلہ میں نہ ہونا۔

طلاق تین عدد کے ذریعہ نہ ہونا خواہ وضاحت کے طور پر ہو یا اشارہ ہو۔

طلاق کو ایسی صفت کے ساتھ متصف نہ بنانا جوطلاق بائن کا فائدہ دیتی ہے۔یا اس پر دلالت کرتی ہے۔جیسے حرف عطف کو ذکر نہ کرنا۔

یا طلاق کو ایسی عدد یا صفت کے ساتھ ذکر نہ کرنا جوطلاق بائن پر دلالت کرتی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقين فله أن يراجعها فی عدتها رضيت بذلک أو لم ترضِ لقوله تعالیٰ: فامسكوهن بمعروف۔ (هدايه ج:۳ ص:۳۹۴۔

(۲) فالرجعی أن يكون الطلاق بعد الدخول حقيقة ليس مقروناً بعوض ولا بعدد الثلاث لا نصاً ولا إشارة ولا موصوفاً بصفة تنبئی عن البينونه أو تدل عليها من غير حرف العطف ولا مشبه بعدد أو صفة تدل عليها أما الصريح البائی فبخلافه۔ (البحر الرائق ج:۳ص:۲۵۶۔سعيد كراچی)۔

(۳) قوله: إن لم يطلق بائناً۔ بيان لشرط الرجعة ولها شروط خمس تعلم بالتأمل۔ شرنبلالية قلت وهي أن لا يكون الطلاق ثلاثاً في الحرة أو ثنتين في الأمة۔ ولا واحدة مقترنة بعوضٍ مالي ولا بصفة تنبئ عن البينونه كطويلٍ أو شديدة ولا مشبهة كطلقة مثل جبل ولا كناية يقع بها بائن۔ (شامی ج:۳ ص:۴۰۰۔ کراچی)۔

(۴) أما الطلاق الرجعي۔۔۔۔ وذلک بعد الطلاق الأول والثاني غير البائن إذا تمت المراجعة قبل انقضاء العدة۔ (الفقة الاسلامی ج:۹ ص:۶۹۵۵۔ دار الفکر)۔

(۵) الفتاویٰ الهندية ج:۱ ص:۴۷۰۔ رشيديه۔

(۶) فتح القدير ج:۴ ص:۱۴۔ دار إحياء التراث۔

کیا عمر قید فسخ نکاح کا سبب بنتا ہے؟

سوال: ایک آدمی کو جرم کے سبب پکڑا گیا تین سال کورٹ اس کی حاضری ہوئی۔ پھر اس کی جرم ثابت ہونے پر قاضی صاحب نے عمر قید کا فیصلہ کیا ہے۔ ابھی آیا کہ اس کی بیوی جوان ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمر قید کیا فسخ نکاح کا سبب ہے؟ اور اگر عورت کورٹ میں مقدمہ پیش کرے تو قاضی صاحب کا فیصلہ کرنا درست ہے؟ اور اگر قاضی صاحب فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے تو عورت کے لئے دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں جبکہ عورت جوان ہے تو ان کو چاہئے کہ وہ قاضی صاحب کے پاس جائے اور اپنا مقدمہ پیش کرے۔ اگر چہ اس کے پاس نان ونفقہ ہو۔ کیونکہ عزت وآبروں کی حفاظت وعصمت کا مسئلہ نان ونفقہ سے زیادہ اہم ہے۔ اور قاضی صاحب کو چاہئے کہ سب سے پہلے شوہر کے پاس کسی کو بھیجے یا خود جائے اور طلاق کا مطالبہ کرے۔ پھر اگر طلاق دینے سے

انکار کرے تو خلع کا مطالبہ کرے اور اگر خلع سے بھی انکار کرے تو قاضی صاحب کو چاہئے کہ وہ مصلحت کی طرف خیال کرتے ہوئے چار سال کے حساب سے شوہر کو غائب فرض کر فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے۔

اور اگر کسی جگہ میں قاضی صاحب نہ رہے تو اس معاملہ کو کسی عالم متبحر کو اس کے قائم مقام بنائے اور فسخ نکاح کا فیصلہ ہونے کے بعد عورت کو عدت طلاق گذرنے کے بعد دوسری کسی جگہ میں شادی کرنے کی گنجائش ہے۔

الدليل على ما قلنا:

قال الشبر خيطي: في هذا المحل بشرط أن تدوم لكل زوجة الأسير ومفقود أرض الشرك وإلا فلها الطلاق واذا ثبت لهما الطلاق بذلك فليثبت لهما إذا احتسبتا الزنى بالأولىٰ۔ لأن مرر لوطئي أشد من ضرر عدم النفقة۔ (فتاویٰ علماء مالكيه مع الحيلة الناجزة للحليله العاجزة ص: ۲۶۲)۔

وقال مالک والأوزاعي: إلى أربع سنين فينكح عرسه بعدها۔ فلو اقتى به في موضع الضرورة۔ ينبغي أن لا بأس على ما أظن۔ (جامع الرسوز ج:۳ ص: ۳۹۰۔ كتاب المفقود)۔

مذهب مالک والقديم من مذهب الشافعي تقديره بأربع سنين لكن في حق عرسه لا غير فتنكم بعدها كما في النظم۔

فلو أفتى به في موضع الضرورة:۔ ينبغي أن لا بأس به على ما أظن كذا في القهستاني۔ (الدر المنتقى على هامش المجمع الأنهر ج:۲ ص: ۵۴۰۔ فقيه الأمة)۔

مما لم ينضم اليه القضاء لا يكون حجة۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج:۴ ص:۲۹۷۔ كراچی)۔

أما الأمير متى صادف فصلاً مجتهداً نفذ أمره وتحته في الشامية وجب امتثاله۔

(الشامی ج:۵ ص:۴۰۹۔ کراچی)۔

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعياً أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء۔۔۔۔۔ وإن كانت ممن لا تحيض من صغرٍ أو كبرٍ فعدتها ثلثة أشهر۔ (هدايه ج:۲ ص:۴۰۳۔ ۴۰۲۔ كتب خانه رشيديه دهلي۔

إعلاء السنن ج:۱۳ ص:۶۶۔ ادارة القرآن كراچی۔

جاؤ میں نے تجھے چھوڑ دیا کہنے کا حکم

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام، زید نے اپنی بیوی سے کہا غصے کی حالت میں ”جاؤ میں تجھے چھوڑ دیا، طلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا، تو کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ المستفتی عالم موتی ہاری۔

الدليل على ما قلنا:

برصحت تقدیر سوال زید کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے چونکہ یہ لفظ ہمارے اردو محاورہ میں طلاق کے الفاظ صریحہ میں سے ہے جس کی صراحت فتاویٰ دار العلوم، فتاویٰ محمودیہ میں موجود ہے، اب شوہر کے لئے عدت کے اندر رجعت کرنے کی گنجائش ہے۔ زید کو اس بات کی طرف خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ صرف دو طلاق کا مالک رہے گا۔

الدليل على ما قلنا:

إن الصريح مالم يستعمل إلا فى الطلاق من أى لغة كانت۔ (شامی ج:۳ ص:۲۹۹۔ کراچی)۔

سمحتک، فإن "سر حتک" كناية، ولكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح۔ فإذا قال "رها كردم" أى سرحتک يقع به الرجعي۔ مع أن أصله كناية ايضاً۔ (شامی ج:۳ ص:۲۹۹۔ کراچی)۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها فی عدتها رضيت بذلک أولم ترض۔ (هدایه ج:۲ ص: ۳۹۴۔ تھانوی)۔

فتاویٰ محمودیہ ج: ۱۲ ص: ۳۴۲۔ شیخ الاسلام۔

فتاویٰ دار العالوم دیوبند ج: ۹ ص: ۴۲۸۔

مزنیہ سالی کو ایک حیض آنے تک اپنی بیوی سے علیحدہ رہنے کی کیا حکمت ہے؟

سوال: اگر کوئی آدمی اپنی سالی کو بیوی سمجھ لے۔ اور بعد میں پتہ چلے کہ یہ سالی ہے تو ایسی صورت میں اپنی بیوی سے اس مزنیہ کو ایک حیض آنے تک علیحدہ رہنا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں اپنی بیوی سے ایک حیض تک علیحدہ رہنے میں کیا حکم ہے؟ جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر سالی کو بیوی سمجھ کر ہمبستری کرے، اور پھر پتہ چلے کہ یہ سالی ہے تو ایسی صورت میں اس مزنیہ کو ایک حیض آنے تک زانی اپنی بیوی سے علیحدہ رہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہرگز اپنے نطفہ کو دو بہنوں کے رحم میں ایک ساتھ جمع نہ کرے۔ اور ایک حیض انتظار کرنے کے لئے اس لئے کہا گیا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ زنا کی وجہ سے اس کو حمل ٹھہرا ہے یا نہیں؟ اور اگر حمل نہ ٹھہرا ہو جس کی دلیل حیض کا آنا ہے تو ایسی صورت میں اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کرسکتا ہے۔

اور اگر معلوم ہوا اس کے نطفے سے اس مزنیہ کو حمل ٹھہر گیا ہے۔ جس کی دلیل مزنیہ کو صحبت کے بعد حیض کا نہ آنا ہے۔ تو وضع حمل تک اپنی بیوی سے الگ رہنا ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

لقوله عليه السلام۔ من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يجمعن ماءه فی رحم

اختین۔ (نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایۃ ج:۳ص:۱۶۸)۔

لو زنت۔۔۔ حرمت علی زوجھا حتی تحیض وتطھر۔۔۔ معللاً باحتمال علوقھا من الزنا۔ (النھر الفائق ج:۲ ص:۱۸۹۔ زکریا)۔

وحکم العدۃ من الزنا، والعدۃ من وطء الشبھۃ کحکم العدۃ من النکاح۔۔۔۔۔ فإن زنی بأخت امرأتہ۔۔۔ یمسک عن وطء امرأتہ حتی تحیض المزنی بھا۔ (الفقہ الاسلامی ج:۹ ص:۶۶۶۲ دار الفکر)۔

مزنیہ کو اگر حیض نہ آئے تب کیا کریں

سوال: لیکن اگر مزنیہ کو حیض نہ آئے تو ایسی صورت میں بیوی کا کیا حکم ہے؟ جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر سالی کو بیوی سمجھ کر وطی کر لے، اور پھر پتہ چلے کہ یہ سالی ہے تو ایسی صورت میں جب تک اس مزنیہ کو ایک حیض نہ آئے اپنی بیوی سے علیحدہ رہے، مزنیہ اگر حیض والی عورت ہو تو ایک حیض گذاریگی۔ اور اگر حیض والی نہ ہو جیسے، چھوٹی ہو۔ یا بوڑھی ہو۔ تو ایسی صورت میں وہ ایک مہینہ تک انتظار کرے گی۔

الدلیل علی ماقلنا:

وان کانت ممن لا تحیض من صغرٍ أو کبرٍ فعدتھا ثلاثۃ أشھرٍ لقولہ تعالیٰ۔ (واللائی یئسن من المحیض من نسائکم)۔

ھدایہ ج:۲ ص:۴۲۳۔ اشرفی ھکذا فی فتح القدیر۔

ج:۴ ص:۱۳۹۔ دار إحیاء التراث العربی۔

البحر الرائق ج:۴ ص:۱۳۰۔ سعید۔

ایک طلاق شدہ عورت پر عدت لازم ہے

سوال: ایک طلاق شدہ عورت پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب دیکر شکریہ کا موقع دینگے۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ہر مطلقہ عورت پر عدت واجب ہے۔ خواہ وہ ایک طلاق سے مطلقہ کیوں نہ ہو۔ سوائے اس عورت جس کو دخول یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی گئی ہو۔ اس پر عدت نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

والمطلقات یتربصن بأنفسھن ثلاثة قروء۔ (سورة البقرة: رقم الآیة)۔

ثم طلقتموھن من قبل أن تمسوھن فما لکم علیھن من عدة تعتدونھا۔ (سورة الاحزاب: رقم الآیة)۔

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً أو رجعیاً۔۔۔ وھی ممن تحیض فعدتھا ثلاثة اقراءٍ۔ (ھدایه ج: ۲ ص: ۴۲۲۔ تھانوی)۔

وھی تربص یلزم المرءة عند زوال النکاح المتأکد بالدخول أو ما یقوم مقامه من الخلوة الخ۔ (فتح القدیر ج: ۴ ص: ۱۳۵۔ دار إحیاء التراث العربی)۔

ولا عدة علی المرءة قبل الدخول اتفاقاً لقوله تعالیٰ۔ فما لکم علیھن من عدة تعتدونھا۔

وعلی المدخول بھا عدة جماعاً سواء أکان سبب الفرقة طلاقاً أم فسخاً وفاة۔ (الفقه الخالق علی البحر الرائق ج: ۴ ص: ۱۲۸۔ سعید)۔

فسخ نکاح میں قاضی کے فیصلے کی ضرورت کیوں ہے؟

سوال: طلاق، خلع یہ دونوں میاں اور بیوی کی باتوں سے انعقاد ہو جاتے ہیں، اب

سوال یہ ہے کہ فسخ نکاح کے لئے کیونکر قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

طلاق شوہر کی جانب سے ہوتی ہے، اور خلع کا مطالبہ بیوی کی جانب سے ہوتا ہے البتہ اس میں بھی زوجین کی رضامندی شرط ہے اس لئے طلاق اور خلع تو میاں بیوی کی باتوں سے ہوجاتے ہیں۔ لیکن فسخ نکاح دونوں کی جانب سے ہوسکتا ہے۔ اس لئے فسخ نکاح کی کچھ ایسی صورتیں ہیں جس میں قاضی صاحب کا فیصلہ ہونا شرط ہے۔ چونکہ اس میں کسی ایک جانب سے سرکشی اور حد سے تجاوز ہونے کا ڈر ہے۔ فسخ نکاح کی چند صورتیں جس میں قاضی صاحب کا فیصلہ ہونا شرط ہے۔

عدم کفاءت کے بسبب فسخ نکاح کا ہونا۔

مہر: مہر مثل سے کم ہونے کے سبب نکاح کا ہونا۔

زوجین میں سے کسی نے اسلام قبول کرلیا جبکہ دوسرے قبول کرنے سے انکار کردیا۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث طویل۔ الطلاق لمن أخذ بالساق۔ (سنن النسائی ص: ۱۵۱۔ مکتبہ ملت۔ باب طلاق العبد)۔

أخذ مال المرءة بازار ملک النکاح بلفظ الخلع۔ (الموسوعة الفقهية ج: ۱۹ ص: ۲۳۴)۔

وإن تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود اللہ فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال يخلعها به۔ (ھدایہ ج: ۲ ص: ۴۰۴۔ اشرفی دیوبند)۔

وأما فرق الفسخ المتوقفة على القضاء فهی۔ الفرقة بسبب عدم الكفاءة۔ الفرقة بسبب نقصان المهر عن مهر المثل، الفرقة بسبب إباء أحد الزوجين الاسلام إذا أسلم الآخر۔ (الفقه الاسلامی وادلته للوحیلی ج: ۹ ص: ۶۸۷۱۔ دار الفکر)۔

ولا یفرق بینه أی المفقود وامرأته۔۔۔ والمختار أنه یفوض إلیٰ رأی الامام، کذا فی التبیین۔۔۔ وإذا حکم بموته اعتدت امرأته عدة الوفاة من ذلک الوقت۔ (الفتاویٰ الهندیة ج:۲ ص:۳۰۹۔ زکریا)۔

ماں کے غصہ کر کے بیوی کو طلاق دینا

سوال: ایک لڑکا اپنی ماں کے ساتھ غصہ کر کے مارنے کے لئے جارہا تھا، اسی دوران اس کی بیوی نے آکر ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔ تو فوراً شوہر نے کہا کہ جا تو ایک طلاق، دو طلاق، پھر اس کے پڑوسی لوگوں نے آکر اسے روکا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) کیا صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ (۲) اگر طلاق واقع ہوئی تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟ (۳) اب شوہر کے لئے اپنی بیوی کے ساتھ رہنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ بہت جلد جواب دے کر مشکور وممنون ہونگے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

برتقدیر صحت سوال اس نے اپنی ماں کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے وہ بہت ہی افسوس ناک اور قابل مذمت ہے۔ جس سے توبہ کرنا اور ماں سے معافی مانگنا ضروری ہے۔ البتہ صورت مسئولہ میں اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے۔ لہٰذا شوہر کے لئے رجعت کی گنجائش ہے۔ (۱) تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اس کا ضرور خیال رہے کہ شوہر آگے صرف ایک طلاق کا مالک رہے گا، اگر کبھی بھی ایک طلاق دے دیگا۔ تو طلاق مغلظہ ہو جائے گی بغیر حلالہ شرعیہ کے اپنی بیوی کو رکھنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) (صریحه مالم یستعمل إلا فیه) ولو بالفارسیة (کطلقتک وأنت طالق ومطلقة) بالتشدید (ویقع بها) أی بهذه الالفاظ وما بمعناها من الصریح۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۳ ص:۲۴۷)۔ کراچی۔

(۲) ثم ما كان من الصريح لا يحتاج فيه إلى النية۔

تحفة الفقهاء ج: ۲ ص: ١٧٦ ۔ بيروت۔

شامی ج: ۳ ص: ۲۳۷۔ کراچی۔

النهر الفائق ج: ۲ ص: ۳۲۵۔ کراچی۔

البحر الرائق ج: ۳ ص: ۲۷۹۔ دار الكتاب الاسلامی۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها فى عدتها رضيت بذلک أو لم ترض، لقوله تعالیٰ۔ (فأمسكوهن بمعروف)۔

هدایه ج: ۲ ص: ۳۹۴۔ دار الكتاب دیوبند)۔

أما الطلاق الرجعى: فهو الذى يملک الزوج بعده إعادة المطلقة إلى الزوجية من غير حاجة إلى عقد جديد ما دامت فى العدة، ولو لم ترض وذلک بعد الطلاق الأول والثانى غير البائن إذا تمت المراجعة قبل انقضاء العدة۔ (الفقه الاسلامى وأدلته ج: ۹ ص: ۶۹۵۵)۔ دار الفكر المعاصر۔

قوله وتصح فى العدة إن لم يطلق ثلاثاً ولو لم ترض براجعتک أو راجعت امرأتى وبما يوجب حرمة المصاهرة۔ (البحر الرائق ج: ۴ ص: ۵۴۔ دار الكتاب الاسلامی)۔ شامی ج: ۳ ص: ۳۹۸۔ کراچی۔

کتاب البیوع

بیع معاومہ کی تعریف

سوال: حدیث پاک میں بیع معاومہ سے منع کیا گیا اس کا مصداق کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حدیث پاک میں بیع معامہ سے منع کیا یا ہے اس کا مصداق یہ ہے کہ آدمی اپنے باغ کوئی سالوں کے لئے بیچ دے یہ بیع جائز نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قال الشیخ الدهلوی: المعامة وهو بیع ثمر النخل و الشجر سنتین فصاعداً۔

قال فی المشارق: وهو بیع ثمر الشجرة سنتین وهو من بیعه قبل طیبه۔

قال بعضهم: وهو أكثراء الارض سنتین۔ (حاشیة أبی داؤد ج: ۱ ص: ۴۷۹۔ بلال)۔

(۲) المعاومة المراد بیع ما تحمله هذه الشجرة مثلاً سنة فأكثر وهذا البیع باطل لأنه بیع مالم یخلق۔ (بذل المجهود ج: ۱۱ ج: ۲۷۰۔ مرکز الشیخ)۔

(۳) أما قوله المعاومة فهی بیع ثمر النخل أو الشجر سنتین فصاعداً۔ (حاشیة الترمذی ج: ۱ ص: ۲۴۵۔ بلال)۔

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کا حکم

سوال: درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز و عدم جواز کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کے مذاہب لکھیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

اگر پھل درخت پر تیار ہو چکا ہو لیکن ابھی پکا نہ ہو تو ایسے پھل کی بیع کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

الصورۃ الأولی: پہلے صورت بیع بشرط القطع ہے یعنی پھل کی بیع ہو جانے کے بعد بائع مشتری سے یہ کہہ دے کہ یہ پھل توڑ کر لے جاؤ۔ اور پھل فی الحال توڑ لے جانا بیع کے ابدر شروط ہو تو بیع کی یہ صورت بالاتفاق جائز ہے بشرطیکہ وہ پھل قابل انتفاع ہو، اگر قابل انتفاع نہ ہو تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں بھی جائز ہے، بعض حضرات ناجائز ہونے پر اجماع نقل کرتے ہیں۔

دلیل ھذہ الصورۃ

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ومن باع ثمرۃ لم یبدو صلاحھا أو قد بدأ جاز البیع وعلی المشتری قطعھا فی الحال تفریغاً لملک النائع۔ (الھدایۃ ج:۳ص:۲۷۔ بلال)۔

(۲) ومن اشتری فصیلاً أو ثمراً علی القطع قبل بدو الصلاح فترکھا بالبیع باطل۔ (الکافی ج:۱ ص:۴۰۴)۔

(۳) فإن اشتری أحد واشترط أن یترکہ إلی أن یبلغ فلا خیر فی الشراء۔ (کتاب الأم ج:۴ص:۱۴۔ دار الحدیث)۔

(۴) وکذا فی المغنی ج:۵ ص:۴۸۶۔ (دار الحدیث)۔

(۵) وکذا فی الموسوعۃ الفقھیۃ ج:۱۵ ص:۱۱۔

الصورۃ الثانیۃ: دوسری صورت یہ ہے کہ بائع ومشتری بیع کر لیں لیکن عقد بیع کے اندر شرط لگا دیں کہ پھل درخت پر چھوڑ دیا جائے گا۔ پکنے کے بعد مشتری پھل کاٹ کر کے لے جائے گا ایسی بیع کو بیع بشرط الترک کہتے ہیں یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۱) وإن شرط ترکھا علی النخیل افد البیع۔ (الھدایۃ ج:۳ص:۲۷۔ بلال)۔

(۲) ومن اشترى فصيلاً أو ثمراً على القطع قبل بدو الصلاح فتركها فالبيع باطل۔ (الكافی ج: ۱ ص: ۴۰۴)۔

(۳) فإن اشترط۔ أحد أن يتركه إلى أن يبلغ فلا خير فيه۔ (كتاب الأم ج: ۴ ص: ۱۴، دار الحديث)۔

(۴) وكذافی المغنی ح: ۵ ص: ۴۸۶۔ (دار الحديث)۔

الصورة الثالثة: تیسری صورت یہ ہے کہ بیع تو ابھی مکمل کرلیں ترک یا قطع کی کوئی شرط عقد بیع کے اندر نہ لگائیں۔ ایسی بیع کو "مطلق عن شرط القطع والترک" کہتے ہے۔ اس صورت میں جواز وعدم جواز کے بارے میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز ہے اور امام اعظم کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے۔

(۱) أن يبيعها مطلقاً ولم يشترط قطعاً ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالك والشافعي لأن إطلاق العقد يقتضى القطع۔ ولنا أي دلائل الأئمة الثلاثة أن النبى صلى الله عليه وسلم أطلاق النهى عن بيع الشجرة قبل بدو صلاحها فيدخل فيه محل النزاع۔ (المغنی ج: ۵ ص: ۴۸۶)۔

(۲) وكذافی كتاب الأم ج: ۴ ص: ۱۴۔

(۳) وكذافی لكافی ج: ۱ ص: ۴۰۵۔

بدو صلاح سے کیا مراد ہے؟ اور حضرات فقہاء کی آراء

سوال: حضور نے بدو صلاح سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے بدو صلاح سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں کیا حضرات فقہا کا اختلاف ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً: والله الموفق بالصواب

امام ابوحنیفہ کے نزدیک بدو الصلاح سے مراد پھلوں کا ہلاکت سے مامون ہو جانا ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک پھلوں کی پختگی اور مٹھاس ظاہر ہونا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل کے

نزدیک پھلوں کا ضائع ہونے اور نقصان ہونے سے مامون ہو جانا ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک وہ اگر کھجور ہو تو اس میں زردی اور سرخی رنگ ظاہر ہونا ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ دوسری قسم کے پھل ہوں تو اس میں ایسا رنگ ظاہر ہو جائے جس سے یہ سمجھ میں آئے کہ یہ پھل اچھا ہو گیا ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) المالكية: بدو صلاحها أن يزهو بصفرة أحمرة إن كانت نخلاً وأما التين والعنب والزيتون والخوخ والتفاح وأما ما أشبه ذلك فإن بدا طيب أوله وتكون منه مالونه علافة طيبه۔ (الكافي ج: ۱ ص: ۴۰۲)۔

(۲) الشافعية: وعند الشافعي هو ظهور النضج وبدو الحلاوة۔ (الدر المختار مع الشامي ج: ۴ ص: ۵۵۵۔ كراچی۔

(۳) الحنبلة: أن تؤمن من تلف الشجرة وحدوث العاهة عليها۔ (المغنى ج: ۵ ص: ۴۸۶۔ دار الحديث)۔

(۴) الحنفية: بدو الصلاح عندنا أن تومن العاهة۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۴ ص: ۵۵۵۔ کراچی)۔

اس سلسلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف۔

ایسی صورت میں یعنی بدو صلاح سے پھل کی بیع کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) البيع بشرط القطع۔

پھل کی بیع ہو جانے کے بعد فی الحال توڑ لے جائینگی شرط بیع کے اندر ہو۔ اگر وہ پھل قابل انتفاع ہو تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔ اگر قابل انتفاع نہ ہو تو امام ابو حنیفہ کے علاوہ سب کے نزدیک ناجائز ہے۔

(۲) البيع بشرط الترک۔

یعنی عقد بیع کے اندر پھل درخت پر چھوڑ دینے کی شرط میں بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۳) مطلق عن الترک والقطع

بیع مکمل ہو جائے لیکن چھوڑنے یا کاٹنے کی شرط نہ ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) من اشترى فصيلاً على القطع قبل بدو الصلاح فتركها بالبيع باطل۔ (الكافي ج: ۱ ص: ۴۰۴)۔

(۲) ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها أو قد بدأ جاز البيع وعلى المشترى قطعها فى الحال تفريغاً لملك البائع۔ (الهداية ج: ۳ ص: ۲۷۔ بلال)۔

(۳) فإن اشترط أحد على أن يتركها إلى أن يبلغ فلا خير فى الشراء۔ (كتاب الأم ج: ۴ ص: ۱۴)۔

(۴) وإذا اشترى الشجرة دون الأصل ولم يبدو صلاحها على الترك إلى الحذار لم يجز وإن اشتراها على القطع جاز۔ (المغنى ج: ۵ ص: ۴۸۶۔ دار الحديث)۔

(۵) وكذا فى المغنى ج: ۵ ص: ۴۸۶۔

درخت پر پھل آنے سے پہلے باغات کو کئی سالوں کے لئے فروخت کرنے کا حکم

سوال: درخت پر پھل آنے سے پہلے پھل کو ایک سال یا چند سال کے لئے فروخت کرنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں ایک سال یا چند سال کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔اس سے متعلق صریح صحیح روایات موجود ہیں حدیث پاک میں ایسی بیع کو معاومہ کہا گیا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المعاومۃ وفی لفظ بیع السنین۔ (أبوداؤد ج:۱ ص:۴۷۹۔ ترمذی ج:۱ ص:۲۴۵۔بلال)۔

(۲) عن جابر بن عبداللہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المحاقلۃ والمذابنۃ والمخابرۃ قال أحدھما بیع السنین ھی المعاومۃ۔ (مسلم ج:۲ ص:۱۱۔بلال)۔

ایسے باغوں کو بیچنے کا حکم جس کے کچھ درختوں پر پھل آیا اور کچھ پر نہیں آیا

سوال: باغ کے کچھ درختوں پر پھل آگئے اور کچھ پر نہیں آئے اس صورت میں فروخت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں حضرت امام مالک کے نزدیک یہ بیع جائز ہے لیکن حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں۔البتہ لیث بن سعد اور ابن خرم کے نزدیک باغ میں اگر مختلف قسم کے درخت ہوں اور ان میں سے کچھ درخت پر پھل تیار ہوں تو پورے باغ کو فروخت کرنا جائز ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) إذا باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلک لم يصح البيع عند أبی حنيفة والشافعي وأحمد وقال مالک يجوز۔ (فتح القدير ج:۵ ص: ۴۹۔ دار إحياء التراث)۔

(۲) فبيع ثمار الحائط الجامع لأصناف الشجرة صَفقة واحدة بعد ظهور الطيب فی شيئ فيه جائز وهو قول ليث بن سعد لأنه بيع ثمار قد بدأ صلاحها۔ ولم يقل رسول الله صلى الله عليه وسلم إن ذلک لا يجوز إلا فی صنف واحد۔ (البحر الرائق ج:۵ ص: ۳۰۱۔سعيد)۔

(۳) وکذا فی فتح القدير ج:۵ ص: ۴۹۰۔ (دار إحياء التراث)۔

(۴) وکذا فی الدر المختار مع الشامی ج:۴ ص: ۵۵۵۔ (کراچی)۔

(۵) وکذا فی الموسوعة الفقهية۔ ج:۱۵۔ ص: ۱۱۔

پھل قابل استعمال ہونے سے پہلے فروخت کرنے کا حکم

سوال: درخت پر پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہیں اس صورت میں فروخت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں ایسے پھل کو اگر اس شرط پر خریدا جائے کہ خریدار فوراً توڑ لے گا تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر چھوڑنے کی شرط لگائے تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ البتہ اگر بائع کی اجازت سے خریدنے کے بعد چھوڑ کر رکھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر کسی قسم کی شرط نہ ہو تو یہ صورت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے، اور حضرت ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) الصورة الثالثة: أن يكون على حالة بحيث لا ينتفع أصلاً والبيع فى هذه الصورة مختلف فى صحته والصحيح أنه يجوز لأنه قال وإن لم يمكن الانتفاع به فى الحال ولكن الانتفاع به بعد حين۔ (الفقه على المذاهب الأربعة ج:۲ ص:۲۳۴)۔

(۲) وكذا فى فتح القدير ج:۵ ص:۴۹۰۔ (دار إحياء التراث)۔

(۳) وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية ج:۸ ص:۳۱۶۔ (زكريا)۔

(۴) وكذا فى المغنى ج:۵ ص:۴۸۶۔

(۵) وكذا فى الكافى ج:۱ ص:۴۰۴۔

(۶) وكذا فى كتاب الأم ج:۴ ص:۱۴۔ (دار الحديث)۔

فوری طور پر توڑ کر لینے کی شرط بیچنا کیسا ہے؟

سوال: اگر پھل کی فروخت اس طرح ہو کہ پھل جس حال میں ہے اس حال میں خریدار اس کو توڑ لے گا تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر پھل کی فروخت بدو صلاح کے بعد ہو تو اس صورت میں بیع کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اگر بدو صلاح سے پہلے ہو اور وہ پھل قابل انتفاع ہو تو اس صورت میں بیع بالاتفاق جائز ہے، اور اگر قابل انتفاع نہ ہو تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع جائز ہے، اور حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) القسم الثانى: أن يبيعها بشرط القطع فى الحال فيصح بالإجماع لأن البيع إنما كان حذفاً من تلف الشجرة وحدوث العاهة عليها۔ (المغنى ج:۵

ص: ۴۸۶)۔

(۲) فالذی اتفقوا علیه من حیث الجملة الانتفاع أي یکون الثمار المقطوعة منتفعاً بها والجمهور علی أنه یجب أن تکون منتفعاً بها عند القطع والخفیة علی مطلق الانتفاع۔ (الموسوعة الفقهیة ج:۱۵ ص:۱۱)۔

پھل تیار ہونے تک درخت ہی پر چھوڑنے کی شرط فروخت کرنے کا حکم

سوال: اگر بائع ومشتری کے درمیان یہ طے ہے کہ پھل تیار ہونے تک درخت ہی پر موجود رہے گا تو اس صورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر بائع ومشتری کے درمیان یہ طے ہے کہ پھل تیار ہونے تک درخت ہی پر موجود رہے گا اور عقد بیع کے اندر چھوڑنے کی شرط نہیں لگائی تو اس صورت میں بیع جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولو اشتری الشجرة التی لم یتناه عظمها ولم یشترط الترک فإن کان باذن البائع طاب له الفضل۔ (فتح القدیر ج:۵ ص:۴۹۰، دار إحیاء التراث)۔

(۲) وکذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة ج:۸ ص:۲۱۶۔ (زکریا)۔

(۳) وکذا فی الفقه علی المذاهب الاربعة۔ ج:۲ ص:۲۳۴۔

کسی قسم کی شرط کے بغیر خریدنا

سوال: خریدنے کے بعد نہ فوراً توڑنے کی شرط ہو نہ چھوڑنے کی شرط ہو تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) القسم الثالث: أن يبيعها مطلقاً ولم يشترط قطعاً ولا تبقيه فالبيع باطل وبه قال مالك والشافعي وأحمد وأجازه أبو حنيفة لأن إطلاق العقد يقتضي القطع كماهو تو اشترطه۔ (المغني ج:۵ ص:۴۸۶)۔

(۲) وكذا في الفقه على المذاهب الأربعة ج:۲ ص:۲۳۴۔

(۳) وكذا في البحر الرائق ج:۵ ص:۳۰۱۔

پھل تیار ہونے تک درخت ہی پر چھوڑنے کی شرط فروخت کرنے کا حکم

سوال: مشتری نے پھل خریدا اور پھل توڑنے تک درخت کو بائع سے کرایہ لیا تاکہ پھل درخت ہی پر تیار ہو جائے تو کیا یہ صورت جائز ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر مشتری نے پھلوں کو مطلقاً خریدا یعنی چھوڑنے کی شرط نہیں لگائی لیکن پھل کو پکنے کے لئے درخت پر چھوڑ دیا اور تیار ہونے کے بعد مشتری نے اس کو توڑا تو مشتری کے لئے یہ جائز ہے لیکن اجارہ باطل ہے لہٰذا بائع کرایہ کا حقدار نہیں ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ولو باع مالم يتناه عظمه مطلقاً عن الشرط ثم تركه فأما بإذن البائع إذناً محدداً أو بإذن فيه بأن استأجر الأشجار إلى وقت الإدراك أو بلا إذن ففي

الصورتين الأولين يطيب له الفضل۔۔۔۔۔ وأما الإجاره فلأنها اجارة باطلة لعدم التعارف فى إجارة الاشجار والحاجة۔ (فتح القدير ج:۵ ص:۴۹۰۔ دار إحياء التراث)۔

پھول کے آنے سے پہلے پھل کی بیع میں امام مالک کی رائے

سوال: کیا حضرت امام مالک کے نزدیک پھل کی بیع پھول کے آنے سے پہلے جائز ہے؟

الجواب: حامداًو مصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

حضرات ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق پھل کی بیع پھول آنے سے پہلے جائز نہیں ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ولا خلاف فى عدم جواز بيع الثمار قبل أن يظهر وفى عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترك۔ (البحر الرائق ج:۵ ص:۳۰۳۔ سعيد)۔

(۲) وكذا فى فتح القدير ج:۵ ص:۴۹۱۔ (دار إحياء التراث)۔

(۳) وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية ج:۸ ص:۲۱۶۔ (زكريا)۔

(۴) وكذا فى الفقه على المذاهب الأربعة ج:۲ ص:۲۳۴۔

ماہانہ یا سالانہ کمیشن پر تجارتی نفع کرنے کا حکم

سوال: اگر کسی ہوٹل یا تجارتی مرکز کسی دلال کے ذریعہ خریدا جائے اور دلال نفع پر ماہانہ یا سالانہ کمیشن طے کرے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداًو مصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اس قسم کی خرید و فروخت تو درست ہے اور دلال اپنی محنت کی وجہ سے اجرت کا مستحق ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

بيع السمسرة هي الوساطة بين البائع والمشتري لإجراء البيع والسمسرة جائزة والأجر الذي يأخذه السمسار حلال لأنه أجر على عملٍ وجهد معقولٍ۔ (الفقه الاسلامي وأدلته ج:۵ ص: ۳۳۲۶۔ دار الفکر)۔

(۲) اجارہ میں اجرت کا متعین ہونا ضروری ہے۔

عقد الإجارة لا يجوز إلا أن يبين البدل من الجانبين جميعاً۔۔۔ أما الأجر إن كان دنانير أو دراهيم فالشرط بيان القدر ويقع على نقد البلد وإن كانت النقود مختلفة تقع على الغالب وإن كانت الغلبة مختلفة فالإجارة فاسدة۔ (خلاصة الفتاویٰ ج:۳ص:۱۰۳۔ اشرفیه)

اورصورت مسئولہ میں اجرت متعین نہیں ہے اس لئے یہ معاملہ درست نہیں ہے۔

قسط پر بیع وشراء کا حکم

سوال: کیافرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص ایک گاڑی جس کی قیمت مثال کے طور پر ایک لاکھ ہے اور بیچنے والا اس کو ادھار ایک لاکھ دس ہزار روپیئے میں ماہانہ ایک سال تک قسطوں کی ساتھ دیتا ہے، تو اس طرح کی خرید و فروخت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

آج کل قسط پر جو بیع و شراء ہوتی ہے اس میں بائع اور مشتری دونوں کے لئے سہولت ہے۔اس کی صورت اگر ایسی ہو کہ بائع مشتری سے مبیع کو ایک متعینہ قیمت پر بیچ دے، اور بائع مشتری سے کہے کہ اگر ثمن کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی تو دس ہزار زیادہ دینا ہوگا۔تو ایسی صورت میں بائع کے لئے عقد پر متعینہ ثمن سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

اوراگر بائع نے مشتری سے یہ کہا کہ اگر نقد خریدو گے تو ایک لاکھ روپیئے اس کی قیمت

ہے اور ادھار خریدو گے تو ایک لاکھ دس ہزار ہے۔ پھر بائع نے بیچ دیا۔ اور مشتری نے کسی جانب کو متعین نہیں کیا۔ تو ایسی صورت میں ثمن متعین نہ ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔

اس کی جائز متبادل شکل یہ ہے کہ بائع عقد کے وقت مشتری سے کہے کہ یہ مبیع تم سے ادھار پر ایک لاکھ دس ہزار روپے میں بیچ رہا ہوں، اور تم اس کا ثمن قسط پر ادا کر دینا۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن أبی حرة الرقاشی عن النبی۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ أنه قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا عن طیب نفسه۔ (رواه الدار قطنی فی سننه: ج:۳ ص:۲۲۔ دار الإیمان)۔

(۲) ویجوز البیع بثمن حال، ومؤجل، إذا کان الأجل معلوماً۔ (هدایة ج:۳ ص:۲۱)۔

(۳) وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بیعتین فی بیعة، أن یقول: أبیعک هذا الثوب بنقد بعشرة، وبنسیئة بعشرین، ولا یفارقه علی أحد البیعتین، فإذا فارقه علی أحدهما، فلا بأس إذا کانت العقدة علی واحد منهما۔ (سنن الترمذی: ج:۱ ص:۲۳۳۔ مکتبه بلال)۔

(۴) رجل باع علی أنه بالنقد بکذا، وإلیشهر بکذا، وإلی شهرین بکذا، لم یجز۔ (الفتاویٰ الهندیة: ج:۳ ص:۱۳۶۔ رشیدیة)۔

(۵) والعقد فاسد لجهالة الثمن۔ (هدایة ج:۳ ص:۳۴)۔

(۶) ویجوز للمشتری أن یزید للبائع فی الثمن، ویجوز للبائع أن یزید للمشتری فی المبیع، ویجوز للبائع أن یزید للمشتری فی المبیع، ویجوز أن یحط عن الثمن۔ (هدایة ج:۳ ص:۷۵)۔

جماعتِ ثانیہ

سوال: کسی مسجد میں جماعت ہونے کے بعد دوسری جماعت اسی مسجد کے برامدہ یا صحن میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کر سکتے ہیں تو کیوں؟ اور نہیں کر سکتے ہیں تو کیوں نہیں؟ تفصیل کے ساتھ جواب مدلل دیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

جس طریقے سے مسجد کے اندر جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔ اسی طرح مسجد کے صحن اور برامدہ میں بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ صحن اور برامدہ بھی مسجد کے حکم میں ہے۔ چونکہ یہ تقلیل جماعت کا باعث ہے جو کہ مکروہ ہے۔ لیکن اگر مسجد ایسی جس کا امام و مؤذن متعین نہ ہو نہ ہی نماز کا وقت متعین ہو جس کو مسجد طریق کہتے ہیں۔ تو ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن سالم بن عبد اللہ قال: لا تجمع صلاۃ واحدۃ فی مسجد واحد مرتین۔ (إعلاء السنن ج:۴ ص: ۲۶۲۔ دار الکتب العلمیۃ)۔

وفناء المسجد له حکم المسجد۔ (حلبی کبیری ص: ۶۱۴۔ لاھور)۔

وروی عن أنس بن مالکٍ۔ رضی اللہ عنہ۔ أن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کانوا إذا فاتتھم الجماعۃ صلوا فی المسجد فرادی ولأن التکرار یؤدی إلی تقلیل الجماعۃ لان الناس إذا علموا أنھم تفوتھم الجماعۃ فیستعجلون فتکثر الجماعۃ، وإذا علموا أنھا لا تفوتھم یتاخرون فتقل الجماعۃ۔ وتقلیل الجماعۃ مکروہ۔ بخلاف المساجد التی علی قوارع الطرق۔ لأنھا لیست لھا أھل معروفون، فأداء الجماعۃ فیھا مرۃ بعد أخری لا یؤدی إلی تقلیل الجماعات، وبخلاف ما إذا صلی فیه غیر أھله لأنه لا یؤدی إلی تقلیل الجماعۃ، لأن أھل الخ۔ (بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۳۸۰۔ زکریا)۔

ویکرہ تکرار الجماعۃ بأذان وإقامۃ فی مسجد محلۃ لا فی مسجد طریق أو مسجد لا إمام لہ ولا مؤذن۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۲۴۶۔ کراچی)

عقد بیع معاملہ طئی ہونے کے بعد نہ خریدنے پر جرمانہ لینا کیسا ہے؟

سوال: مفتیان کرام سے ایک مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے کہ شفیق نے شنکر سے زمین کی خریداری کا معاملہ طے کیا اور معاہدہ مکمل کر لینے کے بعد شفیق نے بیس (۲۰۰۰۰) ہزار روپیہ بیعانہ دیدیا۔ اب شنکر زمین بیچنے سے مکر کر رہا ہے۔ تو شفیق صاحب کا کہنا یہ ہے کہ سودا طے کر لینے کے بعد زمین ہماری ہے۔ اگر آپ زمین نہیں لکھنا چاہتی ہیں تو جرمانہ دینا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ شفیق صاحب کا جرمانہ کی رقم لینا درست ہے یا نہیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں شفیق کا جرمانہ کی رقم لینا درست نہیں ہے اتنی ہی رقم لینا ہوگا جتنی رقم انہوں نے بیعانہ کے طور پر دی تھی اس سے زیادہ لینا سود اور ناجائز ہے۔

الدلیل علی ما قلنا

عن عمر بن شعیب عن أبیہ عن جدہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ نہی عن العربان۔ قال ابو عبد اللہ العربان أن یشتری الرجل رابۃ بمأۃ دینارٍ فیعطیہ دینارین عروباً فیقول إن لم أشتر فالدینار لک۔ (ابن ماجہ ص:۱۵۸ بلال، دیوبند)۔ (ابوداؤد ج:۲، ص:۴۹۴۔ بلال دیوبند)۔

ویرد العرمان اذا ترک العقد علی کل حالٍ بالاتفاق۔ (بذل المجہود ج:۱۱ ص:۲۲۱۔ مرکز الشیخ)۔

عن ابی حرۃ الرقاشی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا عن طیب نفسہ۔ (سنن الدار قطنی ج:۳ ص:۲۲۔ دار الإیمان)۔ (مشکاۃ المصابیح ص:۲۵۵)۔

(۴) وبعد الفسخ لا یأخذہ بائعہ حتی یرد ثمنہ وتحتہ فی الشامیۃ: أی ما قبضہ من المشتری کما فی الفتح۔ (الدر المختار مع الشامی ج:۶ ص:۹۴۔ کراچی)۔

(۵) فإن شرط اکثر منہ أو أقل فالشرط باطل ویرد مثل الثمن الأقل۔ (ہدایۃ ج:۳ ص:۶۹۔ تھانوی دیوبند)۔

(۶) ولأن الربوا عرفہ الحنفیۃ بأنہ فضل خالٍ عن عوض بمعیار شرعی مشروط لأحد المتعاقدین فی المعاضۃً۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ ج:۲۲ ص:۵۰۔ الکویت)۔

(۷) ولا یجوز لأحدٍ من المسلمین أخذ مال احد بغیر سببٍ شرعی۔ (شامی ج:۴ ص:۶۱۔ کراچی)۔

کتاب الأضحیة والعقیقة

مردے بچے کا عقیقہ کرنا کیا ضروری ہے

سوال: مرے بچہ کی طرف سے عقیقہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مرے ہوئے بچہ کی طرف سے عقیقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب بچہ فوت ہوگیا تو اس کا عقیقہ باقی نہ رہا۔ اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد سات دن گزرنے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو حنفی مذہب میں ایک قول کے مطابق اس کی طرف سے عقیقہ کرنا مستحب ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

ثم إن الترمذی أجاز لها إلی یوم أحد و عشرین قلت بل یجوز إلی ان یموت۔ (فیض الباری ج:۴ ص:۳۳۴۔ ھرابک ڈپو دیوبند)۔

ولو مات المولود قبل السابع استحب له العقیقة عندنا وقال الحسن البصری ومالک لاتستحب۔ (إعلاء السنن ج:۱۷ ص:۱۲۶۔ کراچی)۔

ولأن ذلک جمعة التقرب بالشکر علی نعمة الولد۔ (الدر المختار مع الشامی ج:٦ ص:۳۳۱۔ کراچی)۔

فتاویٰ رحیمیه ج:٦ ص:۱۷۲۔ قدیم۔

فتاویٰ محمودیه ج:۱۷۔ ص:۵۱٦۔ شیخ الاسلام دیوبند۔

قربانی کی نیت سے پالے ہوئے جانور کو بیچنے کا حکم

سوال: قربانی کی نیت سے کسی نے بکرا پالا، لیکن اب وہ شخص چاہتا ہے کہ میں اس کو فروخت کر کے بڑا جانور خریدوں، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

محض قربانی کی نیت سے پالنے کی وجہ سے اسی جانور کی متعین طور پر قربانی واجب نہیں ہوتی۔ وہ اگر چاہے تو اسے فروخت کر کے بڑا جانور بھی خرید سکتا ہے۔(۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وهل تتعين الأضحية بالنية؟ قال الحنفية: إن كان فقيراً و قد اشتراها بنية الأضحية، تعينت فليس له بيعها و ان كان غنيا لم تتعين، وصحح ابن نجيم فى الأشباه أنها تتعين مطلقاً۔ والصحيح لدى غيره أنها لا تتعين مطلقاً۔ (الفقه الاسلامى وادلته ج: ۱ ص: ۲۲۶۔ دار الفكر المعاصر)۔

لأن الوجوب على الغنى بالشرع ابتداءً لا بالشراء فلم تتعين به وعلى الفقير بشرائه بنية الأضحية فتعينت۔ (فتح القدير ج: ۹ ص: ۵۱۶) دار الفكر۔ لأن بنفس الشراء لا تتعين الأضحية قبل أن يوجبها۔ (المبسوط للسرخسى ج: ۱۲ ص: ۱۳)۔ بيروت۔

مستفاد من: فتاویٰ محمودیہ ج: ۱۴ ص: ۳۴۲۔

غضب کردہ چھوڑی سے ذبح کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص غضب کردہ چھوڑی سے گائے ذبح کرے، تو اس مذبوحہ گائے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

غیر کی مملوکہ چیز میں مالک کی اجازت کے بغیر استعمال اور اس میں دیگر تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ صورت مسئولہ میں جبکہ اس نے غضب شدہ چھوڑی سے گائے ذبح کر دی۔ تو اس سے مذبوحہ گائے میں تو کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ذبیحہ شرعاً درست ہے۔ البتہ اس کا یہ فعل قابل مذمت ہے۔ اور دوسرے کا چاقو بلا اجازت استعمال کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔(۱)

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن أبی حرة الرقاشی عن النبی۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ أنه قال لا يحل مال إمرئ مسلم إلا عن طيب نفسه۔ (سنن الدار قطنی ج:۳ص: ۲۲۔ دار الإیمان)۔ شعب الإیمان للبیهقی ج:۴ ص:۳۸۷۔ دار الکتب العلمیة بیروت)۔

(۲) لا يجوز لأحد أن يتصرف فی ملک الغير بغير إذنه۔ (القواعد الفقهية ص: ۱۱۰۔ رقم القاعدة ص: ۲۶۹۔ دار الکتاب)۔

(۳) یکون مؤدیاً للفرض وإن أثم کالصلوٰۃ فی الأرض المغصوبة۔ (شامی ج: ۱ ص: ۵۱۵۔ مطلب فی الکلام علی التشبيه فی: کما صليت علی إبراهيم من کتاب الصلوٰہ۔ کراچی)۔

(۴) مستفاد من: وفی شرح منية المصلی: من بنی مسجداً فی أرض غصب، لا بأس بالصلوٰۃ فیه۔ (شامی ج: ۱ ص: ۳۸۱۔ مطلب فی الصلوٰہ فی الأرض المغصوبة۔ من کتاب الصلوٰۃ۔ کراچی)۔

عقیقہ کے گوشت گھر کے لوگ کھا سکتے ہیں

سوال: عقیقہ کے گوشت گھر کے لوگ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ براہ کرم جواب سے نوازیں

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

عقیقہ کا گوشت گھر کے لوگ بھی کھا سکتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔ امیر غریب سب کو دے سکتے ہیں۔ (۱)

الدليل على ما قلنا:

(۱) وأنه يستحب أن يأكل منها، والإطعام، والتصدق کما فی الأضحية۔ (إعلاء السنن ج:۷ ا ص: ۱۱۷۔ کراچی)۔

فما اشتهر على ألسنة العوام أن أصول الميت لا يأكلون منها، لا أصل له۔ (المصدر السابق ج:۷ ص: ۱۷۱۔ کراچی)۔

والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقاربه وأصدقائه۔ (شامی ج:٦ ص:۳۲۸۔ کراچی)۔

کتاب المساجد

مسجد کے لئے سفیر رکھنے کا حکم

سوال: (۱) مسجد کے لئے سفیر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جائز ہے تو کیا تعمیر مسجد کے نام سے چندہ کئے ہوئے پیسہ سے اس سفیر کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مسجد کی کمیٹی کے ذمہ داران مسجد کے چندہ کے لئے نکلتے ہیں اور تعمیر مسجد۔ کے نام سے چندہ کرتے ہیں اور کرایہ کا خرچ ادا کرتے ہیں۔ یہ تینوں باتیں جائز ہے یا نہیں؟ مدلل جواب دیکر ممنون و مشکور رہوں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اللہ تعالیٰ کا گھر مسجد کے لئے چندہ کرنا بہت ہی مبارک کام ہے کسی مصلی کو چاہئے کہ بلا اجرت اسے انجام دے۔ اور اگر یہ کام کوئی مصلی انجام نہ دے سکے تو متعینہ اجرت پر سفیر رکھنے کی گنجائش ہے۔

(۲) تعمیر مسجد کے نام سے جو پیسہ آتا ہے اسے تعمیر کے کام ہی میں لگایا جائے۔ اور مصالح مسجد کے نام پر جو پیسہ آتا ہے اس سے ان کی تنخواہ کا انتظام کیا جائے۔ تاہم اگر اس فنڈ میں پیسہ نہ ہو۔ تو عمارتی فنڈ سے قرض لے کر ان کی تنخواہ دی جائے۔ اور بعد میں اس قرض کو ادا کردے۔

(۳) متولی مسجد کو چاہئے کہ وہ ذمہ داران کے ساتھ مشورہ کر کے کوئی شرعی نظم بنائے، جیسے جو مسجد کے لئے چندہ کرے گا، ان کو بطور تنخواہ اتنی رقم دی جائے گی، اس کے علاوہ دوران سفر کھانے پینے اور گاڑی کا کرایہ کی رقم بھی دی جائے گی، یا تنخواہ میں کچھ رقم کا اضافہ کر دیا جائے، اور دوران سفر کا خرچہ سفیر اپنی طرف سے کرے۔ البتہ اس کی گنجائش ہے کہ اگر دوران

سفر وہ رقم ختم ہوجائے تو بطور وکیل بقدر ضرورت لیکر کام چلالے۔

الدليل على ماقلنا:

(۱) رجل أعطى درهماً فى عمارة المسجد، أو نفقة المسجد۔ أو مصالح المسجد صح۔ (الفتاویٰ الهندية ج:۲ ص:۴۶۰۔ الفصل الثانى فى الوقف على المسجد وتصرف القيم۔ رشيدية۔

(۲) لو شرط الواقف تقديم العمارة ثم الفاضل للفقراء أو للمستحقين، لزم الناظر إمساك قدر العمارة كل سنة، وإن لم يحتجه الأن لجواز أن يحدث حدث۔ (الدر المختار مع الشامى ج:۴ ص: ۳۷۱۔ كراچى)۔

(۳) ويدخل فى وقف المصالح قيم، امام، خطيب، والمؤذن يعبر الشعائر التى تقدم شرط، أم لم يشترط، بعد العمارة هى إمام و خطيب، ومدرس، وقاد، و فراش، ومؤذن، وناظر۔۔۔۔ وشاد، وجاب، وتحته فى الشامية: قوله: ساد۔ هو الملازم للمسجد مثلاً لتفقد حاله من تنظيف ونحوه۔ (شامى ج:۴ ص: ۳۷۱۔ كراچى)۔

(۴) قال الشرنبلالى فى رسالته: ذكروا أنه يجب عليه ان يجعل لكل نوع منها بيتاً يخصه، ولا يختلط بعضه ببعض۔ وأنه إذا احتاج إلى مصرف خزانة، وليس فيها مايفى به۔ يستقرض من خزانة غيرها، ثم إذا حصلى للتى استفرض لها المال يرد إلى المستقرض منها۔ (شامى ج:۲ ص:۳۳۷۔ باب العشر، مطلب فى بيان بيوت المال، ومصارفها۔ كراچى)۔

(۵) وسائر التصرفات لمن يتولى۔ (الدر المختار مع الشامى ج:۴ ص:۳۸۸)۔ مطلب يجوز مخالفة شرط الواقف فى مسائل كراچى)۔

وقف کی زمین تبادلہ کرنا کب جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی ایک شخص نے مسجد بنوانے کے لئے ایک زمین وقف کیا کسی ایک ہندو کے آشرم کے پاس تو اس حالت میں ہم اس جگہ کو دوسری جگہ سے بدل کر وہاں مسجد بنا سکتے ہیں؟ برائے کرم شریعت کے صحیح موقف سے ہمیں آگاہ فرمائیں ممنون ہوگا؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

کسی زمین کا جب وقف کیا جاتا ہے، تو اس سے ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ بحیثیت مالک کسی کے لئے اس میں کسی قسم کا تصرف درست نہیں ہے، ہندوں کے آشرم کے پاس ہونا یہ کوئی ایسا سبب نہیں ہے کہ اس میں تبادلہ یا بیع کی شکل اختیار کر کے دوسری زمین پر مسجد بنائی جائے۔ البتہ اگر ہندوؤں کے شر وضرر یا کسی فتنہ کا اندیشہ ہو، تو متولی کے لئے تبادلہ اور بیع کا حق حاصل ہوگا۔ اور اگر اس کے پاس ہونے میں کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔ تو وہاں پر ہی مسجد بنائی جائے۔ تاکہ واقف کا منشا پورا ہو سکے اور ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اعمال حسنہ سے غیر مسلم بھی متأثر ہوں۔ الاسلام یعلو۔ ولا یعلیٰ علیہ۔

الدلیل علی ما قلنا:

فإذا ثم ولزم۔ لا یملک ولا یملک، ولا یعار ولا یرهن۔ (الدر المختار مع الشامي ج:۴ ص:۴۹۵۔ کراچی)۔

مجمع الأنهر ج:۲ ص:۵۷۱۔ فقیه الأمة دیوبند۔

درر الحکام شرح غور الأحکام ج:۲ ص:۱۳۵۔

(۲) شرط الواقف کنص الشارع، فیجب اتباعه۔ (شامی ج:۴ ص:۴۹۵۔ کراچی)۔

(۳) ولکنه یقبل البیع بعد لزومه، إما بشرط الاستبدال علی المفتی به من قول

أبی یوسف، أو ورود غصب علیه لا یمکن انتزاعه عنه۔ (شامی ج:۵ ص:۵۷۔ کتاب البیوع کراچی۔

گھر میں رہ کر مسجد کے امام کا اقتداء کرنا

سوال: ایک مسجد کے بازو میں گھر ہے۔ وہاں پر عورتیں تراویح کی نماز پڑھنا چاہتی ہیں۔ لاؤڈ سپیکر وہاں پر رکھ دیا جائے گا۔ یعنی مسجد کا امام ہی ان عورتوں کا امام ہوگا۔ بس عورتیں گھر میں ہوگی اس صورت میں کیا نماز درست ہوگی؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صحت اقتداء کے لئے امام کی حالت مقتدیوں پر مشتبہ نہیں ہونی چاہئے۔ اور ان دونوں کا مکان حقیقۃ یا حکماً ایک ہونا چاہئے۔ صورت مسئولہ میں اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور گھر و مسجد کی چھت متصل ہو۔ تو اس طرح نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، اور اگر گھر کی چھت مسجد کے ساتھ متصل نہ ہو بلکہ بیچ میں ایسے راستے کا فاصلہ ہو جس پر بیل گاڑی، یا موجودہ زمانہ کی ٹیکسیاں گذر سکیں، تو اقتداء درست نہیں ہوگی۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویشترط أن لا یفصل بینهما۔ حائط۔ کبیر: یشتبه معه العلم بافتقالات الإمام فإن لم یشتبه العلم بانتقالات الامام لسماع أو رؤیة۔ لم یکن الوصول إلیه صح الاقتداء به فی الصحیح۔ وهو اختیار شمس الأئمة الحلوانی لما روی أن النبی صلی الله علیه وسلم۔ کان یصلی فی حجرة عائشة رضی الله عنها و الناس فی المسجد یصلون بصلاته وعلی هذا الاقتداء فی الأماکن المتصلة بالمسجد الحرام وأبوابها من خارجه صحیح إذا لم یشتبه حال الإمام علیهم بسماع أو رؤیة ولم یتخلل إلا الجدار کما ذکره شمس الأئمة فیمن صلی علی سطح بینه المتصل بالمسجد أو فی منزله بجنب المسجد وبینه وبین المسجد حائط

مقتديا بإمام فی المسجد وهو يسمع التكبير من الإمام أو من المكبر تجوز صلاته كذا فی الجنيس و المزيد۔

(مراقی الفلاح علی نور الإيضاح مع حاشية الطحطاوی ص:۲۹۲۔ دار الکتاب)۔

(النهر الفائق ج: ا ص:۲۵۳)۔زکریا۔

(منحة الخالق علی البحر الرائق ج: ا ص:۲۸۴۔باب الإمامة سعید)۔

أما فی البيت مع المسجد لم يتخلل إلا الحائط و لم يختلف المكان و عند اتحاد المكان يصح الاقتداء إلا إذا شتبه عليه الإمام۔ (الشامی مع الدر ج: ا ص:۵۸۷۔کراچی)۔

درر الحكام شرح غرر الأحكام ج: ا ص:۹۲۔قدیم۔

أما لو اقتدى رجل فی داره بإمام المسجد، و كانت داره منفصلة عن المسجد بطريق و نحوه۔ فلا يصح الاقتداء لاختلاف المكان۔ (الفقه الإسلامی و أدلته ج:۲ ص:۱۲۳۹)دار الفكر المعاصر۔

کتاب الإجارۃ

ڈاکٹر کے لئے مریض سے کمیشن لینے کا حکم

سوال: ڈاکٹر مریض کو خون کا جانچ لکھتا ہے ایکسرے لکھتا ہے اور جانچ لیب والے سے مریض بھیجنے کا کمیشن متعین ہوتا ہے تو کیا یہ بھی جائز ہے؟

ایک ڈاکٹر اپنی کلینک پے مریض دیکھتا ہے لیکن جب ڈاکٹر اس مریض کے علاج سے عاجز ہوتا ہے تب وہ ڈاکٹر اپنے سے بڑے ڈاکٹر کے پاس ریفر کر دیتا ہے اور مریض بھیجنے کے بدلے میں کمیشن لیتا ہے کیا یہ درست ہے اور دلالی کے زمر میں آتا ہے مدلل جواب عنایت فرمائے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں جو کمیشن لیا جاتا ہے وہ جائز نہیں ہے، دونوں صورت کا حکم ایک یہی ہے۔

ہاں اگر وہ خود مریض کے ساتھ جائے یا اس کا نمائندہ کو ان مریض کے ساتھ بھیجے تو ایسی صورت میں اجرت کے اعتبار سے کمیشن لے سکتا ہے بشرطیکہ وہ اجرت مثل سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ومن دلنی علی کذا فلہ کذا فھو باطل ولا أجر من دلہ وتحتہ فی الشامیۃ بأن قال دلنی فالاجارۃ باطلۃ لأن الدلالۃ والإشارۃ لیست بعمل یستحق بہ الأجر وإن قال علی سبیل الخصوص بأن قال لرجل بعینہ إن دلتنی علی کذا فلک کذا إن مشی لہ مثلہ فلہ أجر المثل للمشی لأجلہ لأن ذلک عقد مستحق بعقد الاجارۃ إلا أنہ بخیر بقدر فیجب أجر المثل۔ (شامی ج:۵ ص:۹۔ کراچی)۔

(٢) فی إجارة الولو الجیة من دلنی علیه فله کذا فالاجارة باطلة لأن المسأجر له لیس معلوماً ولدلالة والإشارة لیس بعمل۔ (منحة الخالق علی البحر الرائق ج:۵ ص: ۱۵۴ ۔سعید)۔

کتاب الھبة

زندگی میں اپنی جائداد کی تقسیم

سوال: ہماری پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں، ہماری ایک دوکان اور ایک مکان ہے لڑکے دونوں مل کر کاروبار کرتے ہے، ہماری بیوی کے پاس زیورات بھی ہیں، اور کچھ نقد روپیہ بھی ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ابھی مال کیسے تقسیم کرنا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے مال سے اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اس کو شرعاً ہبہ کہا جاتا ہے نہ کہ ترکہ، اور ہبہ میں کم بیش کرنا جائز ہے۔

لیکن صورت مسئولہ میں اگر باپ اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتا ہے تو لڑک لڑکی کو برابر دینا ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) رجل له ابن وابنة أراد أن يهب لهما شيئًا ويفضل أحدهما على الآخر فى الهبة أجمعوا على أنه لا بأس بتفضيل بعض الأولاد على البعض إذا لم يقصد به الاضرار وإن قصد به الاضرار سوى بينهم يعطى الإبنة ما يعطى الإبن۔ (قاضى خان على هامش الهندية ج:۳ ص: ۲۷۹ ـ زكريا)۔

(۲) ويعطى الإبنة مثل ما يعطى الإبن وعليه الفتوىٰ۔ (الفتاوىٰ الهندية ج:۴ ص: ۳۹۱ ـ رشيدية)۔

(۳) وكذا فى الشامى ج:۵ ص: ۶۹۶ ـ كراچى۔

کتاب الدیة

کسی کے مارنے کی وجہ سے عورت کے پیٹ کا بچہ ضائع ہو گیا ہے اس پر کیا لازم ہو گا

سوال: ایک شخص نے ایک عورت کے پیٹ پر مارا اس کے مارنے کی وجہ سے اس عورت کے پیٹ کا بچہ ضائع ہو گیا۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اس شخص کے مارنے کی وجہ سے عورت کے پیٹ میں جو بچہ ضائع ہوا ہے۔ اگر اس کے اعضاء کے تخلیق ہو چکی ہو۔ خواہ بعض ہی اجزا کیوں نہ بنے ہوں۔ تو اس صورت میں اس شخص پر ایک غرہ یعنی دیت کا بیسواں حصہ لازم ہو گا۔ جس کی مقدار ۵۰۰ درہم ہے۔ اور ایک درہم کی مقدار 3.0618 تین تولہ چھ سو اٹھارہ گرام چاندی ہے۔ خواہ چاندی دے یا اس کے بقدر اس کی قیمت ادا کرے ملاحظہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کے اعضاء کی تخلیق میں نطفہ ٹھہرنے کے دن سے ایک سو بیس ۱۲۰ دن کا وقت لگتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن ابن شهاب، عن ابن المسيب، وأبی سلمة بن عبد الرحمن، أن أبا هريرة، قال: اقتتلت امرأتان من هذيد، فرمت إحداهما الأخرى بحجر، فقتلتها وما فی بطنها۔ فاختصموا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ أن دية جنينها غرة عبد أو وليدة، وقضى بدية المرأة على عاقلتها۔ وورّثها ولدها ومن معهم، فقال حمل بن النابغة الهذلي۔ يا رسول الله۔ كيف أغرم من لا شرب ولا أكل ولا نطق ولا استهل، فمثل ذلک يطل، فقال رسول الله صلى

الله عليه وسلم۔ إنما هذا من إخوان الكهان، من أجل سجعه الذى سجع۔
(الصحيح لمسلم: باب دية الجنين ووجوب الدية فى قتل الخطأ وشبه العمد على عاقلة الجانى۔رقم الحديث: ۱۶۸۱۔
سنن أبى داؤد: باب دية الجنين۔رقم الحديث: ۴۵۷۶۔
سنن النسائى: باب دية جنين المرأة رقم الحديث: ۴۸۱۸۔
قال: وإذا ضرب بطن امرأة فألقت جنيناً ميتا ففيه غرة وهى نصف عشر الدية۔
هداية ج: ۴ ص: ۵۸۲۔دار الكتاب ديوبند۔
الدر المختار مع الشامى ج: ۶ ص: ۵۸۸۔ كتاب الجنايات، كراچى۔
مجمع الأنهر ج: ۲ ص: ۶۴۹۔باب فى دية الجنين دار إحياء التراث العربى۔
النهر الفائق ج: ۱ ص: ۳۹۷۔باب الجنائز۔زكريا۔
تحفة الفقهاء ج: ۳ ص: ۱۱۸۔بيروت۔
والمراد بنصف عشر الدية دية الرجل۔ ولو كان الجنين ذكراً وفى الأنثى عشر دية المرأة وكل منهما خمسمأئة درهم ولهذا لم يبين فى المختصر أنه ذكر أو أنثى لأن دية المرأة نصف دية الرجل فالعشر من ديتها قدر نصف العشر من دية الرجل۔ (تبيين الحقائق ج: ۶ ص: ۱۳۹)۔بيروت۔
(۲) ولم يخلق له عضو، وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين يوماً۔
شامى ج: ۱ ص: ۳۰۲۔باب الحيض والنفاس۔ كراچى۔
منحه الخالق على البحر الرائق ج: ۱ ص: ۳۰۲۔ باب الحيص والنفاس۔ كراچى
النهر الفائق ج: ۱ ص: ۲۳۰۔دار الكتاب الاسلامى۔
شامى ج: ۶ ص: ۴۲۹۔باب الاستبراء، من كتاب الحظر والإباحة ۲، كراچى۔

جان کے بدلے جو پیسہ ملتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں زید نے خالد کو تین لاکھ روپیہ قرض دیا خالد کو قرض لئے ہوئے تین سال گذر گیا پھر بھی خالد نے زید کا قرضہ ادا نہیں کر پایا ایک دن اچانک خالد کے لڑکے کا سڑک حادثہ میں ایکسیڈینٹ ہو گیا۔ خالد کے لڑکے زخم کی تاب نہ لا سکے اس کی موت ہو گی آگے یہ ہوا جس گاڑی والے نے ٹکر ماری تھی اس نے خالد کے لڑکے کو تین لاکھ معاوضہ کے طور پر دیا۔ اب خالد اسی روپیہ سے زید کا قرضہ ادا کرنا چاہتا ہے۔ مفتیان کرام سے درخواست ہے کہ یہ روپیہ زید کو لینا حلال ہے یا حلال نہیں ہے۔ برائے مہربانی مسئلہ بتا کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائے عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں خالد کو ملی ہوئی رقم مال دیت ہے اور مال دیت میں مقتول کے تمام ورثاء کا حق ہوتا ہے اگر خالد مقتول کے تمام ورثاء کی رضامندی اور اجازت سے ادا کر دے تو زید کے لئے مذکورہ رقم کا لینا درست ہے۔ اور اگر خالد نے باقی ورثاء کی رضامندی کے بغیر ادا کر دے اور زید کو بھی معلوم ہے تو زید کے لئے مذکورہ رقم کا لینا درست نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا

کان علی رضی اللہ عنہ یقسم الدیة علی من أحرز المیراث۔ (العنایة مع الفتح ج: ۹ ص: ۱۷۶۔ دار الفکر)۔

ولأنہ أی القصاص والدیة حق یجری فیہ الإرث۔ (ہدایة ج: ۳ ص: ۵۷۲۔ تھانوی دیوبند)۔

الدیة موروثة بینہم والدلیل علی أن الدیة أنہ مال للمیت تقضی فیہ دیونہ وتنفذ منہ وصاماہ کسائراً أموالہ۔ (حاشیة الزیلعی علی تبیین الحقائق ج: ۶ ص: ۱۱۴۔ امدادیہ)۔

والدية حكمها حكم سائر الأموال لهذا لو أوصى ثلث ماله تدخل الدية فيه۔ (البحر الرائق ج:۸ ص:۳۱۰۔سعید کراچی)۔۔

ويصلح أحدهم۔ ولمن بقي حصته من الدية۔ (الشامی ج:٦ ص:٥٥٦۔ کراچی)

ولأنه بدل نفسه فيرثته ولا يرثه الضارب۔ (الهداية مع فتح القدير ج:۹ ص:۲۳۷۔دارالفکر)۔

عن أبی حرة الرقاشی رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم لا یحل مال امرئ مسلم إلا عن طيب نفسه۔ (سنن الدار قطنی ج:۳ ص:۲۲۔ رقم الحديث: ۲۸۶۳۔دارالإیمان)۔

فإن كان عرفها للأَوَّل لم يشترها حتى يعلم انتقالها إلى ملک الثانی۔ (شامی ج:٦ ص:۴۲۰۔ کراچی کتاب الحظر انتقالها إلی ملک الثانی۔ (شامی ج:٦ ص:۴۲۰۔ کراچی کتاب الحظر والاباحة۔فصل فی البیع)۔

ولأنه لا يقبل الله المال الحرام لأنه غير مملوکٍ للمتدصدق وهو ممنوع من التصرف فيه والتصدق به۔ (عمدة القاری)۔

کتاب الأشتات

سد الذرائع کا معنی کیا ہے؟

سوال: سد ذریعہ کی لغوی وشرعی حقیقت کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

سد: کا لغوی معنی ہے بند کرنا، اور ذریعہ: کا معنی ہے وسیلہ دونوں کا ایک ساتھ معنی ہوا کچھ وسائل کو بند کرنا۔ اس سے مراد وہ وسائل ہیں جو کسی امر قبیح تک پہچانے والے ہوں اس کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں اصولین حضرات کی مختلف عبادتیں ملتی ہیں۔ سب کا خلاصہ یہی ہے کہ ایسے ذرائع جو فی نفسہ تو جائز ہوں لیکن ممنوع چیز کا ذریعہ بننے کی وجہ سے حرام ہوں، اس لئے سد الذرائع مقصود نہیں بلکہ جس کی طرف پہنچنے کا ذریعہ بنتا ہے وہ مقصود ہے۔ چنانچہ ابن القیم الجوزی فرماتے ہیں کہ ذریعہ ایسا فعل ہے جو فی نفسہ تو مباح ہوتا ہے لیکن وہ کسی حرام کی طرف پہچانے کا داعی بنتا ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں ذریعہ ایسی چیز ہے جو فی نفسہ ممنوع نہیں لیکن اس کے ارتکاب کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

سد ذریعہ کی شرعی حقیقت

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ فقہ اسلامی کے مصادر قرآن، سنت، اجماع، قیاس ہے، اور اس کے ساتھ استحسان، اجتہاد، مصالح مرسلہ اور سد ذرائع بھی اس کی اجزاء میں سے ہیں۔

چاروں مذاہب کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو سد ذرائع سے بھی مستنبط ہیں، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں سد ذرائع کی بہت سی مثالیں ہیں ہم صرف ایسی مثالوں کو ذکر کرینگے جو متفق علیہ ہیں۔

علامہ قرافی اپنی کتاب تنقیح الاصول میں لکھتے ہیں کہ تلاش بسیار کے بعد یہ ملتا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے دلائل ۱۹ ہیں، کتاب، سنت، اجماع، اجماع أہل المدینہ، قول الصحابی، المصلحہ المرسلہ، القیاس، الاستصحاب، البداءہ الاصلیہ، العوائد، استقراء، سد الذرائع، الاستدلال، الاستحسان۔

اور کچھ حضرات فقہاء اس کو قواعد فقہیہ میں شمار کرتے ہیں، اور کچھ حضرات اس کو کبھی مبدا کہتے ہیں، اور کبھی أصل قرار دیتے ہیں اور کبھی قاعدہ کہتے ہیں۔

چنانچہ علامہ شاطبی نے اس کو مصادر فقہ میں شمار کیا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام ائمہ حضرات سد الذرائع کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن تسلیم کا طریقہ الگ الگ ہے۔

چنانچہ علامہ قرافی نے اپنی کتاب الفروق میں ذکر کیا ہے کہ جس طرح شریعت کے کچھ ذرائع کو کھولنا چاہئے ایسی طرح کچھ ذرائع کو بند کرنا بھی چاہئے، کیونکہ حرام کا ذریعہ حرام ہوتا ہے، مباح کا ذریعہ مباح ہوتا ہے، اور واجب کا ذریعہ واجب ہوتا ہے، جیسا کہ جمعہ اور حج کے لئے سعی کرنا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) السد فی اللغة: اغلاق الخلل، والذریعة: الوسیلة إلی الشئی۔

وفی الاصطلاح: هی الأشیاء التی ظاهرها الجواز والإباحة وتبوصل بها إلی فعل محظور۔ (الموسوعة الفقهیة ج:۲۵ ص:۲۷۶)۔

(۲) ویقول الإمام القرطبی: الذریعة هی أمر ممنوع فی نفسه یخاف من ارتکابه الوقوع فی ممنوع۔ (الجامع لاحکام القرآن ج:۱ ص:۴۰)۔

(۳) ویقول الشاطبی: حقیقة الذرائع التوصل بما هو مصلحة إلی منسدة۔ (الموافقات ج:۵ ص:۱۸۳)۔

(۴) ویقول ابن القیم: فی أعلام الموقعین: الذریعة الفعل الذی ظاهره مباح وهو وسیلة إلی فعل محدم۔ (أعلام الموقعین ج:۲ ص:۱۰۸)۔

(۵) ویقول القرافی: اعلم أن الذریعة کما یجب سدها یجب فتحها ونکره

وتندب وتباح فإن الذريعة هي الوسيلة كما أن وسيلة الحرام حرام فوسيلة الواجب واجب۔ (الفروق للقرافي ج: ۲ ص: ۳۲)۔

(٦) وكذا في تنقيح الأصول ج: ١ ص: ١٩٨۔

(٧) وكذا في فتاویٰ ابن تیمیة ج: ۳ ص: ١٤٠۔

(٨) وكذا في قاعدة سد الذرائع ص: ١

ذریعہ اور سبب کے درمیان کا فرق

سوال: ذریعہ اور سبب میں کیا فرق ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ذریعۃ: کا لغوی معنی ہے وسیلہ اور اس کو کبھی سبب کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے ''فلاں ذریعی إلیک بمعنی سببی''۔

سبب: کا لغوی معنی ہے طریقہ، راستہ، اور اصطلاح میں سبب کہا جاتا ہے ''ما یتوصل بہ إلی غیرہ'' کو جو دوسری چیز کی طرف پہونچنے کا واسطہ بنتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے ''جعلت فلاناً إلی سبباً إلی فلاں أی وسیلۃ و ذریعۃ''۔ علماء محققین دونوں کے درمیان فرق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''أصل السبب یدل علی الطول والامتداد'' یعنی سبب اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز طول و امتداد پر دلالت کرے۔

اور یہ بات مخفی نہیں کہ طول و امتداد اس کو کہتے ہیں جو شئی کے ساتھ قائم ہو۔ اور ذریعہ اس کو کہتے ہیں۔ ''وہو أصل یدل علی الامتداد والتحرک إلی أمام وکل ماینزع عن ہذا الأصل یرجع إلیہ''۔

الدليل على ما قلنا:

(١) الذريعة هو أصل يدل على الامتداد والتحرك إلى أمام وكل ما تنزع عن هذا الأصل يرجع إليه۔ (سد الذرائع للبرهاني ج: ١ ص: ٥٢)۔

(۲) أصل السبب فی اللغة یدل علی الطول و الامتداد وهو قریب جداً من التحرک و الامتداد ولعل الفرق الأول وصف قائم بالشئی و الثانی فعل الامتداد و التحرک۔ (المصدر السانق ج: ۱ ص: ۵۳)۔

(۳) السبب هو الوصف الظاهر المنضط الذی دل علیه الدلیل السمعی علی کونه معرفاًلحکم شرعی۔ (دار الاحکام شرح مجلة الأحکام ج: ۱ ص: ۸۶)۔

(۴) و کذافی المصدر السابق ج: ۱ ص: ۵۵۔

سد ذرائع کی حجیت کے سلسلے میں ائمہ کے اختلاف

سوال: سد ذرائع کی حجیت کے بارے میں حضرات ائمہ کی آراء اور دلائل کیا ہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں ائمہ اربعہ سد الذرائع کو مانتے ہیں، اکثر اہل علم اور محققین اس سے مسائل اخذ کرتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں، البتہ حضرات مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں اس میں بہت وسعت ہے جو حضرات شافعیہ اور حنفیہ کے یہاں نہیں ہے، لیکن ابن حزم اور اہل ظواہر اس پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

دلائل القائلین

(۱) قوله تعالیٰ: لاتسبوا الذین یدعون من دون الله۔۔۔۔ الأخ۔

(۲) وقوله تعالیٰ: ولاتقرباهذه الشجرة۔۔۔۔ الأخ۔

(۳) وقوله تعالیٰ: ولاتقربوا الزنا۔۔۔۔ الأخ۔

(۴) قوله علیه السلام: لایجمع بین امرأة وعمتها۔

(۱) ذهب أبو حنیفة ومالک و الشافعی و أحمد وجمع من المحققین من أهل العلم لاحصر لهم إلی اعتبار قاعدة سد الذرائع و أعمالها و الأخذ بها۔

إلا أن المالكية و الحنابلة مؤسعوا في الأخذ أكثر من الحنفية و الشافعية مع العلم أن لكل مذهب تطبيقات فقهية على هذه القاعدة۔

مذهب ابن حزم و أهل الظواهر فقد انكروا العمل سد الذرائع جرباً على فرهبهم من الأخذ بظاهر النص۔ (الموفقات للشاطبی ج:۵ ص:۱۸۸)۔

(۲) قوله تعالیٰ: ولا تسبوا لذين يدعون من دون الله۔۔۔ الأخ۔ (الموسوعة الفقهية ج:۲۵ ص:۲۷۶)۔

(۳) و كذافي التفسير للقرطبی ج:۱ ص:۵۷۔

(۴) و كذافي فتاویٰ ابن تيمية ج:۳ ص:۱۴۰۔

(۵) و كذافي الموافقات للشاطبی ج:۵ ص:۱۸۶۔

(۶) و كذافي سد الذرائع للبرهانی ج:۱ ص:۶۵۳۔

(۷) و كذافي الفروق للقرافی ج:۲ ص:۳۲۔

(۸) و كذافي البحر المحيط ج:۶ ص:۸۲۔

سد ذرائع کے مختلف ذرائع

سوال: اہل اصول وفقہاء نے ذرائع کے جو مختلف درجات مقرر کئے ہیں اس کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اصولیین حضرات ذرائع کو دو معنی میں لیتے ہیں ایک معنی عام، اور ایک خاص۔

اگر ذریعہ خاص معنی میں ہو تو اس کی چار قسمیں ہوتی ہے۔

(۱) ایسا ذریعہ جو کسی مصلحت کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ بھی جائز ہو۔

(۲) ایسا ذریعہ جو کسی فساد کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ بھی ناجائز ہو۔

(۳) ایسا ذریعہ جو کسی مصلحت کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ ناجائز ہو۔
(۴) ایسا ذریعہ جو کسی فساد کی طرف لے جانے والا ہو اور وہ ذریعہ جائز ہو۔
اور اگر ذریعہ عام معنی میں ہو تو اس کی بھی چار قسمیں ہیں۔
(۱) ایسا جائز وسیلہ دوسرے کسی جائز وسیلہ تک پہچانے والا ہو۔
(۲) ایسا ناجائز وسیلہ جو کسی ناجائز وسیلہ تک پہچانے والا ہو۔
(۳) ایسا ناجائز وسیلہ جو کسی جائز وسیلہ تک پہچانے والا ہو۔
(۴) ایسا جائز وسیلہ جو کسی ناجائز وسیلہ تک پہچانے والا ہو۔
ذرائع کے اقسام کا حکم بدلتا ہے ارکان ثلاثہ کے بدلنے سے اور ارکان ثلاثہ یہ ہیں الوسیلۃ المتوسل إلیہ۔ الافضاء۔
قواعد المقری میں مذکور ہے کہ ذریعہ کے درجات تین ہیں اور یہ حرام کے اعتبار سے یعنی جو حرام کا سبب ملتا ہے۔
(۱) ایسا ذریعہ جو حرام سے بہت دور ہو اور یہ بالاتفاق حرام نہیں ہے۔
(۲) قریب ذریعہ جس میں کوئی معارض نہ ہو وہ بالاتفاق حرام ہے۔
(۳) ایسا ذریعہ جو نہ حرام کے قریب ہو اور نہ حرام سے دور ہو، اور اس میں علماء کا اختلاف ہے۔
خلاصہ یہ ہے اگر صاحب المقری اتفاق اور اختلاف کی علت قرب اور بعد کو قرار دیتے ہیں۔
اور صاحب احکام الفصول نے درجات چار قسمیں بیان کی ہیں۔
(۱) ایسا ذریعہ یقین کے ساتھ حرام تک پہونچا ہے۔
(۲) ایسا ذریعہ جو غالباً حرام تک پہونچا۔
(۳) ایسا ذریعہ جو حرام اور حلال تک پہونچانے میں برابر ہو۔
(۴) ایسا ذریعہ جو حرام تک بہت کم پہونچتا ہو۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) الذريعة بمعنى الخاص لها أقام الذريعة المفقية إلى المصلحة وهى مصلحة۔ الذريعة المفضية إلى المفسدة وهى مفسدسة۔ الذريعة المفضية إلى المصلحة وهى مفسدة الذريعة المفضية إلى المفضية اتى المفسدة وهى مصلحة۔ (سد الذرائع فى التفسير الاسلامى ج: ۱ ص: ۱۸۸)۔

(۲) الذريعة بمعنى العام لها أقسام الوسيلة الجائزة المؤدية إلى الجائز۔ والوسيلة المظورة المؤدية إلى محظور۔ الوسيلة المحظورة المؤدبة إلى الجائز۔ الوسيلة الجائزة المؤدبة إلى محظور۔ (المصدر السابق ج: ۱ ص: ۱۹۵)۔

(۳) ذريعة توصل إلى الحرام قطعاً و ذريعة توصل إلى الحرام غالباً ذريعة توصل إلى الحرام كثيراً أو تسوى حالات إفصائها إلى الحرام وعدمه ووسيلة توصل إلى الحرام نادراً۔ (أحكام الفصول ج: ۱ ص: ۷۶۵)۔

(۴) وكذا فى قواعد المقدى ج: ۷ ص: ۱۰۷۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک سد الذرائع کی حجیت

سوال: اگر ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے یہاں سد ذریعہ حجت ہے تو ہر امام کے نزدیک سد ذریعہ کی کچھ مثالیں لکھیں؟

الجواب: حامداً و مصلياً: واللّٰه الموفق بالصواب

ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے یہاں سد ذریعہ حجت ہے لیکن حجت ماننے کا طریقہ الگ الگ ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی یہ عرض کیا جا چکا ہے۔ یہاں ہر مذہب کی ایسی مثالیں پیش کی جارہی ہیں جو سد ذریعہ سے مستنبط ہیں۔

من أمثال الحنفية

بدائع الصنائع میں مذکور ہے کہ کسی چیز کے وسیلہ کا وہی حکم ہوتا ہے جو اس شئی میں ہوتا ہے۔

مثال: جوان عورت کو جماعت میں حاضر ہونے سے منع کیا گیا ہے، چونکہ ان کے نکلنے میں فتنہ اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، اور زنا حرام ہے لہٰذا ان کا نکلنا بھی حرام ہے۔

من أمثال المالكية

امام قرافی اپنی کتاب الفروق میں ذکر کیا ہے کہ سد ذریعہ سے مستنبط ہونے والے مسائل بہت ہیں۔

اس کی مثال: ''بیع الطعام قبل القبض'' ہے۔

من أمثال الشافعية

حضرات امام شافعی کے مذہب کی مثال جیسے کوئی شخص انگور ایسے شخص سے فروخت کرے جو شراب بناتا ہو اور ایسے شخص کو کھجور بیچے جو نبید بناتا ہو۔

من أمثال الحنابلة

امام احمد بن حنبل کی مثال جیسے اخروٹ بچوں کے ہاتھ فروخت کرنا کیونکہ اس سے جو کھیلا جا سکتا ہے اور جو حرام ہے لہٰذا بچوں کے ہاتھ اخروٹ فروخت کرنا بھی حرام ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) أن الوسيلة إلى الشئی حكمها حكم ذلك الشئی۔ (بدائع الصنائع ج:۷ ص:۱۰۶)۔

(۲) لا يباح للشراب فيهن الخروج إلى الجماعات بدليل روى عن عمر للفتنة مما أدى إلى الحرام فهو حرام۔ (بدائع الصنائع ج:۱ ص:۱۵۷)۔

(۳) الأمثلة فی مذهب المالكية كثيرة جداً و فی مقدمتها بيع الأجال كما و منها بيع الطعام قبل قبضه۔ (الفروق للفراقی)۔

(۴) و كذا فی الموافقات ج:۵ ص:۱۸۵۔

(۵) وکذافی المغنی ج:۴ ص:۳۰۷۔

امام قرافی کے نزدیک فتح الذرائع

سوال: امام قرافی مالکی کے نزدیک فتح ذرائع کی تحقیق کا خلاصہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

امام قرافی مالکی اپنی کتاب الفروق میں ذکر کرتے ہیں کہ جس طرح کچھ ذرائع کو بند کرنا ضروری ہے ایسی طرح کچھ ذرائع کو کھولنا بھی ضروری ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ اگر کچھ ذرائع کو کھولا جائے تو جس کے لئے کھولا جائے اس کے اعتبار سے ذریعہ کا حکم بھی بدل جائے گا یعنی اس فعل کا جو حکم ہوگا ذریعہ کا بھی وہی حکم ہوگا۔

لہٰذا اگر کام مباح ہو تو ذریعہ بھی مباح ہوگا، اور اگر کام مکروہ ہو تو ذریعہ بھی مکروہ ہوگا، اور اگر کام حرام ہو تو ذریعہ بھی حرام ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) ویقول القرافی اعلم أن الذریعة کما یجب سدها یجب فتحها وتکره وتندب وتباح فإن الذریعة هی الوسیلة کما أن وسیلة الحرام حرام فوسیلة الواجب واجب۔ (الفروق للقرافی ج:۲ ص:۳۲)۔

(۲) فتح الذرائع یحتمل فی وجوه ثلاثة۔

الأول: أن یدخل التدریج فی حدود المباحات التی یجوز للإنسان فعلها وترکها لکل الوسائل التی یحصل الانسان مصلحة مباحة والحکم هنا ترک التذرع کفعله سواء سیواء۔ (سدالذرائع فی التشریع الاسلامی ج:۱ ص:۲۴۵)۔

(۳) وکذافی الموافقات ج:۵ ص:۸۳۔

دورحاضر میں سد الذرائع کی مثالیں

سوال: دورحاضر میں کن مسائل میں سد ذرائع مؤپر ہے یا سکتا ہے اس کی چند مثالیں پیش کریں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

قدیم متوں فقہ میں یہ بات مذکور ہے کہ بوڑھی عورت کے لئے مغرب اور عشاء کی نماز کی جماعت میں حاضر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن دورحاضر میں بوڑھی عورتوں کے لئے بھی حضور جماعت ممنوع ہے چونکہ ان کے نکلنے میں بھی فتنہ کا اندیشہ ہے لکل ساقطہ لاقطہ لہٰذا سد ذرائع کی بنیاد پر مذکورہ بالا نمازوں کے لئے بھی جانے کی اجازت نہیں۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ويحرم حضور الشابة كل جماعة والعجوز الظهور والعصر لا نافية أي لا بأس للعجوز بالخروج فى المغرب والعشاء والفجر۔ (شرح الوقاية ج: ۱ ص: ۱۵۲)۔

(۲) أما العجوز التي لا تشتهى فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إن أمن الشهوة۔ (الدر المختار ج: ۲ ص: ۱۴۲)۔

(۳) وكذا فى الفتاوىٰ الهندية ج: ۲ ص: ۴۵۹۔

سد ذرائع کا استعمال کرنے کا طریقہ

سوال: سد ذرائع جو ایک فقہی اصل ہے اس کے استعمال کو باقی رکھا جائے یا حالات حاضرہ کے تحت اس کا استعمال موقوف کر دینا چاہئے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

چونکہ فقہ اسلامی کی یہ بھی ایک اساس و بنیاد ہے لہٰذا اس کا ترک تو مناسب نہیں البتہ یہ

شرط ضرور لگا دی جائے کہ انہی فقہاء کو اس کی اجازت ہے جن کو فقہ وفتاویٰ میں مہارت تام اصل ہو اور حالات حاضرہ پر گہری نظر ہو اور اجتہاد وتطبیق مسائل کی صلاحیت رکھتے ہوں عموی استعمال کی اجازت نہ دی جائے۔

مصالح مرسلہ کا مفہوم کیا ہے؟

مصالح ومرسلہ

مصالح: مصلحۃ کی جمع ہے لغوی معنی ہے۔ فائدہ مفاد مصلحت وغیرہ یعنی عدم فساد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

مرسلۃ کا معنی ہے چھوڑا گیا یعنی جس میں کوئی قید نہ ہو دونوں کا ایک ساتھ معنی ہوا ایسی کچھ مصلحتیں جس کو شریعت میں چھوڑ دیا گیا ہو جس پر متعین کوئی نص نہ ہو۔

یعنی مصالح رسلہ ایسے اچھے کام کو کہا جاتا ہے جس کے اعتبار وعدم اعتبار میں کوئی نص وارد نہ ہو۔

اور بعض حضرات اس کو الاستدلال المرسل بھی کہتے ہیں۔

جیسا کہ امام الحرمین اور ابن السمعانی نے اس پر لفظ استدلال کا اطلاق کیا ہے۔

اور امام خوارزمی نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں اس کو الاستصلاح سے تعبیر کیا ہے۔

اصطلاحی معنی: اس کی اصطلاحی تعریف میں اصولین حضرات کی مختلف عبارتیں ملتی ہیں چند تعریفات درج ذیل ہیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) قال القرافی: مالم یشهد لها الشرع بالاعتبار ولا بالالغاء۔ (تنقیح الاصول ص: ۴۴۶)۔

(۲) قال الآمدی: مالم یشهد الشرع له باعتبار ولا إلغاء۔ (الاحکام فی أصول الاحکام ج: ۴ ص: ۱۹۵)۔

(۳) قال الرازی: مالم یشھد لہ بالاعتبار ولا بالإبال نص معین۔ (الحصول فی علم الاصول)۔

مذکورہ تینوں تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ مصالح رسلہ اس حکم کو کہتے ہیں جس کے اعتبار وعدم اعتبار میں شریعت کا کوئی نص نہ ہو۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ مصالح رسلہ درحقیقت باب الاجتہاد میں سے ہے جو قواعد الشریعہ کے موافق ہے اگرچہ اس کی کوئی نص شرعی موجود نہیں ہے۔

قال الشاطبی رحمہ اللہ: المصالح المرسلة من باب الاجتهاد الملائم لقواعد الشريعة وإن لم يشهد لها أصل معين۔ (الموافقات ج:۳ ص: ۱۴)۔

امام غزالیؒ اپنی کتاب "المستصفی" میں فرماتے ہیں کہ مصالح مرسلہ کا مطلب ہے مقاصد شرع کی حفاظت کرنا اور مقاصد شرع پانچ ہیں۔

(۱) حفظ الدین۔ (۲) حفظ المال۔ (۳) حفظ النفس۔ (۴) حفظ النسل۔ (۵) حفظ العقل۔

ہر وہ چیز جو ان پانچ چیزوں کی حفاظت کرے وہ مصالح ہیں۔ اور جو اس کی رعایت نہ کرے وہ مفسدہ ہے۔

الدليل على ما قلنا:

قال الغزالی فی کتابه: المصلحة المحافظة على مقصود الشرع۔ ومقصود الشرع خمسة، وهو أن يحفظ دينهم ونسلهم ومالهم عيقلهم ونفسهم۔ فكل ما يتضمن حفظ هذه الأصول الخمسة فهو مصلحة۔

وكل ما يفوت هذه الاصول فهی مفسدة۔ (المستصفى للغزالی ج:۲ ص: ۴۸۲)۔

المصالح المرسلة ويلقب بالاستدلال المرسل وأطلق اِمام الحرمين وابن السمعانی عليه اسم الاستدلال وعبر عنه الخوارزمی فی الكافی۔

بالاستصلاح۔ (البحر المحیط للزرکشی ج:٦ ص:٧٦۔ مصادر الشریع الاسلامی ص:٩٥۔ادلة التشریح ص:١٨٩۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مصالح مرسلہ کے سلسلہ میں حضرات ائمہ کی آراء

مصالح مرسلہ کی حجیت کے بارے میں علماء اُصولین کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ بعض حضرات اس کو مطلقاً حجت ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

اور یہی اکثر علماء کا قول ہے اور بعض حضرات مطلقاً حجت مانتے ہیں، ان میں سے حضرت امام مالکؒ ہیں۔

وفیه مذاهب منع التمسک مطلقاً وهو قول الاکثرین الجواز مطلقاً وهو المحکی عن مالک رحمه الله۔ (البحر المحیط للزرکشی ج:٤ ص:٧٤)۔

جوحضرات اس کو حجت ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ان حضرات میں سے امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں۔ان حضرات کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ یہ مستقل دلیل نہیں ہے ورنہ تو ان حضرات کے بہت سے ایسے مسائل ہیں، جو مصالح مرسلہ سے مستنبط ہیں جیسا کہ علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ اصحاب حنفیہ اور شافعیہ بھی اس پر اعتماد کرتے ہیں۔

ذکر القرطبی فی کتابه: ذهب اصحاب الحنفیة والشافعیة إلی الاعتماد علیه وهو مذهب مالک علیہ الرحمۃ۔ (المصدر السابق ج:٤ ص:٧٦)۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مصالح مرسلہ پر عمل کی مثالیں

یہ بات واضح رہے کہ دورِ صحابہ سے لے کر ائمہ مجتہدین تک ہر دور میں مصالح مرسلہ پر عمل کی مثالیں ملتی ہیں۔

من أمثال المصالح المرسلة فی عهد الصحابة:

چنانچہ علامہ بوطی نے اس کی کئی مثالیں پیش کی ہیں۔

قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے اور بعد میں اس کے متعدد نسخے بنانے پر صحابہ کرام کا اجماع جبکہ اس کے بارے میں شریعت میں نص وارد نہیں نہ جواز پر نہ منع پر لیکن اس میں حفظ دین ہے جو کہ مقاصد شرع میں سے ہے۔ اور مقاصد شرع کی حفاظت کرنے کا نام ہی مصالح مرسلہ ہے۔

والحقيقة الواضحة من استعرض عهد الصحابة انهم يتخذون الأحكام لما فيه من مصالح وان لم يجدوا اصلاً يقيسوا فيها مادام أنها لا تتعارض مع أی نص لسنة أو كتابٍ۔ (ضوابط المصلحة للبوطی۔ ص: ۳٦۰)۔

من أمثال المصالح المرسلة فی عهد التابعين۔

کثرت حوادث کی وجہ سے حضرات تابعین رحمہم اللہ نے صحابہ کرام سے زیادہ مصالح مرسلہ سے مسائل استنباط کیا ہے جس کی مثال درج ذیل ہے۔

اس دور کے علماء حضرات نے جب دیکھا کہ فتنہ بہت تیزی سے پھیلنے لگا اور لوگ اس کے شکار ہونے لگے یہاں تک کہ غیر قول رسول کو بھی حدیث بتا کر پیش کرنے لگے تو حضرات تابعین نے تدوین حدیث کا کام انجام دیا۔ جس میں جرح وتعدیل اور اصول روایت اور اقسام روایت اور شرائط تحمل کو بھی بیان کیا۔ جبکہ اس کے بارے میں کوئی نص شرعی نہیں تھی۔ لیکن اس میں حفظ دین ہے جو کہ مقاصد شرع میں سے ہے جیسا کہ عبد اللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ:

الإسناد من الدين لو لا الاسناد لقال من شاء ماشاء۔

ابن عساکر نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کیا۔

ولما رأی العقلاء۔۔۔ الفساد ويدب دبيبة فی علوم المعاد خافوا لن يندرج من الغث بالأعراض إلى الغث بالجواهر فلم يروا بدأ من التدوين والتقييد والدلالة

على مواضع الضعف والسخف ليظهر السليم الذى لا شائبة فيه۔ (تاريخ ابن عساكر ج:۲ ص:۷۔روضة الشام)۔

من أمثال المصالح المرسلة فى المذاهب الاربعة۔

من الذهب الحنفى

اصحابہ حنفیہ اگرچہ اس کو مستقل دلیل یا مقاصد شرع میں سے قرار نہیں دیتے لیکن اس سے مسائل استنباط کرتے ہیں جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی اپنی کتاب ''الدر المختار'' میں ذکر کرتے ہیں اگر کوئی ساحر یا زندیق پکڑا جائے تو پہلی مرتبہ تو توبہ قبول کیا جائے گا۔ پھر اگر دوسری مرتبہ پکڑا جائے تو ان کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اس کو قتل کرنے میں امت کی مصلحت ہے،اور وہ ''عدم الفساد فی الأرض'' ہے۔

إذا أخذ الساحر أو الزنديق المصروف الداعى قبل توبته ثم تاب لم تقبل توبته۔ (الدر المختار ج:۱ ص:۳۵۷۔دار الكتاب)۔

وتحته فى الشامية: أنها لا تقبل منه فى نفس القتل عنه۔ (شامی ج:۴ ص:۲۴۲۔ کراچی۔

من المذهب الشافعي:

بعض حضرات یہ گمان کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ استصلاح کے ذریعہ مسائل استنباط نہیں کرتے ہیں۔اور اس بات کی دلیل یوں پیش کرتے ہیں کہ امام مالکؒ کے اکثر مسائل جو مصالح مرسلہ پر مستنبط ہیں امام شافعیؒ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔لیکن صرف مخالفت کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان مسائل کی جو علت ہے اس کا بھی انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ زنجی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے نزدیک بھی مصالح مرسلہ کے ذریعہ استدلال کرنا جائز ہے جب یہ کسی شرعی اصل کلی کے ساتھ مل جائے۔

قال الزنجى فى كتابه: ذهب الشافعى رحمه الله إلى أن التمسك بالمصالح المستند إلى كلى الشرع جائز۔ (تخريج الفروع على الأصول ص: ۱۶۹)۔

چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتابوں میں اس علت پر مستنبط کئے ہوئے بہت مسائل ملتے ہیں۔

من المذهب الحنبلي:

حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی اس سے مسائل استنباط کرتے ہیں لیکن اتنی کثرت سے نہیں جتنی کثرت مالکؒ استنباط کرتے ہیں چنانچہ امام ابوزہرہ اپنی کتاب ''ابن حنبل'' میں ذکر کرتے ہیں کہ مصالح مرسلہ امام احمد بن حنبلؒ کے ان دلائل میں نہیں جن سے آپ نے مسائل استنباط کیا ہے۔لیکن یہاں مذکور نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے،کہ امام احمد بن حنبل اس کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، چنانچہ حنبلی مذہب بڑی بڑی کتابوں میں اس کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں۔

قال أبوزهرة في كتابه "ابن حنبل" بعد أن عدد الاصول التي اعتمدها الامام أحمد بن حنبل: وليس عدم ذكرها أي: المصالح دليلاً على عدم اعتبارها بل إن فقهاء الحنابلة يعتبرون المصالح أصلاً من الاصول۔ (ضوابط المصلحة للبوطي ص: ٣٦٣)۔

ایک مثال: علامہ ابن القیم الجوزی مروزی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ جو شخص صحابہ پر طعن وتشنیع کرتا ہے، بادشاہ وقت پر ضروری ہے کہ وہ اس کو سزا دے۔اور بادشاہ کے لئے اس کو معاف کرنے کی گنجائش نہیں بلکہ ان کو سزا دے توبہ کروائے ایسے آدمی کی سزا کے بارے میں کوئی نص نہیں۔پھر بھی اس کو سزا دینے میں حفظ دین ہے۔

روى عنه ابن القيم الجوزي عن المروزي فيمن طعن على الصحابة أنه وجب على السلطان عقوبته وليس للسلطان أن يعفو عنه بل يعاقبه ولتتيبه فإن تاب۔ (اعلام المؤقعين ج: ٢ ص: ٣٧٧)۔

من المذهب المالكي:

حضرت امام مالکؒ مصالح مرسلہ کو زیادہ مانتے ہیں۔علامہ شاطبیؒ اپنی کتاب

''الاعتصام'' میں ذکر کرتے ہیں۔کہ امام مالکؒ یہی تنہا ایک ایسے شخص ہیں جنہوں نے مصلحت کے معنیٰ کو سمجھا ہے اور پسینہ کو بہایا۔ان کے مذہب میں بہت مسائل ایسے ہیں جو مصالح مرسلہ سے مستنبط ہیں۔

قال الإمام الشاطبی: إن الإمام المالک علیہ الرحمۃ استرسل فیه استرسال المدل العریق فی فهم معانی المصلحة نعم مع مراعاة مقصود الشارع أن لا یخرج عنه ولا ینقض أصلاً من أصوله۔ حتی استشنع بعض العلماء سوءً فی وجوه استرساله زاعمین أنه خلع الربقة وفتح باب التشریع۔ (الاعتصام ج: ۲ ص: ۳۱۱)۔

استحسان کا مفہوم کیا ہے؟

استحسان: یہ باب استفعال کا مصدر اور حسن سے مشتق ہے جس کا لغوی معنیٰ ہے ''عد الشی و اعتقاد حسناً ضد الاستقباح''، یعنی کسی چیز کو اچھا سمجھنا، جیسا کہ کہا جاتا ہے ''فلاں استحسن الرأی أو الطعام أو القول أی عده حسناً''۔

اور اس کے معنیٰ میں محققین حضرات یہ بھی لکھتے ہیں کہ

''طلب الأحسن للتباع الذی هو مأمور به''۔

کسی حکم کی اتباع کے لئے کسی عمدہ طریقہ کار کو تلاش کرنا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ (فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنه''۔(سورۃ الزمر ۱۸۔۱۷)

حضرات اصولیین کے درمیان جو اختلاف ہے وہ استحسان کے اصطلاحی معنیٰ میں ہے۔ نہ کہ لغوی معنیٰ میں کیونکہ اس کا استعمال قرآن کریم و حدیث شریف میں بھی ہے۔حتیٰ کہ ان حضرات سے بھی اس کو استعمال کرتے ہیں جو استحسان کو مستقل دلیل نہیں مانتے۔

وأعلم أن النزاع الذی حصل فی الاستحسان لیس فی اطلاق لفظ الاستحسان جوازاً أو امتناعاً لوروده فی الکتاب والسنة واطلاق اهل اللغة۔ (ادلة التشریع ص: ۱۵۵)۔

اس کی اصطلاحی تعریف کے بارہ میں اصولین حضرات کی مختلف عبارتیں ملتی ہیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) هو اسم لم ليل يقابل القياس الجلي يكون بالنص أو الإجماع أو الضرورة۔ (الموسوعة الفقهية ج:۳ ص:۲۱۸)۔

(۲) ترك القياس إلى ماهو أونى منه۔ (بدائع الصنائع ج:۱ ص:۲۲)۔

(۳) قال الأنبارى: استعمال مصلحة جزئية فى مقابلة قياس كلى۔ (البحر المحيط ج:۶ ص:۸۹)۔

(۴) الاستحسان هو الدليل الذى يعارض القياس الجلى۔ (نور الانوار ص:۲۴۷)۔

(۵) العدول عن موجب قياس الى قياس أقوى منه۔ (أدلته التشريع ص:۱۵۶)

مذکورہ سب تعریفوں کا خلاصہ یہ ہے کہ قیاس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قیاس جلی۔ (۲) قیاس خفی۔

یعنی کسی حکم میں قیاس کا تقاضہ کچھ اور ہو اور اس قیاس کو چھوڑ کر کسی اور مستحسن کی بناء پر دوسرے کی حکم کی طرف جانے کا نام قیاس خفی، یا استحسان ہے۔

جن حضرات نے اس کی تعریف میں یہ بتاتے ہیں کہ استحسان کہا جاتا ہے کہ قیاس کے ایک موجب کو چھوڑ کر قیاس کے دوسرے موجب کی طرف جانا یہ تعریف جامع نہیں ہے۔ کیونکہ استحسان کے قائلین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جس طرح قیاس کے ایک موجب کو چھوڑ کر قیاس کے دوسرے موجب کی طرف جانا ہے۔ جو اس سے بھی أقوی ہے اس طرح قیاس کے موجب کو چھوڑ کر ایسے ایک حکم کی طرف جانے کو بھی استحسان کہا جاتا ہے جو خلاف قیاس ہے اور اس کی تائید کبھی آیات قرآنیہ سے ملتی ہے۔ اور کبھی احادیث نبویہ سے ملتی ہے اور کبھی اجماع ہے۔

''قرآن سے مؤید ہونے کی ایک مثال''

کوئی آدمی اگر یہ کہہ دے کہ ''جمیع مالی صدقۃ'' تو قیاس کا تقاضہ ہے اس آدمی کے پورے مال مملوکہ کو صدقہ کرنا ہوگا۔لیکن اس صورت میں صرف مال زکوٰۃ کو تخصیص کرنا یہ اور مستحسن ہے جس کی تائید قرآن سے ملتی ہے۔

''خذ من أموالهم صدقة'' جیسا کہ امام آمد نے ذکر کرتے ہیں۔

''فإن القياس بلزوم التصدق بكل ماله وقد استحسن تخصيص ذلك بمال الزكاة۔ (الإحكام ج:۴ ص:۱۶۳)۔

''حدیث پاک سے مؤید ہونے کی ایک مثال''

کوئی آدمی اگر بھول کر کے ماہ رمضان میں کھانا کھائے تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا روزہ توڑ جائے گا،لیکن اس کا روزہ نہ توڑنا یہ امر مستحسن ہے جس کی تائید حدیث شریف سے ملتی ہے جیسا کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا۔

من أكل أو شرب ناسياً۔الله أطعمك وسقاك۔ (نصيب الرايه ج:۲ ص:۴۴۵)

فإن القياس لزوم القضاء عليه لكونه أخل بركن الصوم وهو الإمساك لكنه استحسنه العدول عن حكم القياس بعدم إلزامه بالقضاء لقوله عليه السلام۔ (أدلته التشريع ص:۱۵۸ المملكة)۔

نوٹ: استحسان کو اس لئے قیاس خفی کہا جاتا ہے۔کیونکہ یہ اکثر و بیشتر قیاس جلی یعنی ظاہری قیاس سے اقوی ہوتا ہے۔

وإنما سمي به لأنه الاكثر الأغلب أقوى من القياس الظاهر۔

کتاب الأیمان والنذور

منت کے کھانے کا مصرف کون ہے؟

سوال: ایک آدمی نے منت مانی کہ اگر ہم اس بیماری سے صحت یاب ہو جائیں گے تو ایک بکرہ ذبح کریں گے اب اس بکرے کے گوشت کا کیا حکم ہے کیا وہ خود بھی کھا سکتا ہے؟ یا گھر والے کھا سکتے ہیں؟ جو حکم ہو وضاحت سے بتائے

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں منت ماننے والا اوران کے گھر والوں میں سے کسی کے لئے اس بکرے کے گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔کیونکہ اس کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو مستحق زکوٰۃ ہیں جیسے غربا ومساکین۔

الدلیل علی ما قلنا

إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله وابن السبيل۔۔۔ الخ۔ (سورة التوبة ص:٦٠۔٦١)۔

ومصارف الفدية والنذور المطلقة والكفارات والصدقات الواجبة هى مصارف الزكاة۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج:٣ص:١٧٤٤۔دار الفكر)۔

مصرف النذر الفقراء ولا يجوز أن يصرف ذلک لغنى غير محتاج ولا لشريف ذى منصب لأنه لا يجوز له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً۔ (البحر الرائق ج:٢ ص:٢٩٨۔سعيد كراچى)۔

صرف النذر لمستحقيه۔۔۔ إذ مصرف النذر والفقراء ولا يجوز أن يصرف ذلک إلى غنيٍ غير محتاجٍ اليه۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى ص:٦٩٣۔

دار الكتاب)۔

مصرف الزكاة۔۔ وهو ايضاً مصرف لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلک من الصدقات الواجبة۔ (الدر المختار مع الشامی ج:٢ ص:٣٣٩۔ سعید کراچی)۔

ولا يجوز الأكل من المنذور ودم الجزاء اتفاقاً۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج:٣ ص:٢٣٦۔دار الفكر)۔

فكأنه نذر أن يتصدق بها: ولهذا كان عليه أن يذبحه وبعد الذبح صار المذبوح لله تعالیٰ خالصاً فالسبيل أن يتصدق بالحمه۔ (المبسوط للسرخسی قطر)۔

هكذا فی التاتارخانية ج:٥ ص: ٤١۔ کراچی۔

الفتاویٰ الهندية ج:٥ ص:٣٧٧۔رشیدیه۔

منت ماننے کا کیا حکم ہے؟

سوال: مفتی صاحب کیا منت ماننا جائز ہے؟ وضاحت فرمائیں

الجواب: حامداًو مصلياً: والله الموفق بالصواب

منت ماننا جائز ہے لیکن منت اگر اس اعتقاد پر ہو کہ یہ تقدیر کو بدل دے گی۔تب ممنوع ہے البتہ منت کے بجائے صدقہ خیرات کرنا بہتر ہے۔

الدليل على ما قلنا:

عن ابن عمر عن النبی صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن النذور وقال: إنه لا يأتی بخير۔ (الصحيح المسلم ج:٢ ص:٤٤۔مکتبہ فیصل)۔

عن عائشة عن النبی صلى الله عليه وسلم: قال: من نذر أن يطيع الله فليطيعه ومن نذر أن يعصی الله فلا يعصه۔ (سنن الترمذی ج: ١ ص: ٢٧٩۔مکتبہ بلال)۔

فالنذر على إعتقاد أنه يرد عن قدر الله شيئًا فنهى عنه۔ وكان عادة الناس ينذرون

لجلب المنافع ودفع المضار۔ وذلک فعل البخلاء فنهوا عنه وأما إذا نذر بالاخلاص فی النية وعبادة الله تعالیٰ عمر بن الخطاب باعكافٍ ليلةٍ فی المسجد الحرام فهو ليس بمنهيٍ عنه۔ (بذل المجهود ج: ۱۰ ص: ۵۷۸۔مركز الشيخ)

أجمع المسلمون على صحة النذر فی الجملة ولزوم والوفاء به ولا مستحب لرواية النهی وهو نهی كراهة لا نهی تحريم لأنه لو كان تحريماً لما مدح المؤفين به لأن ذنبهم فی ارتكاب المحرم أشد من طاعتهم فی وفائه۔ (أوجز المسالک ج: ۹ ص: ۵۱۳۔مركز الشيخ۔

قالطيبي: تحريره: أنه علل النهي بقوله فإن النذر لا يغنی من القدر، ونبه به على أن النذر المنهی عنه هو النذر المقيد الذی يعتقد عنه أنه يعنی عن القدر بنفسه كما زعموا۔ (تحفة الأحوذی ج: ۴ ص: ۱۵۲۔القدس۔

قال الخطابي: معنی نهيه عليه السلام عن النذر إنما هو تاكيد لامره وتحذير لهاون به بعد ايجابه ولو كان معناه الزجر عنه حتى لا يفعل لكان فی ذلک ابطال حكمه واسقاط لزوم الوفاء به۔ (عون المعبود ج: ۵ ص: ۳۹۳۔قدس)۔

کتاب الحظر والإباحة

چاندی کے پالیش کیا ہوا برتن استعمال کرنے کا حکم

سوال: چاندی کی پالیش کیا ہوا برتن استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

چاندی کی پالیش کیا ہوا برتن استعمال کیا جا سکتا ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وأجاز أبو حنيفة الشرب والوضوء فى الإناء المفضض أي المزين بالفضة۔ (الفقه الاسلامى وأدلته ج:۴ ص:۲۶۳۳ ۔دار الفكر)۔

(۲) لا يجوز تحلية سكين والقلم والمقراض والمقلمة ولدواة والمرأة بالذهب وهل يجوز بالفضه فيه وجهان۔ (الفتاوىٰ الهندية ج:۴ ص:۳۳۵۔ رشيدية)۔

(۳) وحل الشرب من إناء مفضض أي مزوق بالفضة وتحته فى الشامية كذا فى المسخ وفسده الشمنى بالمدصح بها ويقال لكل مفضض ومزين ومزوق قاموس۔ (شامى ج:۶ ص:۳۴۳۔ كراچى)۔

(۴) وكذا فى البحر الرائق ج:۸ ص:۱۸۶ ۔(سعيد)۔

عقد صیانہ کی تعریف

سوال: عقد صیانہ کس کو کہتے ہیں؟ اور شرعاً یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صیانہ کا لغوی معنی بچانا، حفاظت کرنا نگرانی کرنا وغیرہ۔

تعریفات کی کتابوں میں عقد صیانہ کی کوئی شرعی تعریف نہیں ملتی، لیکن دورحاضر میں محققین نے اس کی بارے میں لکھتے ہیں۔

(۱) بیع صیانہ ایک ایسے معاہدہ کو کہتے ہیں جس کے تحت ایک ٹھیکیدار دوسرے ٹھیکیدار کی طرف سے ادا کردہ اجرت کو برقرار رکھنے کے لئے برقرار رکھنے کا کام کرتا ہے۔

(۲) بیع صیانہ ایسی بیع کا نام ہے جس میں مبیع میں جب بھی خرابی یا نقصان ظاہر ہو تو مطلوبہ فوائد حاصل کرنے کے لئے اس مبیع کی درستگی کی صورت ہوتی ہے۔

شرعاً یہ درست ہے یا نہیں

بیع صیانہ کے اندر کچھ صورتیں ایسی ہے جس میں صلب عقد کے اندر فسادی اور خرابی آنے کی وجہ سے جائز نہیں ہوتی ہے، اور کچھ صورتیں ایسی ہیں جس میں صلب عقد کے اندر کسی قسم کی خرابی نہ ہونے کی وجہ سے جائز ہوتی ہیں۔

اور بعض حضرات اس کو اجارہ میں شمار کرتے ہیں، اجارہ کے ساتھ مشابہت ہونے کی وجہ سے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عقد یتعهد بمقتضاه أحد المتعاقدین بصیانه شئی لبقاء أجر یتعهد به المتعاقد الآخر۔

هو عقد یلزم الخبیر الفنی بمقتضاه بالقیام علی الآلات والتهجیز فی هذه محدودة۔

إنه اصلاح الشئی المعمر کلما طرء علیه عطل أو أذی حیث قدرته علی انتاج الحدمات والمنافع المقصودة منه۔ (مجلة المجمع الفقه الاسلامی ج:۸ ص:۱۹۹)۔

(۲) ولا یوجد لهذا العقد أي الصیانة تکییف شمل کافة صوره ویعطی حکماً

واحداً لهذا الصور۔ (عقد الصيانه ج: ۱ ۳)۔

(۳) وکذافی فقه البيوع ج: ۲ ص: ۱۰۵۰۔ (دار المعارف)۔

عقد صیانہ کی ایک صورت

سوال: عقد صیانہ میں عقد کرنے والا اگر صرف اصلاح ومرمت کا ذمہ لے اور اس میں لگنے والا سامان مالک کو دینا ہو اور یہ سروس ماہ بماہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں عقد صیانہ جائز ہے، اور سروس کرنے والا اجرت کا حقدار بنے گا اور عقد کرنے والے کے لئے ان کو اجرت ایک ساتھ بھی اداء کرنا جائز ہے، اور ہر مہینہ سروس کرنے کے بعد بھی ادا کرسکتا ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) من الواجب على المصون له لقيام بدفع كل مستحقات الصائن والتى تشمل۔ (المصدر السابق ص: ۲۶۶)۔

(۲) يجب على الصائن انجار العمل الذى تعهد به خلال المدة الرمنية المتحدة فى العقد إذا لم تمنع قوة قاهرة۔ (عقود الصيانة وتطبيقاتها ص: ۲۵۶)۔

(۳) وكذافى المصدر السابق ص: ۲۵۱۔

(۴) وكذافى بدائع الصنائع ج: ۴ ص: ۱۹۵۔ (دار الكتاب)۔

(۵) وكذافى عقد الصيانة ص: ۲۵۷۔

(۶) وكذافى الترمذى ج: ۱ ص: ۲۵۱۔ (بلال)۔

(۷) وكذافى أبى داؤد ج: ۱ ص: ۵۰۶۔

قیمتی پتھر یا موتی وغیرہ میں خمس کا صدقہ کرنا ضروری ہے؟

سوال: ایک شخص کو زیرِ تعمیر سڑک پر سے ایک قیمتی پتھر ملا تو اس کا لینا اور اس کی قیمت استعمال کرنا جائز ہے؟

اور کیا اس میں کئی حصہ (خمس وغیرہ) صدقہ کرنا ہوگا؟ امید ہے جواب سے مطلع فرما کر ممنون وشکر فرمائنگے

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر سڑک کی کھدائی میں زمین سے وہ پتھر نکلا ہو تو اس کا لینا اور اس کی قیمت استعمال کرنا جائز ہے، اور اس میں خمس واجب نہیں ہوگا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) أما المنطبع كالذهب والفضة والحديد ففيه الخمس كذا في التهذيب سواء أخرجه حر أو عبد۔ وما بقي مللآخذ۔ (الفتاویٰ الهندية ج: ۱ ص: ۲۴۶۔ رشيدية)۔

(۲) وما ليس بمنطبع كالنور والجص والجواهر والبواقيت لا شئی فيها۔ (المصدر السابق ج: ۱ ص: ۲۴۶)۔

(۳) إن الكنز يخمس كيف كان والمعدن إن كان ينطبع ولا في لؤلؤ ولا عنبر۔ (شامي ج: ۲ ص: ۳۲۲ اشرفيه)۔

(۴) وكذا في البحر الرائق ج: ۲ ص: ۲۳۶۔ (سعيد)۔

(۵) وكذا في تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۲۹۱۔ (امدادية)۔

(۶) وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية ج: ۳ ص: ۳۴۶۔ (زكريا)۔

صحابی تابعی تبع تابعین کی تعریف

سوال: صحابی اور تابعی اور تبع تابعین میں کیا فرق ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صحابی کہتے ہیں جس نے اپنی زندگی میں حالت اسلام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، اور تابعی کہتے ہیں جس نے صحابی کو دیکھا، اور تبع تابعی کہتے ہیں جس نے تابعی کو دیکھا۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) الصحابی: من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤمناً بہ و مات علی الإسلام ولو تخللت بہ ردۃ۔ (حاشیۃ البخاری ص:۵۱۵ نخبۃ الفکر جص:۸۱)

(۲) تابعی: من رأی الصحابی۔ تبع التابعی: من رای التابعی۔ (حاشیۃ نور لانوار ص:۴)۔

(۳) وکذا فی عمدۃ القاری ج:۲ ص:۲۲۔ (زکریا)۔

(۴) وکذا فی البخاری ج:۱ ص:۵۱۵۔

عقد صیانہ کی ایک شکل

سوال: اگر سروس کے ساتھ خراب شدہ الات لگانے کی ذمہ داری بھی سروس کنیدہ کی ہوتب کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں یہ عقد صیانہ بھی جائز ہے۔

(۱) وأما إذا کان الشرط علی الصائن وأنہ ھو الملزم یتوفیرھا فلا بأس أیضاً فی ذلک لقولہ علیہ السلام المسلمون علی شروطھم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً لأن الفقہاء متفقون علی جواز اشتراط الشئی علی العامل۔ (عقد

الصیانۃ وتطبیقاتہا ص: ۲۵۱)۔

(۲) عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحاً جرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون علی شروطہم إلا شرطاً حدم حلالاً أو أحل حراماً۔ (الترمذی ج: ۱ ص: ۲۵۱)۔

(۳) وکذا فی أبی داؤد ج: ۱ ص: ۵۰۶۔ (بلال)۔

ضرورت پڑنے پر سروس کا معاہدہ ہونے پر اگر عقد کو تو یہ کیسا ہے؟

سوال: اگر ضرورت پڑنے پر سروس کا معاہدہ ہو اور سال بھر ضرورت نہ پڑے تو سال بھر کی سروس کے معاوضہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں معاہدہ کی کیفیت کو دیکھنا ہوگا، اگر معاہدہ کے وقت یہ طے ہو جائے کہ اگر سروس کی ضرورت ہو تب سروس کرنا ہوگا، اور اس کے بعد اجرت اتنی مقدار دی جائے گی یا سال کے اخیر میں اتنی مقدار دی جائے گی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر معاہدہ کے وقت یہ طے ہو کہ جب ضرورت پڑے تب سروس کرنا ہوگا اور اس کی مزدوری اتنی ملے گی تو اس صورت میں جب سروس کرنے والا سروس کریگا تب متعین مقدار مزدوری کا مستحق ہوگا۔

(۱) ومن حق الصائن أن یأخذ أجرتہ وفق ماتم علیہ الاتفاق من جہۃ المقدار والجنس والنوع۔

وطریقۃ الدفع: إذ ممکن أن تدفع أجرۃ الصیانۃ جملۃ واحدۃ مؤجلۃ أو معجلۃ ویمکن أن تدفع علی أقساط تبعاً یسیر العمل حسب ما اتفق علیہ العقد۔ (عقد الصیانۃ وتطبیقاتہا)۔

(۲) عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الصلح بین المسلمین إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون علی شروطہم إلا شرطاً حرم

حلالاً أو أهل حراماً۔ (أبوداؤد ج: ۱ ص: ۵۰۶)۔

(۳) وکذافی الترمذی ج: ۱ ص: ۲۵۱۔

مرنے کے بعد بچے کے کان میں اذان واقامت دینے کا حکم

سوال: ایک بچہ کی پیدائش ہوئی حالت نازک ہونے کی وجہ سے فوراً آئی سی یو میں داخل کردیا گیا تقریباً ۵ یوم کے بعد اس بچہ کا انتقال ہوگیا اس بچہ کے کان میں نہ اذان دی گئی نہ اقامت آیا اس بچہ کو اذان دی جائے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں مرنے کے بعد اس کے کان میں اذان دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۱) عن عبيد الله بن أبى رافع عن أبيه قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن فى أذن الحسن بن على حين ولدته فاطمة۔ (أبوداؤد ج: ۲ ص: ۶۹۶ بلال)۔

(۲) يستحب للوالد أن يؤذن فى أذن المولود اليمنى وتقام فى اليسرى حين يولد ليكون إعلان المولود بالتوحيد أول ما يقدح سمعه عند قدومه إلى الدينا۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج: ۴ ص: ۲۷۵۰ دار الفكر)۔

(۳) ولا أذان ولا إقامة فى صلاة الجنازة لأنها ليست بصلاة على الحقيقة۔ (بدائع الصنائع ج: ۱ ص: ۱۵۲۔ زكريا)۔

(۴) هكذافی مرقاة المفاتيح ج: ۸ ص: ۸۱۔ (دار الكتب العلمية)۔

(۵) هكذافی العرف الشذی ص: ۴۳۰۔ (رحيمية)۔

(۶) وكذافی بذل المجهود ج: ۱۳ ص: ۵۰۱۔ (مركز الشيخ)۔

عقد اجارہ میں ایک صورت

سوال: عقد اجارہ میں مالک مکان کرایہ دار پر مکان میں موجود تمام چیزوں کی

دیکھ بھال کی اور درستگی کی شرط لگادے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اگر مالک مکان کرایہ دار پر ان چیزوں کی دیکھ بھال اور درستگی کی شرط لگائے جو عقد اجارہ میں داخل ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر ایسا شرط لگائے جو عقد اجارہ میں داخل نہیں تو اس صورت میں اجارہ باطل ہو جائے گا۔

الدلیل علی ما قلنا:

الإجارة تفسدها الشروط التی لا يقضيها العقد كالبيع وهذا لأن المنافع بالعقد يكون قيمة ويصير مالاً به فتعتبر الإجارة بالمعاوجة المالية۔ (تبيين الحقائق ج:۵ ص: ۱۲۱۔امدادية)۔

وكل شرط لا يقيضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق كشرط أن لا يبيع المشترى العبد المبيع يفسده۔ (الفتاویٰ الهندية ج:۳ ص: ۵۹۔زكريا۔

وكذافي الشامي ج:٦ ص: ٤٦۔(كراچی)

وكذای البحر الرائق ج:۸ ص: ۱۷۔(سعيد)۔

صرف سروس دینے کی شروط پر عقد کرنا

سوال: اگر صائن اور مالک کے درمیان اس طرح کا معاہدہ ہو کہ چاہئے جتنے کا سامان لگے یا جتنا بھی وقت لگے مثلاً صرف ایک لاکھ روپیہ سالانہ سروس خارج دینگے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اگر سروس کرنے والا متعینہ خرچ پر راضی ہو جائے تو اس قسم کے معاہدہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون علی شروطھم إلا شرطاً حرّم حلالاً و أَحَلَّ حراماً۔ (ترمذی ص: ۲۵۱)۔ (أبوداؤد ص: ۵۰۶۔ بلال)۔

(۲) ومن حق الصائن أن یأخذ أجرتہ وفق ماتم علیہ العقد من جھۃ المقدار والجنس والنوع۔ (عقد الصیانۃ وتطبیقاتھا ص: ۲۵۷)۔

عقد صیانہ میں صرف آپ ڈیٹ کے معاہدہ کرنے کا حکم

سوال: کبھی عقد صیانہ میں صرف آپ ڈیٹ کرنے کا معاہدہ ہوتا ہے تو اس کی مزدوری کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اب ڈیٹ کرنے والا متعین مقدار کی اجرت کا حقدار ہوگا، کیونکہ اب ڈیٹ کرنا بھی ایک طرح کا عمل ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وإذا سلم من العمل فی إجارۃ نفسہ أو إجارۃ مال المولی وجب الأجر المسمی۔ (بدائع الصنائع ج: ۴ ص: ۱۹۔ زکریا)۔

(۲) فما لم یسلم المعقود علیہ للمستأجر لا یسلم لہ العوض والمعقود علیہ ھو العمل وأثرہ۔ (تبیین الحقائق ج: ۵ ص: ۱۳۴۔ امدادیۃ)۔

(۳) وکذا فی البحر الرائق ج: ۸ ص: ۲۷۰۔ (سعید)۔

(۴) وکذا فی الدر المختار مع الشامی ج: ۶ ص: ۱۹۔ (کراچی)۔

ایک سال میں بیع خراب ہوجانے پر بدل دینے کی شرط پر بیع

سوال: بیع وشراء میں اگر بائع شرط لگائے کہ مثلاً ایک سال میں یہ مبیع خراب ہو جائے گی تو بائع اس کو بدل کردیگا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں یہ عقد جائز ہے، کیونکہ عرف میں یہ عقد رائج ہے، اس کو عقد تبدع کہا جاتا ہے، یہ شرط نہیں بلکہ بائع کی طرف سے ایک احسان ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن بیع و شرط۔ (مجمع الزوائد ج:۴ ص:۸۸)۔

(۲) والمسلمون علی شروطھم إلا شرطاً حرّم حلالاً أو أحل حراماً۔ (ترمذی ج: ۱ ص: ۲۵۱۔ بلال)۔

(۳) وکذا فی أبی داؤد ج: ۱ ص: ۱۳۴۔ (هلال)۔

عقد شرکت کی صحت کے لئے شریکین کے سرمایہ کا موجود ہونا

سوال: شرکت کی صحت کے لئے کیا شریکین کے سرمایہ کا موجود ہونا ضروری ہے اگر دونوں کی رقم بینک میں ہو تو عقد شرکت درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

عقد شرکت کی صحت کے لئے شریکین کے سرمایہ کا موجود ہونا شرط نہیں ہے، لیکن شراء کے وقت دونوں کے سرمایہ کا موجود ہونا شرط ہے خواہ سرمایہ حقیقۃً موجود ہو یا حکماً۔

اگر دونوں کی رقم بینک میں ہو تو عقد شرکت تو درست ہو جائے گی لیکن شراء کے وقت رقم موجود ہونا چاہیئے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) لا تصح بمال غائب بل لا بد من كونه حاضراً والمراد حضوره عند عقد الشراء لا عقد الشركة۔ (شامي ج:۴ ص:۳۱۱۔ کراچی)۔

(۲) ومنها أن يكون رأس مال الشركة عيناً حاضراً لا ديناً ولا مالاً غائباً۔ وإنما تشترط الحضور عند الشراء لأن عقد الشركة يتم بالشراء فيعتبر الحضور عنده۔ (بدائع الصنائع ج:۶ ص:۶۰۔ دار الكتاب العلمي)۔

(۳) وكذا في تبيين الحقائق ج:۵ ص:۵۵۔ (امدادية)۔

(۴) وكذا في الفتاوىٰ الهندية ج:۴ ص:۲۸۸۔ (رشيدية)۔

(۵) وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته ج:۵ ص:۳۸۹۰۔ (دار الفكر)۔

شریکین کے لئے زبانی معاہدہ پر رقم لینے کا حکم

سوال: چند شرکا اگر زبانی معاہدہ کرے اور حسب ضرورت رقم لیلے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں ایسی شرکت درست ہے، یعنی اس میں بھی احکام شرکت جاری ہونگے اور نفع نقصان میں تمام شرکا شریک ہوں گے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ولو هلك بعد الشراء بأحدهما كان الهالك من المالين جميعاً لأنه هلك بعد تمام العقد۔ (بدائع الصنائع ج:۶ ص:۶۰۔ دار الكتاب العلمي)۔

(۲) إن اشترى أحد الشريكين بماله وهلك بعد الشراء فيجعل الشراء من المالين۔ (الفقه الاسلامي وأدلته ج:۵ ص:۳۹۱۷۔ دار الفكر)۔

(۳) وكذا في الدر المختار مع الشامي ج:۴ ص:۳۱۲۔ (كراچی)۔

کسی شریک سے مزدوری کی تنخواہ لینا کیسا ہے

سوال: شرکاء کا شرکت کے کاروبار سے تنخواہ لینا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ خود شریک کی حیثیت سے منافع کا حقدار ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں تین شکلیں ہیں، ایک صورت تنخواہ لینے کی ہے یہ معاملہ درست نہیں ہے، اور باقی دو صورتیں جائز ہیں۔

(۱) اگر عقد شرکت میں اجارہ کا عقد بھی کر کے کسی ایک شریک کو اجیر بنائے تو اس صورت میں عقد شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ اس میں صفقۃ فی صفقۃ لازم آتا ہے، اور یہ ناجائز ہے۔

(۲) اگر ایک شریک دوسرے شریک کو اگر منافع کا کچھ زائد دے دے، اور بعد میں اس پر کام کی شرط لگائے تو یہ صورت جائز ہے، کیونکہ ہر شریک کو راس المال کے حساب سے نفع ملے گا، اور نفع سے زائد حصہ دوسرے شریک کو اپنے کام کی بدل میں ملے گا۔

(۳) یہ صورت سب سے بہتر ہے وہ یہ ہے کہ تمام شرکاء مل کر پہلے عقد شرکت کریں اور بعد میں تمام شرکاء کی رضامندی سے کوئی اجیر کو متعین کیا جائے وہ اجیر شرکاء میں سے بھی ہو سکتا ہے اور غیر بھی ہو سکتا ہے، پھر منافع تقسیم کے وقت پہلے مزدور کی تنخواہ ادا کر کے جو بچے وہ آپس میں ہر ایک کے راس المال کے حساب سے تقسیم کیا جائے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن ابن مسعود قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صفقتين في صفقة۔ (شرح السنن ج:۴ ص:۴۰۵۔ دار الحديث)۔

(۲) المضارب يستحق الربح بالعمل فكذا الشريك۔ (بدائع الصنائع ج:۶ ص:۶۲۔ دار الكتاب)۔

(۳) مالم يسلم المعقود عليه للمستأجر لا يسلم له العوض و المعقود عله هو العمل۔ (تبيين الحقائق ج:۵ ص:۱۳۴۔امدادية)۔

شرط کے ساتھ زمین فروخت کرنا

سوال: ایک شخص اپنی زمین فروخت کرتا ہے اور یہ شرط لگاتا ہے کہ اس میں جو کام ہوگا اس کے نفع میں میرا بھی کچھ فیصد حصہ ہوگا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اس طرح زمین کی خرید و فروخت درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بیع مع الشرط ہے جو ممنوع ہے۔

الدليل على ما قلنا

(۱) نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع و شرطٍ۔ (مجمع الزوائد ج:۴ ص:۸۸۔ (فتح البارى ج:۵ ص:۱۷۳)۔

(۲) كل شرط لا يقتضيه العقد و فيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه و هو من أهل الاستحقاق يفسده۔ (هدايه ج:۳ ص:۵۹۔تهانوى ديوبند)۔

(۳) ولأنه بيع و شرط وقد نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيع و شرط كما سواه عمرو ابن شعيبٍ۔ (البحر الرائق ج:۶ ص:۸۵۔سعيد كراچى)۔

شرکت مضاربت میں خسارہ کا بوجھ کس پر نہ آنے کی ایک صورت

سوال: شرکت مضاربت میں خسارہ کا بوجھ رب المال اور مضارب پر نہ آئے ایسی کوئی شکل ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

شرکت مضاربت میں خسارہ کا بوجھ رب المال اور مضارب پر نہ آنے کی بہتر شکل یہ ہے

کہ شرکت مضاربت میں منافع تقسیم کرنے کے وقت خواہ منافع کی تقسیم ماہانہ ہو یا سالانہ۔ پہلے منافع کو تقسیم کرلیں۔ پھر اس عقد کو فسخ کردیں یعنی مصارب رأس المال رب المال کو دے دے پھر رب المال اس کو دوبارہ مضارب کو دے دے اور پھر از سر نو عقد مضاربہ شروع کریں بایں صورت اگر شرکت مضاربت میں خسارہ آجائے تو پہلے تقسیم شدہ منافع سے اس کی بھرپائی نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ عقد نیا ہے۔

الدليل على ما قلنا

(۱) وإن قسم الربح و فسخت ثم عقداها فهلک المال لم يتردا الربح الاوّل۔
(منحة الخالق على البحر الرائق ج:۷ ص:۲۶۷ ۔سعید کراچی)

(۲) لو اقتسما الربح و فسخا المضاربة ثم عقداها ثانياً فهلک المال بعد ذلک لم يردا الربح الاول۔ لأن المضاربة الأولى قد انتهت بالفسخ وتبوت الثانية بعقد جديد فهلات الثانية لا يوجب انتقاض الأولى، فصار كما إذا اليه مالاً آخر۔۔ وصورة هذه الحيلة ن يسلم المضارب رأس المال الى رب المال ثم يقسما الربح ثم يرد رب المال رأس المال إلى المضارب ويقول: أعمل على المضاربة، فتكون بذلک مضاربة مستقلة فهلاک المال فيها لا يوجب رد الربح كان في الأولى۔ (تبيين الحقائق ج:۵ ص:۶۷ ۔امدادیه)۔

(۳) هكذا: في الدر المختار مع الشامي ج:۵ ص:۶۵۶ کراچی۔

عقد شرکت میں مدت شرکت کی صراحت کی ایک صورت

سوال: کیا عقد شرکت میں مدت شرکت کی صراحت کی گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

رأس المال اگر عروضی میں سے نہ ہو تو مضارب عقد مضاربت سے کبھی بھی علیحدہ ہو سکتا ہے لیکن مضاربت کا عقد مضاربت سے کبھی بھی علیحدہ ہو جانا رب المال اور رأس المال کے

لئے خسارہ کا باعث بن سکتا ہے۔

اس لئے اس میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ عقد مضاربت کے وقت یہ بات کرلے کہ فلاں مدت تک ہم شرکت مضاربت میں رہینگے۔

الدلیل علی ما قلنا

(۱) إذا فسخا المضاربة ورأس المال عروض یجوز واما اذا فسخ احدهما فلا یجوز اذا کان رأس المال عروضاً۔ (خلاصة الفتاویٰ ج:۴ ص:۲۹۹۔ اشرفیه)۔

(۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً۔ والمسلمون علی شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً۔ (ترمذی شریف ج:۱ ص:۲۵۱)۔ (ابوداؤد شریف ص:۵۰۶)۔

پاؤں کی ضرب لگوانے سے علاج کرنے کا کیا حکم ہے

سوال: ایک مرض ہے جس کو ہمارے دیار میں کہتے ہیں کہ ''جھوٹا پکڑ لیا'' اس مرض میں اچانک بدن کے کسی حصے میں درد شروع ہو جاتا ہے جس سے افاقہ کے لئے اس آدمی سے پاؤں کی ضرب لگوائی جاتی ہے جس کی پیدائش الٹی ہو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پاؤں کی اس ضرب سے علاج کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں اگر اس بیماری کا علاج پاؤں کی ضرب لگوانے سے ہو جاتا ہو تو ضرب لگوانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا

(۱) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ لکل داءٍ

دواء فإذا أصیب دواء الداء یبر أ باذن اللہ۔ (مشکاۃ المصابیح ص:۳۸۷۔ کتاب الطب)۔

(۲) الأحادیث المأثورۃ فی علم الطب لا یحصی وقد جمع دواوین۔ والمختار أن بعضہ علم بالوحی إلی بعض انبیائہ۔ وسائرہ بالتجارب۔ (أوجز المسالک ج:۱۶ ص:۵۲۶۔ مرکز الشیخ)۔

(۳) واختلف فی مبدأ ھذا العلم علی أقوال کثیرۃ۔ والمختار أن بعضہ بالوحی وسائرہ بالتجارب۔ کذا فی المرقاۃ۔ (حاشیۃ المشکاۃ ج:۳۸۷)۔

(۴) قولہ علیہ السلام: علیکم بالعود الھندی فإن فیہ سبعۃ اشفیۃ وقد ذکر الأطباء اکثر من سبعۃ فأجاب الشراح بأن السبعۃ علمت بالوحی ومازاد علیھا بالتجربۃ۔ (فتح الباری ج:۱۱ ص:۲۹۵۔ دار الفکر)۔

مردہ پیدا ہوا بچہ بھی ماں باپ کے لئے سفارشی سے کا حکم

سوال: ایک بچہ ماں کے پیٹ سے مردہ پیدا ہوا ۸ ماہ کا تو کیا کل قیامت کے دن وہ بچہ اپنی ماں اور باپ کے لئے سفارشی بنے گا؟ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

ایسا بچہ بھی قیامت کے دن اپنی ماں اور باپ کے لئے سفارشی بنے گا۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن السقط یراغم ربہ إذا دخل أبویہ النار فیقال أیھا السقط الراغم ربہ أدخل أبویک الجنۃ فیجرھما بسردہ حتی یدخلھما الجنۃ قال أبو علی یراغم ربہ یغاضب۔

عن معاذ بن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ إن السقط لیجر أمہ بسردہ إلی الجنۃ إذا احتسبتہ۔ (رواہ الإمام إبن ماجہ فی سننہ

ص:۱۱۵ ۔باب ماجاء فیمن أصیب بسقط۔قدیم)۔

إن السقط یحیی فی الآخرۃ وترجی شفاعتہ واستدلوا بماروی أبو عبیدۃ مرفوعاً أن السقط مخبطئًا حتی یدخل أبواہ الجنۃ۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص:۵۹۸۔دار الکتاب)۔

یشفع الطّفل المخنبطئ علی باب الجنہ وفی الحدیث إن الطفل السقط یظل مخنبطئًا علی باب الجنہ وھذا إنما ھو فی قراباتھم ومعاذفھم۔ (الجامع لأحکام القرآن ج:۳ص:۲۷۳۔دار إحیاء التراث۔

إن الطفل المتوفی یتقدم والدیہ فیھئی لھما فی الجنۃ منزلاً ونزلاً۔ (شرح الطیبی ج:۴ص:۱۴۲۲۔مکتبۃ نزار۔

پیدا ہونے کے چند گھنٹے بعد مرے جو بچہ مر گیا اس کا نام رکھنا ضروری ہے؟

سوال: ایک بچہ پیدا ہوا کچھ گھنٹوں کے بعد اس کا انتقال ہوگیا تو اس بچہ کا بھی نام رکھنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر پیدا ہونے کے بعد رویا، ہنسا یعنی اس میں زندگی کی علامت پائی گئی اس کے بعد انتقال ہوا تو ایسے بچہ کا نام رکھا جائے گا۔

الدلیل علی ما قلنا

غسل وسمی عند الشافی، وھو الأصح فیفتی بہ علی خلاف ظاھر الروایۃ ووجھہ أن تسمیتہ تقتضی حشرہ۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج:۲ ص:۲۲۸۔ کراچی)۔

ومن استهل بعد الولادة غسل وسمي وصلى عليه والإغسل في المختار: وتحته في التعليق كرامة لابن آدم۔ (ملتقى الأبحر ج: ۱ ص: ۱۶۱ ۔مؤسسة الرسالة)۔

غسل وسمي وصلى عليه ويرث ويورث وإن لا يستهل أدرج في خرقة ودفن ولا يصلى عليه۔ (سكب الأنهر ج: ۱ ص: ۲۷۳ ۔فقيه الأمة)۔

ومن استهل سمي وغسل وكفن كما عليه وصلى عليه يرث ويورث۔ (حاشية الطحطاوي على المراقي ص: ۵۹۷ ۔دار الكتاب)۔

ومن استهل صلى عليه وإلا لا، ذكر المصنف أن حكمه الصلاة عليه ويلزمه أن يغسل ويرث ويورث وأن يسمي وأن لم يبق حياً لا كرامة لأنه من بني آدم۔ (البحر الرائق ج: ۲ ص: ۱۸۸ ۔سعید کراچی)۔

هكذا في تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۲۴۳ ۔امدادیه۔

چھوٹے بچے کے زائد کپڑے دوسروں کو دینا کیسا ہے؟

سوال: چھوٹے بچہ کا کپڑا اگر استعمال سے زائد ہو کیا ماں باپ کے لئے اس کپڑے کو دوسرے کسی کو دینے کی گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

چھوٹے بچہ کا کپڑا جو استعمال سے زائد ہو اگر وہ کپڑا اس کو بطور اباحت دیا گیا ہو جیسے عام طور پر عرف میں والدین اپنے بچے کو دیتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں والدین کے لئے اگر دینے والے بھی والدین ہوں اس زائد کپڑے کو دوسرے کسی کو دے سکتے ہیں۔ اور اگر اس کپڑے بطور تملیک دیا ہو۔ جیسے عام طور پر اس کے اقارب واعزاء دیا کرتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں چھوٹے بچہ کی اجازت کے بغیر والدین کے لئے بھی دوسرے کسی کو دینے کی گنجائش نہیں ہے۔ چھوٹے بچے کی اجازت اس وقت تک نافذ نہیں ہوگی جب تک وہ قابل تصرف نہ بنیں۔

الدليل على ما قلنا

عن أبي حرة الرقاشي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال لا يحل مال إمرئ مسلم إلا عن طيب نفسه۔ (سنن الدار قطني ج:۳ ص:۲۲ دار الايمان)۔

ولأن تمليك الصبي صحيح لكن إن لم يكن عاقلاً فانه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله قريباً أو جنبياً أو الملتقط۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۲۰۱۔ سعيد كراچي)۔

للمبيح أن يمنعه عن التصرف فيه۔ (مجمع الأنهر ج:۱ ص:۳۸۵۔فقيه الأمة)۔

ولا يصح تصرف صبي وعبد بلا إذن ولي، وسيدٍ لأن الصبي عديم العقل فعقلله ناقص لعدم الاعتدال وهو البلوغ۔ (البحر الرائق ج:۸ ص:۷۸۔ سعيد كراچي)۔

هكذا في (مجمع الأنهر ج:۴ ص:۵۱۔فقيه الأمة۔

تبيين الحقائق ج:۴ ص:۱۹۱۔امداديه ملتان۔

فتح القدير ج:۸ ص:۱۸۶۔دار إحياء التراث العربي۔

الفقه الاسلامي ج:۵ ص:۴۰۰۲۔دار الفكر۔

فاتحہ خوانی کا کیا حکم ہے؟

سوال: جو کھانا یا کھانے کی چیزیں محلہ سے فاتحہ کے نام پر آتی ہے اس کا حکم کیا ہے؟ اور اس کا مصرف بھی کھا سکتے ہیں؟ قرآن سنت کے مطابق وضاحت کی جیئے۔

الجواب: حامداً و مصلياً: والله الموفق بالصواب

مروجہ فاتحہ پر جو کھانا بنایا جاتا ہے اس کا کھانا تو ناجائز اور حرام نہیں ہے البتہ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنے کا ثبوت تو شریعت میں ہے لیکن

مروجہ فاتحہ کے طریقے سے ایصال ثواب کرنا جو کہ بہت سی خرافات اور بدعات کو شامل ہے۔
اور اس پر کھانا تقسیم کرنا بے اصل اور بدعت شنیعہ ہے جس کا ترک لازم ہے۔

الدليل على ماقلنا:

عن عبد الله بن عمر رضى الله عنه قال: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تجسوه واسرعوا به إلى قبره وليقرء عند رأسه فاتحة الكتاب وعند رجليه بخاتمة البقرة فى قبره۔ (شعب الايمان للبيهقى ج:۷ ص:۱۶۔رقم الحديث ج:۹۲۹۴)۔

عن عائشة رضى الله عنها قالت قال النبى صلى الله عليه وسلم من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔ (رواه الامام البخارى ج:۱ ص:۳۷۱۔ باب إذا اصطلحوا على صلحٍ جورٍ فهو مردور۔

وفى المسلم ج:۲ ص:۷۷۔باب كراهية قضاء القاضى وهو غضبان۔

وفى ابن ماجه ج:۱ ص:۳۔ باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم والتغليظ على من عارضه۔

مشكاة: ج:۱ ص:۲۷۔

عن العرعباض بن سارية قال۔۔۔ وایاکم ومحدثات الامور فإن كل محدثة بدعة وكل عدعة ضلالة۔ (ابو داؤد شريف ج:۲ ص:۶۳۵۔بلال ديوبند)۔

ولأن حفظ الشريعة من هذه البدع فرض كفاية۔ (الجنة لأهل السنة ص:۱۴۸)۔

قال النووى: البدعة كل شيئى عمل على غير مثال سبق وفى الشرع۔۔۔ إحداث مالم يكن فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (مرقاة المفاتيح ج:۱ ص:۲۱۶۔ملتان)۔

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لانه شرع فى السرور لافى

الشرور وھی بدعة مستقیمة۔ (شامی ج:۲ ص:۲۴۰۔ کراچی پاکستان)۔
خرج الحنفیة بأنه یکره اتخاذ لطعام فی أیام متعارف علیها۔ (الموسوعة الغفقهیة ج:۱۶ ص:۴۵۔ الکویت)۔
ولا ینبغی لأحد الأکل منه إلا أن یکون الذی صنعه من الورثة بالغاً رشیداً فلا حرج فی الأکل منه۔ (الفواکه للدوانی ج:۱ ص:۲۸۵)۔
وقال ابن حجر الھیثمی: وقال أعتید من جعل أھل المیت طعاماً لیدعو الناس علیه بدعة مکروة کإجابتھم لذلک۔ (تحفة المحتاج ج:۳ ص:۲۰۷)۔
عن ابراھیم بن سبرة قال قال رسول اللہ ﷺ من وقر صاحب بدعة فقد أعان ھدم الاسلام۔ (مشکاۃ المصابیح ج:۱ ص:۳۱۔ ملتان دیوبند)۔

عالم کو گالی دینے سے بیوی پر طلاق ہو جاتی ہے

سوال: جس نے عالم کو گالی دی اور برا بھلا کہا ایسا شخص دائر ایمان سے خارج ہے امام محمدؒ اور دیگر فقہاء کے نزدیک اس گستاخ و بے ادب کی بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی دریافت طلب امر یہ ہے۔ یہ کس حد تک صحیح ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حدیث پاک میں ہے کہ کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے، کسی عالم کی شان میں برا بھلا کہنا گناہ کبیرہ ہے، اور اس پر شریعت میں سخت وعید وارد ہے، حتی کہ حضرت فقہاء لکھتے ہیں کہ ایسے آدمی کی گواہی مقبول نہیں ہوگی، لیکن ایسے آدمی کا کافر ہو جانا اور اس کی بیوی پر طلاق بائن کا واقع ہونے کی صراحت فقہ کی کسی کتب معتبرہ میں نہیں ملتی، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ: ولم یعلل أحد لعدم قبول شھادتھم بالکفر۔

جو لوگ حضرات صحابہ اور تابعین اور علماء کی شان میں برا بھلا کہتے ہیں کسی نے اس کی گاہی قبول نہ ہونے کو کفر کا سبب نہیں قرار دیا ہے۔ لیکن فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ جو عالم کی

شان میں برا بھلا کہتا ہے اس پر کفر کا ڈر ہے یعنی اگر کہنے والا کا مقصد اگر توہین دین اور شریعت کی حقارت ہو تب تو وہ کافر ہو جائے گا اہل السنہ والجماعت کے مسلک کے مطابق ارتکاب کبیرہ اور فسق سے دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا ہے۔ لیکن ''عثمان بن حسن الشاکر الحفیری نے اپنی کتاب درۃ الناصحین فی الوعظ والارشاد میں ''المجلس الثالث فی فضلۃ العلم'' عنوان کے تحت ''فتاویٰ بدیع الدین'' کے حوالے سے نقل فرمایا کہ:

''من استخف بالعالم یکفر وتطلق امرأتہ'' جو عالم کو توہین کرتا ہے وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگی۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جس کا مقصد ہو علم کی اہانت اور دین کی استہزاء ہے اور یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے۔ مصنف ؒ اس عبارت سے جیسے انہوں نے اسی صفحہ میں کواشی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور فتاویٰ عالمگیری کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔
(رواہ الامام المسلم ج:۱ ص:۵۸۔ مکتبہ فیصل دیوبند۔

الکبیرۃ لا تخرج العبد المؤمن من الإیمان لبقاء التصدیق الذی ھو حقیقۃ الإیمان خلافاً للمعتزلۃ زعموا أن مرتکب الکبیرۃ لیس بمؤمن ولا کافرٍ۔ (شرح العقائد ص: ۸۲۔ رشیدیۃ دھلی)۔

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: قال اللہ تعالیٰ من عادی لی ولیاً فقد أذنتہ بالحرب۔ (الصحیح البخاری ج:۲ ص:۹۶۳۔ یاسر ندیم دیوبند)۔

وعلماء السلف من السابقین ومن بعدھم من التابعین أھل الخیر والآثر وأھل الفقہ والنظر والا بذکرون الا بالجمیل ومن ذکرھم بسوء فھو علی غیر السبیل۔ (العقیدۃ الطحاویۃ ص: ۷۴۰)۔

وروی عن الإمام أحمد رحمه الله أنه قال لحرم العلماء مسمومة من شمها مرض ومن أكلها مات۔ (المعيد فی أدب المفيد والمستفيدين لعبد الباسط بن موسیٰ العلموی ص: ۷۱)۔

ونعو ما قيل من طعن فی علماء الأمة فلا يلو من إلا أمه۔۔۔۔ والأولى أن يقال سقوط العدالة بسب مسلم وان لم يكن من السلف۔ (سكب الانهر ج:۳ ص: ۲۷۸۔ فقيه الامة)۔

ولا تقبل شهادة من يظهر سب السلف كالصحابة والتابعين ومنهم أبو حنيفةؒ وكذا العلماء لظهور فسقه۔ (فتح القدير ج:٦ ص: ۴۸٦۔ دار إحياء التراث العربی)۔

أو يظهر سب السلف لظهوره فسقه كما فی النهاية السلف الصحابة والتابعون وأبو حنيفة وزاد فی الفتح وكذا العلماء۔ (البحر الرائق ج:۷ ص: ۹۲۔ سعيد كراچی)۔

ولم يعلل أحد لعدم قبول شهادتهم بالكفر كما ستری۔ (شامی ج:۴ ص: ۲۳۷۔ كراچی)۔

الفقه الاسلامی ج:۸ ص: ٦۰۴۔ دار الفكر۔

قال الصدر الشهيد فی فتاویٰ بديع الدين: من استخف بالعالم يكفر وتطلق امرأته۔ (درة الناصحين فی الوعظ والارشاد ص: ۲۲)۔

يخاف عليه الكفر من شتم عالماً أو فقيهاً من غير سبب۔ (الفتاویٰ الهنديه ج:۲ ص: ۲۷۰ رشيديه)۔

لأنهو خواص المؤمنين من أعمل لسانه بالثلب ابتلاه الله قبل موته مرض القلب كما ذكر ابن عساكر فی تبيين كذب المفتری۔ (التعليق على العقيدة الطحاوية ص: ۳۰)۔

باپ کی توہین کرنے کا حکم

سوال: باپ کی توہین وتذلیل کرنے والے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ مدلل و مفصل جواب سے نوازیں

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

دین اسلام میں توحید وعبادت کے بعد والدین کی اطاعت کا ایک اہم مقام ہے۔رب تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اپنی عبادت کو لازم بنادیا اور والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کو حق قرار دیا ہے۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کے ساتھ نافرمانی کرنا ہے۔مخلوق میں کسی کا احسان اس قدر نہیں ہے جتنا احسان والدین کا اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔

’’ہل جزاء الاحسان اِلا الاحسان‘‘ نیکی کا بدلہ نیکی کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے؟

اولاد پر یہ فرض بنتا ہے کہ اپنے ماں باپ کے حقوق کی طرف خیال رکھے۔تاکہ ان کو کسی طرح کی تکلیفیں نہ پہونچیں۔

حتیٰ کہ حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ: نفل روزہ رکھنے والے کے لئے زوال کے بعد کسی قسم کے عذر کے سبب روزہ توڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔البتہ اگر روزہ توڑنے میں والدین کا حکم ہوتو روزہ توڑسکتا ہے۔تاکہ والدین کی نافرمانی نہ ہو۔حضرت امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ کچھ گناہ ایسے ہیں کہ جس کے مرتکب پر زوال ایمان کا خطرہ ہے۔

ومن ذلک حقوق الوالدین: ان میں سے والدین کی نافرمانی قابل ذکر ہے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ گناہ کبیرہ میں سب سے بڑا گناہ والدین پر لعنت کرنا ہے۔

نسائی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا جو والدین کی نافرمانی کرتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی والدین کی رضامندی میں

ہے اور رب کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔

ترمذی شریف کی دوسری ایک روایت میں ہے کہ: تین قسم کے لوگوں کی دعائیں بلاشبہ قبول کی جاتی ہے۔

والدین کی بددعاء اپنی اولاد کے لئے۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ والدین تمہاری جنت ہے یا جہنم ہے یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کروگے تو جنت میں جاؤ گے اگر بدسلوک کروگے تو جہنم میں جانا ہوگا۔

مشکاۃ شریف کی روایت میں ہے کہ اکثر گنہوں کے سزا میں تاخیر ہوتی ہے مگر چند گنہوں کے علاوہ جنمیں والدین کی نافرمانی بھی ہے۔

احادیث کی روشنی میں چند ایسی صورت درج ذیل ہیں جو والدین کی نافرمانی میں شامل ہے۔

والدین کے ساتھ بات کرنے کے وقت آواز اونچی کرنا اور ان کے حکم کی طرف توجہ نہ دینا۔ اور والدین جب بلائے تب بوجھ سمجھ کر اپنی زبان سے اُف نکلنا۔

والدین کے ساتھ ایسے معاملہ کرنا جو حزن وغم کا ذریعہ بنتا ہے۔

دوسرے کے سامنے والدین کو برا بھلا کہنا۔

والدین جب اپنی اولاد کی طرف محتاج ہوتے ہیں تب ان کو چھوڑ کے چلے جانا۔

والدین کے ساتھ نافرمانی کرنے والوں کی کچھ دنیاوی سزا ہے

دنیاوی کسی کام میں بھی ان کو راحت محسوس نہیں ہوگی۔ اور ہمیشہ غمگین اور۔

اپنے مال اولاد بیوی میں برکت نہیں ہوگی اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھی ہیں وہ عنقریب زائل ہوجائیگی۔

اور ہمیشہ اس فکر میں رہے گا کہ وہ کونسی چیز جو ہماری زندگی کو خوش گوار بنائے گی۔

اور ان کے اولاد بھی ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریگا جیسا معاملہ اس نے اپنے والدین

کے ساتھ کیا ہے۔ کما تدین تدان۔

والدین کی دعاء اپنی اولاد کے حق میں بلا شبہ قبول کی جاتی ہے۔ پتہ نہیں ہے کب والدین کی زبان سے کیا نکل جاتا ہے۔

موت کے وقت ان کی زبان سے کلمہ نہ نکلنے کا خطرہ بھی ہے۔

کما فی تفسیر القرطبی

الدلیل علی ما قلنا:

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إن من اکبر الکبائر أن یلعن الرجل والدیہ قبل یا رسول اللہ وکیف یلعن الرجل والدیہ قال یسب الرجل أباہ فیسب أباہ ویسب أمہ۔ (رواہ البخاری ج: ۲ ص: ۸۸۳۔ یاسر ندیم دیوبند)۔

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ثلاث دعواتٍ مستجبات۔ لاشک فیہن دعوۃ المظلوم ودعوۃ المسافر ودعوۃ الوالد علی ولدہ۔ (رواہ الترمذی فی سننہ ج: ۲ ص: ۱۲۔ مکتبہ بلال)۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یدخل الجنۃ منان ولا عاق ولا مُدمِنُ خمرٍ۔ (رواہ النسائی فی سننہ ج: ۲ ص: ۲۸۲۔ مکتبہ بلال دیوبند)۔

عن أبی أمامۃ أن رجلاً قال: یا رسول اللہ ما حق الوالدین علی ولدھما؟ قال ھم جنتک ونارک۔ (رواہ ابن ماجہ فی سننہ ج: ۲ ص: ۲۶۰۔ یاسر ندیم دیوبند)

عن أبی بکرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کل الذنوب یغفر اللہ منہا إلا حقوق الوالدین فإنہ یعجل لصاحبہ فی الحیاۃ قبل الممات۔ (مشکاۃ المصابیح ج: ۲ ص: ۴۲۱۔ مکتبہ ملت دیوبند)۔

عن عبد اللہ عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: رضا الرب فی

رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد۔ (رواه الترمذی فی سننه ج:۲ ص:۱۲ ۔بلال دیوبند)۔

من الذنوب ما یستوجب صاحبه نزع الإیمان ویخاف من ذلک حقوق الوالدین۔ (فی تفسیر قوله تعالیٰ: واتقوا النار التی أعدت للکافرین۔ (تفسیر القرطبی ج:۴ ص:۲۰۲ ۔دار إحیاء التراث العربی)۔

الا إذا کان بعدم الفطر بعده حقوق لأحد الوالدین۔ (مجمع الأنهر ج:۱ ص:۳۸۸۔فقیه الأمة)۔

البحر الرائق ج:۲ ص:۲۸۷ ۔سعید کراچی۔

سئل عن رجل یَسِفُه علی والدیه مما یجب علیه؟ فأجاب إذا شتم الرجل أباه واعتدی علیه فإنه یجب أن یعاقب عقوبه بلیغة تردعه وأمثاله عن مثل ذلک۔ (مجمع الفتاویٰ ج:۳ ص:۲۲۶)۔

جھوٹ بولنا دوسرے پر بہتان باندھنا کیسا ہے؟

سوال: ایک شخص جھوٹ بولتا ہے دوسرے پر بہتان باندھتا ہے الزام تراشی کرتا ہے کہتا ہے کہ اس نے میرے اوپر جادو کر دیا جبکہ یہ ساری باتیں دوسرے کو رسوا کرنے کے لئے کہتا ہے۔ایسے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے جواب سے سرفراز فرمائے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

کامل مسلمان تو وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور پاؤں سے دوسرے لوگ محفوظ و مامون ہوں۔وہ کسی پر ظلم نہیں کرے اور کسی کو رسوا بھی نہیں کرے اور نہ کسی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے جو لوگ بلا سبب کسی مسلمان کو رسوا کرتے ہیں یا تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔وہ جھوٹ اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی مسلمان پر تہمت لگانا اور اس کو رسوا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

شریعت کے لحاظ سے اسے آدمی کو فاسق کہا جاتا ہے۔جس کو دین کے ہر شعبے میں پیچھے رکھا گیا۔ چنانچہ اس کی امامت مکروہ اس کی شہادت مردود ہے۔کما ہو مذکور فی کتب الفقہ۔ ایسے آدمی سے محبت نہ رکھنا چاہیئے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکوا النار۔

البتہ ایسے آدمی کی توبہ تو قابل قبول ہے۔تو ان کو چاہئے جلد جلد توبہ کریں اپنی اصلاح کی فکر کریں اور اپنی آخرت کو تباہی سے بچائیں۔واللہ غفور الرحیم۔

الدليل على ما قلنا:

والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا فقد احتملوا بهتاناً واثماً مبيناً۔ (سورة الاحزاب رقم الآية:۵۸)۔

عن عبيد الله بن عمر رضى الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول۔ (فى حديث طويل) من قال فى مؤمنٍ ماليس فيه اسكنه الله ردغة الخبال حتى يخرج مما قال۔ (ابو داؤد شريف ج:۲ ص:۵۰۶۔مكتبه بلال۔ديوبند)۔

عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: (فى حديث طويل) من قال فى مؤمنٍ ما ليس فيه اسكنه الله ردغة الخبال حتى يخرج مما قال۔ (ابو داؤد شريف ج:۲ ص:۵۰۶۔مكتبه بلال۔ديوبند)۔

عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تناجسوا ولا تدابروا ولا بيع بعضكم على بيع بعض، وكونوا عباد الله اخواناً المسلم أخوا المسلم۔ لا يظلمه ولا يخذ له ولا يحقره۔ (الصحيح للامام المسلم ج:۲ ص:۳۱۷)۔

أذية المؤمنين والمؤمنات وهى أيضاً بالأفعال القبيحة كالبهتان والتكذيب۔ (الجامع لأحكام القرآن ج:۱۴ ص:۲۴۰۔دار إحياء التراث العربى)۔

فاياكم وأذى المؤمن۔ فإن الله يحوطه ويغضب له۔ (تفسير الطبرى ج:۹

ص:۲۷۸۔بیروت)۔

ان الفسق تارة يكون بترك الفرائض وتارة بفعل المحرمات۔ (الموسوعة الفقهية ج: ۳۲ص: ۱۴۱)۔

تقبل توبة الفاسق إذا اجتمعت شروطها۔ إلا ثلاثة اختلف الفقهاء فى قبول توبتهم۔ (هم الزنديق والساحر ومن تكررت ردته۔ (المصدر السابق ج: ۳۲ ص: ۱۴۵)۔

کتاب الحضانہ کے ایک مسئلے میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اور حبیب الفتاویٰ کے ظاہر تعارض اور اس کا حل

باسمہ تعالیٰ

واٹساپ میں ’’دارالافتاء والارشاد‘‘ اور تلیغرام میں ’’حبیب الفتاویٰ‘‘ چینل کے ذریعے شائع کیا ہوا مسئلہ نمبر ۱۶ میں ایک محترم دوست نے لکھا ہے کہ ’’لڑکی ماں کے پاس نو سال رہے گی یا بالغہ ہونے تک دارالعلوم کا موقف دیکھ لینا چاہئے‘‘۔

تو فتاویٰ دارالعلوم میں جلد نمبر ۱۱ صفحہ نمبر ۸۳ پر لکھا ہوا ہے کہ لڑکی بالغہ ہونے تک رہے گی۔لیکن ایک بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس مسئلے میں حضرات فقہاء حنفیہ کی دو روایتیں ملتی ہیں کہ شیخین کے نزدیک بالغہ ہونے تک ماں کے پاس رہے گی۔اور امام محمدؒ کے نزدیک حد شہوت میں پہونچنے تک رہے گی۔اور فقیہ ابواللیث السمرقندی نے شہوت کی حد نو سال قرار دیا۔

تكون الجارية عند الأم والجدة حتى تحيض عند الشيخين وعند محمد حتى تشتهي ۔(مجمع الأنهر ج:۱ ص:۱۶۹)۔

پہلی روایت کو صاحب الدرالمختار العلامہ علاءالدین حصکفیؒ نے ظاہر الروایہ قرار دیا ہے۔

الأم والجدۃ أحق بہا حتی تحیض أی تبلغ فی ظاہر الروایۃ۔

اور دوسری روایت جو حضرت امام محمدؒ سے مروی ہے اس کو صاحب ملتقی الابحر نے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ۔ وبہ یفتی لفساد الزمان۔ (ج:۱ص:۲۹۹)۔

اور صاحب الدر المنتقی لکھتے ہیں کہ وعلیہ الاعتماد ج:۱ص:۱۶۹۔

اور صاحب البحر الرائق ابن نجیم الحنفی المصری نے امام محمدؒ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد کئی کتابوں کی عبارتوں سے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ نقایہ میں ہے کہ۔ خلاصہ اور غیاث المفتین میں ہے کہ۔ والاعتماد علی ہذہ الروایات لفساد الزمان۔ **وھو المعتبر لفساد الزمان۔** اور التبیین میں ہے کہ **وبہ یفتی فی زماننا لکثرۃ الفساد۔**

اس کے بعد صاحب بحر نے لکھا ہے کہ **"الحاصل الفتویٰ علی خلاف ظاہر الروایۃ"۔ (البحر الرائق ج:۴ص:۱۷۰۔ سعید کراچی)۔**

ہم اپنے اکابرین کو دیکھتے ہیں کہ بعضوں نے قول اول پر فتویٰ دیا جیسا کہ فتاویٰ دار العلوم میں ہے۔

اور بعضوں نے دوسرے قول پر فتویٰ دیا۔ جیسا کہ کفایۃ المفتی۔ (ج:۶ص:۲۲۴) میں ہے۔

اور ہمارے حبیب الفتاویٰ ج:۴ص:۲۰۲۔ میں بھی ایسا ہی ہے۔

"ما بین بیتی ومنبری رمضۃ من ریاض الجنۃ" حدیث کی تحقیق

سوال: کیا کوئی حدیث ہے **ما بین بیتی ومنبری رمضۃ من ریاض الجنۃ**۔ میں نماز پڑھنے کی براہ کرم ارسال کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حدیث پاک میں ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے گھر اور منبر کے بیچ جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ حضرات فقہاء باب زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں ذکر کرتے ہیں کہ جو شخص روضہ اطہر کی زیارت کرے وہ بہت خشوع خضوع اور

انتہائی احترام کے ساتھ زیارت سے پہلے اس مبارک جگہ میں دو رکعت نماز پڑھے۔ اور زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بڑی نعمت کی توفیق ملی اس کا شکریہ ادا کرے۔ لیکن آج کل تو وہاں بہت بھیڑ رہتی ہے۔ اور اگر وہاں پہونچنے میں مزاحمت کرنی پڑے تو اس کو چھوڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ البتہ اس کو واجب اور لازم نہ سمجھے۔

الدليل على ما قلنا:

عن عبد الله بن زيد المازني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما بين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة۔ (مؤطا لإمام مالک، باب ماجاء في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم ص: ۱۱۴۔ بيروت)۔

الصحيح للمسلم: باب فضل ما قبره صلى الله عليه وسلم۔ ومنبره وفضل موضع منبره۔ ج: ۱ ص: ۴۴۶۔ (فيصل)۔

الجامع للترمذي: باب ماجاء في فضل المدينة۔ (ج: ۲ ص: ۲۲۹)۔ مكتبه بلال۔

سنن النسائي: باب ماجاء في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم والصلاة فيه۔ (ج: ۱ ص: ۸۱۔ مكتبه بلال)۔

والحضور عنده لملازمة الأعمال الصالحه تورد صاحبه الحوض ويقتضي شربه منه۔ (تنوير الحوالک ص: ۲۲۸۔ أوجز المسالک ج: ۴ ص: ۲۰۴۔ مركز الشيخ)۔

فتح الملهم ج: ۶ ص: ۵۳۲۔ فيصل ديوبند۔

ويدخل من باب جبرائيل وغيره كباب السلام فإذا دخلله قصد الروضة المقدس مع ملازمة الهيئة والخضوع والذلة على وجه يليق بالمقام۔ (ارشاد الساري إلى مناسک الملا على القاري ص: ۵۵۷۔ دار الكتب العلمية بيروت)۔

ثم یدخل المسجد الشریف فیصلی تحیة عند منبرہ رکعتین ویقف بحیث یکون عمود المنبر الشریف بحذاء منکبه الأیمن فهو موقف النبی صلی اللہ علیه وسلم، ما بین قبرہ ومنبرہ روضة من ریاض الجنة، کما اخبر به صلی اللہ علیه وسلم۔
مراقی الفلاح علی نور الایضاح مع حاشیة الطحطاوی ص:۷۴۷۔ دار الکتاب فصل زیارة النبی صلی اللہ علیه وسلم۔
ویسجد للہ شکراً علی هذہ النعمة الجلیلة ویدعو بما یجب ثم ینهض فتوجه إلی القبر الشریف۔ (مجمع الأنهر علی ملتقی الابحر ج: ۱ ص: ۴۶۳۔ فصل ومن المهمات فقیه الأمة)۔
ان المندوبات تنقلب إلی المکرهات إذا رفعت عن رتبتها۔ (فتح الباری ج: ۲ ص: ۳۳۸۔ بیروت۔

مدرسین یا ملازمین کے لئے مدارس میں جو قانون ہوا کرتا ہے اسے ماننا ضروری ہے؟

سوال: ہندوستان میں جو مدارس ہیں ان مدارس کا اپنا الگ الگ ضابطہ و دستور ہے، جو مدرس یا ملازم جس مدرسہ میں ملازمت کرے۔ اس کے لئے اس مدرسہ کا قانون و دستور کو ماننا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

مدرسین اور ملازمین کے لئے مدارس میں جو قوانین اور ضوابط مقرر کئے جاتے ہیں۔ ہر ایک مدرس یا ملازم کو اس کی رعایت کرنا اس کو ملحوظ رکھ کر چلنا از قبیل فرائض میں سے ہے۔ اور اس کا پابند ہونا ضروری ہے۔ سوائے وہ قانون جو خلاف شریعت ہو۔ لیکن عموماً مدارس کا قانون اصول شرع کے مطابق ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی اعتبار سے ان کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ آج

کل تو اکثر مدارس میں ایسا ہو گیا کوئی مدرس یا ملازم اپنا نام اساتذہ یا ملازمین کی فہرست میں اندراج کروانے سے پہلے اس ادارے کے قوانین اور ضوابط ماننے پر دستخط کرنا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تو اس کے قانون وضوابط کو ماننا لازم وضروری ہوتا ہے۔ جو ایک سچے مؤمن کی پہچان ہے اور اس کے خلاف چلنا اور اس کی مخالفت کرنا یعنی اپنے وعدے کے خلاف کرنا منافقین اور غداروں کی علامت ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن عوف المزنی عن أبیه عن جده أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون علی شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً۔ (سنن الترمذی ج: ۱ ص: ۲۵۱۔ بلال دیوبند)۔ ابواب الاحکام۔

عن الحسن قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ (المصنف لابن أبی شیبة ج: ۱۸ ص: ۲۴۷۔ کتاب السیر المجلس العلمی۔ بیروت)۔

وإذا شرط المکتری علی الأجیر أن یعمل بنفسه لزمه ذلک لأن العامل تعین بالشرط۔ (الموسوعة الفقهیة ج: ۱ ص: ۲۹۷)۔

مدارس کے مہتمم کی حیثیت

سوال: مدارس کے مہتمم کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کی حیثیت امیر کی ہے؟ جس کی سمع وطاعت ضروری ہے یا کچھ اور ہے؟ امید ہے کہ جواب سے سرفراز فرمائیں گے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مہتمم کی حیثیت تو امیر کی حیثیت کی طرح نہیں ہے، لیکن چونکہ ذمہ داران مدرسہ مہتمم صاحب کو نائب بناتے ہیں۔

اور کسی بھی لوگ اس میں تدریس یا ملازمت کی ذمہ داری لینے سے پہلے اس شرط پر دستخط کرتا ہے کہ کسی قسم کا قانون بھی اگر دفتر اہتمام کی جانب سے پیش کیا جائے وہ قبل منظور ہے۔ ایسی صورت میں تو مہتمم صاحب کے ہر قسم کے قانون کے تابعداری بننا ضروری ہے سوائے وہ قانون جو خلاف شریعت ہو۔

الدليل على ما قلنا:

عن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً، والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرّم حلالاً، أو أحل حراماً۔ (سنن الترمذي ج: ١ ص: ٢٥١۔ مكتبه بلال ديو بند)۔

عن الحسن قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق۔ (المصنف لابن أبي شيبة ج: ١٨ ص: ٢٤٧۔ كتاب السير المجلس العلمي)۔

وإن شرط المكترى على الأجير أن يعمل بنفسه لزمه ذلك لأن العامل تعين بالشرط۔ (الموسوعة الفقهية ج: ١ ص: ٢٩٧)۔

النائب مثل الأصيل۔ (شامي ج: ۴ ص: ۴۲۰۔ كراچي۔

ابھی شریعت کو چھوڑ کہنے کا حکم

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت ہمارے یہاں دو بھائی گھر کے بٹوارہ وغیرہ میں بحث کر رہے تھے۔ ایک بھائی نے کہا کہ شریعت کے مطابق بٹوارہ ہوگا۔ اتنے میں دوسرا بھائی کہتا ہے کہ ''ابھی شریعت کو چھوڑ'' تو ایسے شخص کے نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

بر تقدیر صحت سوال ''ابھی شریعت کو چھوڑ'' کہنے والا کا مقصد اگر یہ ہو کہ شریعت کو

مانتے ہیں، اور اس کے احکام بھی ہر جگہ پر نافذ ہے لیکن ابھی وہ نہیں مان رہا ہے۔ تو ایسی صورت میں گویا کہ وہ شریعت کے احکام نہ ماننے کی وجہ سے نافرمانی کی ہے۔ اور فسق کا مرتکب ہوا ہے۔ لیکن جس نے یہ جملہ کہا ہے اس سے بھی معلوم کرلیا جائے اس کی مراد اس کہنے سے کیا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی ایسی مراد اس کے دل و دماغ میں ہو جہاں تک سامعین کا ذہن نہ پہونچ سکتا ہو۔

چونکہ اسلام اور کفر نازک مسائل میں سے ہے۔ جس میں مکمل احتیاط برتنے کا حکم ہے۔

الدليل على ماقلنا:

إن العبد المؤمن لا يكون كافراً بالفسق والمعصية۔ (الفقه الأكبر ص:۵۷۔ بيروت قديم)۔

إن الفسق تارة يكون بترك الفرائض وتارة بفعل المحرمات۔ (الموسوعة المفقهية ج:۳۲ص: ۱۴۱)۔

قال: من "برسم كارميكخم" يعنى: أنا أفعل بالرسم لا بالشرع يكفر عند بعض المشايخ۔ (الفتاوىٰ الهندية ج:۲ ص: ۲۷۲۔ رشيديه)۔

ومن الإلحاد، الطعن فى الدين مع إدعاء الاسلام۔۔۔ وكذا الميل عن الشرع القديم۔ (الموسوعة الفقهية ج:۳۵ص:۱۵)۔

وإن كانت نيته الوجه الذى يوجب التكفير۔۔۔ يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك وبتجديد النكاح۔ (الفتاوىٰ الهندية ج:۲ ص: ۲۸۳۔ رشيديه)۔

وفى الصغرى: الكفر شيئى عظيم فلا اجعل المؤمن كافراً متى وجدت رواية أنه لا يكفر۔ (النهر الفائق ج:۳ص: ۲۵۳۔ زكريا)۔

لا يفتى بتكفير مسلم إن أمكن حمل كلامه على محملٍ حسنٍ أو كان فى كفره اختلاف ولو رواية ضعيفة۔ (البحر الرائق ج:۵ ص: ۱۲۵۔ سعيد)۔

غیر مسلم کے سوال کے جواب میں کیا کہا جائے؟

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: حضرت ایک غیر مسلم دوست ہے، ان سے اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے، اور ملاقات کے وقت وہ السلام علیکم کہتا ہے۔ تو اس کے جواب میں کیا کہا جائے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر کسی مسلمان کو غیر مسلم نے سلام کردی تو ایسی صورت میں اگر غیر مسلم اکیلا ہو تو صرف علیک کہے۔ اور اگر جماعت ہوں تو صرف علیکم کہے۔ اس سے زیادہ نہ کہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذ سلم علیکم أهل الکتاب فقولوا وعلیکم۔ (رواہ البخاری فی کتاب الاستئذان ج: ۲ ص: ۹۲۵۔ باب کیف الرد علی أهل الذمة۔ یاسر ندیم دیوبند)۔

أخرجه الإمام المسلم فی کتاب السلام ج: ۲ ص: ۲۱۲۔ باب النهی عن ابتداء أهل الکتاب بالسلام و کیف الرد علیهم۔ مکتبہ فیصل دیوبند۔

أخرجه الإمام الترمذی فی کتاب التفسیر۔ فی تفسیر سورة المجادلة ج: ۲ ص: ۱۶۷۔ مکتبہ بلال دیوبند)۔

أخرجه صاحب مشکاة المصابیح ج: ۲ ص: ۳۹۸۔ کتاب الآداب باب السلام مکتبہ ملت دیوبند۔

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: أمرنا أن لا نزید علی أهل الکتاب علی و علیکم۔ (فتح الباری ج: ۱۱ ص: ۵۲۔ بیروت)۔

قال النووی: اتفقوا علی الرد علی أهل الکتاب إذا سلموا لکن لا یقال لهم وعلیکم السلام۔ یعنی لا علیکم السلام ولا علیک السلام۔ بقرینة قوله بل یقال

علیکم فقط أو وعلیکم إذا کانوا جماعة وأما إذا کان منفرداً فلا یأتی بصیغة الجمع لإیهامه التعظیم۔ (مرقاة الفاتیح ج: ۹ ص: ۱۵۱ قدیم)۔

ولو سلم یهودی أو نصرانی أو مجوسی علی مسلم۔ فلا بأس بالرد ولکن لا یزید علی قوله وعلیک۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۶ ص: ۴۱۳۔ کراچی)۔

اشعار کہنے کا کیا حکم ہے

سوال: شریعت محمدیہ میں اشعار کہنے اور سننے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم جواب سے نوازیں

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

استعار کلام کی ایک قسم ہے، اس کا مضمون اگر اچھا ہو جیسے حمد باری تعالیٰ نعت نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ تو اچھا ہے۔

اور اگر اس کا مضمون برا ہو جیسے، جھوٹ، غیبت، تہمت اور عورتوں کے اعضاء کا تذکرہ، فساق کی تعریفیں اور دیگر فحش باتیں وغیرہ تو برا ہے۔

اس لئے احادیث نبویہ اور نصوص شرعیہ میں اس کی مدح و ذم دونوں ملتی ہے۔ دین اسلام کے کسی بھی حکم میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط ہے۔ بلکہ اس دین کا مزاج ہی اعتدالی ہے۔ حضرات محققین لکھتے ہیں کہ:

اشعار میں جس کا مضمون اچھا ہے وہ اچھا ہے۔ اور جس کا مضمون برا ہے وہ برا ہے۔ ''حسنہ حسن وقبیحہ قبیح''، چنانچہ علامہ شامی نے عبد الغنی النابلسی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ: اشعار تین قسم کے ہیں:۔ (۱) مباح: یعنی جس پر نہ کوئی اجر ہے اور نہ کوئی وعید ہے۔ (۲) مثاب: یعنی جس پر اجر ملتا ہے۔ (۳) منہی عنہ: یعنی جس پر اجر ملتا ہے۔

اور اس پر ہی محمول ہے علامہ ابن نجیم الحنفی المصری صاحب البحر الرائق کا قول:

ومندوب وهو الوضوء۔۔۔۔عن الکذب وانشاد الشعر۔

یعنی انشاد شعر کے بعد وضو کرنا مستحب ہے۔ اسی لئے ذخیرہ احادیث میں اشعار کی

مذمت کی روایت بھی ملتی ہے۔اور مدح کی روایت بھی ملتی ہے۔

الدليل على ماقلنا:

عن أبی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: أشعر كلمة تكلمت بها العرب كلمة بيد: ألا كل شيئ ما خلا الله باطل۔ هذا حديث حسن صحيح۔ (سنن الترمذی ج: ۲ ص: ۱۱۲۔باب ماجاء فی انشاد الشعر)۔

عن ابن عمر عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: لأن يمتلی جوف أحدكم قيحاً خير من أن يمتلی شعراً۔ (الصحيح للإمام البخاری ج: ۲ ص: ۹۰۹۔ باب فی هجاء المشركين)۔

قال الشافعی عليه الرحمة: الشعر حسنه كحسن الكلام، وقبيحه كقبيحه۔ (الموسوعة الفقهية ج: ۲۶۔ص: ۱۱۳)۔

الشعر كالنثر يحمد حين يحمد ويذم حين يذم۔ (شامی ج: ۱ ص: ۲۶۰۔أحكام المساجد كراچی)۔

إن الوضوء ثلاثة أنواعٍ: فرض وهو لصلاة الفريضة۔۔۔۔ وواجب وهو الوضوء للطواف بالبيت ومندوب وهو الوضوء للنوم۔۔۔۔۔ وعن الغيبة والكذب وانشاد الشعر۔ (البحر الرائق ج: ۱ ص: ۱۶۔سعيد باب فرائض الوضوء)۔

قال سيدی العارف بالله تعالیٰ عبد الغنی النابلسی: فی شرحه علی هداية ابن العماد: إعلم أن الشعر ثلاثة انواع۔مباح ومثاب ومنهی عنه۔ (منحة الخالق علی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۱۶۔سعيد)۔

میت کی یاد سے اگر کوئی اچھا یا بڑا کام کیا جائے تو کیا اس سے میت کو حصہ ملتا ہے

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: حضرت والا سے ایک بات معلوم کرنی تھی، اور وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں میت کی یاد سے کچھ پروگرام کیا جات ہے، جن میں کچھ تو اسلامی پروگرام ہوتے ہیں مثلاً قرآن خانی، یا اصلاحی معاشرہ کے نام سے پروگرام رکھا جاتا ہے۔تو دوسری طرف سے کچھ خواہش پسند آدمی ہوتے ہیں۔جو میت کے نام سے غیر اسلامی پروگرام کرتے ہیں، مثلاً گانا بجانا یا قوالی کا پروگرام یا اشعار کا نام رکھا جاتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ میت کے نام سے جو غیر اسلامی پروگرام کیا جاتا ہے۔اس کی وجہ سے میت کو سزا ہوگی یا نہیں؟ براہ کرم جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر میت کی یاد سے کوئی اسلامی کام کیا جائے اور وہ میت بھی اس کا موجد یا وصی ہو تو س مرحوم کو بھی اس سے کچھ سزا ہوگی اگر اس مرحوم کو اس سے کوئی تعلق نہ ہو نہ وہ اس کا موجد ہے اور نہ اس نے اس کی وصیت کر کے گیا ہے تو ایسی صورت میں اس کو سزا نہیں ہوگی۔

الدلیل علی ما قلنا:

قوله تعالیٰ: ولا تزر وازرة وزر أخری۔ (سورة النجم، رقم الآية ج:۳۸)

عن ابن عمر رضی اللہ عنه۔ عن النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ قال: المیت یعذب فی قبره بمانیح علیه۔ (رواه مسلم فی صحیحه ج: ۱ ص: ۳۰۲۔ کتاب الجنائز والإمام البخاری فی صحیحه ج: ۱ ص: ۲۵۲۔ فی کتاب الجنائز)۔

لا تؤخذ نفس بذنب غیرها۔ بل کل نفس مأخوذة بجرمها۔ ومعاقبه بإثمها۔ (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ج:۷ ص:۱۵۷۔ دار إحیاء التراث العربی)۔

تفسیر الطبری ج:۵ ص:۲۵۴۔ بیروت۔

ونقله النووی عن الجمهور: أنهم تأولوا ذلک علی من وصی أن یبکی علیه وینا ح بعدموته، فنفذت وصیته۔ (عمدة القاری ج:٦ ص:۱۰۹۔ زکریا)۔

هکذا فی فتح الملهم ج:٦ ص:۱۴۔ فیصل دیوبند۔

وتأویل الحدیث أنهم فی ذلک الزمان کانوا یوصون بالنوح۔ فقال علیه السلام ذلک۔ (شامی ج:۲ ص:۲۴۶۔ کراچی)۔

البحر الرائق ج:۲ ص:۱۹۳۔ سعید۔

لنگڑا اور جھینگا کھانے کا کیا حکم ہے؟

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: حضرت اقدس دامت برکاتہم امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوانگے، عرض یہ ہے کہ کیکڑا اور جھینگا کھانے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اللہ تعالیٰ نے سمندر کے شکار کو حلال قرار دیا ہے۔ اور حدیث پاک کی روشنی میں اس شکار سے صرف مچھلی مراد ہے۔ جھینگا کے مچھلی ہونے یا نہ ہونے میں حضرات اکابرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے مچھلی میں شمار کرتے ہیں جبکہ دوسرے بعض حضرات نے اس کو مچھلی میں شمار نہیں کرتے ہیں۔ اور اسی اختلاف پر کھانے کے حکم کی بنیاد ہے۔ احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے جھینگا استعمال نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اسے استعمال کرنے والوں کو حرام خور بھی نہیں کہا جائے گا۔

کیکڑا کے بارے میں حضرات حنفیہ کا متفقہ قول ہے کہ یہ مچھلی کے قبیل سے نہیں ہے۔ لٰہذا یہ حرام ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

قوله تعالیٰ: أحل لکم صید البحر و طعامه۔ (سورة المائدة رقم الآیة: ۹۶)۔

قوله تعالیٰ: ویحرم علیهم الخبائث۔ (سورة المائده رقم الآیة: ۳)۔

عن ابن عمر رضی الله عنه قال: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ قال: أحلت لنا میتتنا: الحوت، والجراد۔ (سنن ابن ماجه ص: ۲۳۲۔ کتاب الصید)۔ (سنن الدارقطنی ج: ۴ ص: ۱۸۴۔ کتاب الأشربة وغیرها)۔

فلا یجوز اتفاقاً کحیات، وضب، وما فی بحر کسرطان، إلا السمک، (الدر المختار مع الشامی ج: ۵ ص: ۶۸۔ کراچی)۔

والضفدع، والسرطان والحیة ونحوها، من الخبائث۔ (بدائع الصنائع ج: ۴ ص: ۱۴۴۔ کتاب الصید زکریا)۔

مسالک اربعہ اہل سنت والجماعت میں شامل ہے

سوال: آپ کا یہ نمبر مجھے آپ کا چینل "حبیب الفتاویٰ" سے ملا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت میں مسالک اربعہ شامل ہیں؟ یا صرف اس میں ہمارے علماء دیوبند ہی ہیں؟ اس کی وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے اس جماعت کو جس پر "ما أنا علیہ وأصحابی" کا اطلاق ہوتا ہے اور مسالک اربعہ کے ماننے والے بھی اس میں داخل ہیں اور علماء دیوبند بھی۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن عبد الله بن عمر، رضی الله عنهما، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ لیأتین علی أمتی ما أتی علی بنی اسرائیل، حذو النعل بالنعل حتی إن کان منهم من أتی أمه علانیة لکان فی أمتی ما یصنع ذلک، وإن بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین

وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملةِ كلهم في النار إلا ملة واحدة، قالوا: من هي يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي۔
(أخرجه الترمذي في سننه ج: ۲ ص: ۹۳) باب افتراق الأمة۔
أخرجه الإمام أبو داؤد في سننه ج: ۲ ص: ۶۳۱۔ في باب شرح السنة من كتاب السنة۔
وهكذا أخرجه الإمام ابن ماجة۔ بتغير يسير۔ في سننه: ص: ۲۸۷۔ في باب افتراق الأمم من: ابواب الفتن۔
أخرجه البغوي في مصابيح السنة۔ ص: ۳۰۔ في باب الاعتصام بالكتاب والسنة۔
والفرق الناجية: هم أهل السنة البيضاء المحمدية والطريقة النقية الأحمدية، ولها ظاهر، سمي بالشريعة شرعة العامة، وبالطن، سمي بالطريقة منهاجاً للخاصة، وخلاصة خصت باسم الحقيقة، معراجاً لأخص الخاصة۔ (مرقاة المفاتيح ج: ۱ ص: ۲۴۸۔ قديم)۔

بینک میں نوکری کرنے کا حکم

سوال: ہر ایک دوست بینک میں نوکری کرتا ہے کیا بینک میں نوکری کرنا جائز ہے؟ اگر میرے دوست کا کوئی اور ذریعہ معاش نہ ہو اس کے علاوہ تو کیا یہ نوکری جاری رکھ سکتا ہے؟ تفصیلی جواب ارسال کر کے عند اللہ ماجور رہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سود لینا، سود دینا، اور اس کا حساب لکھنا، اور اس کی گواہی دینا باعث لعنت ہے۔ آج کل تو اکثر بینکوں میں سود کا معاملہ ہوتا ہے، اس لئے بینک میں بطور کیشیر، کلرک، منیجر، کام کرنا درست نہیں ہے، البتہ بعض حضرات نے بینک میں چوکیداری، چپراسی کی ملازمت کو جائز

رکھا ہے۔ بشرطیکہ اعانت علی المعصیہ کی نیت نہ ہو۔لیکن یہ بھی بہتر نہیں ہے۔ جلد از جلد دوسری کسی نوکری کو تلاش کرے۔ یہ کوئی عذر نہیں ہے کہ اس کے علاوہ ہمارا اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ بلکہ رزاق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔حلال ذرائع بہت ہیں، ان کو تلاش کرنا چاہئے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) وما من دآبة في الأرض على الله رزقها ويعلم مستقرها ومستودعها۔ كل في كتاب مبين۔ (سورہ ھود رقم الآية: ٦)۔

(۲) عن جابر، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ أكل الربا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه۔ وقال: هم سواء۔ (الصحيح لمسلم ج: ۲ ص: ۲۷۔ فيصل)

(۳) عن صفوان بن أمية قال: كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ فجاءه عمرو بن قرة فقال: يا رسول الله إن الله قد كتب على الشقوة۔ فما أراني أرزق إلا من دفي بكفي، فأذن لي في الغناء في غير فاحشة۔ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ لا أذن لک۔ ولا كرامة۔ ولا نعمة عين۔ كذبت، أي عدوّ الله طيّباً حلالاً۔ فاخترت ما حرّم الله عليک من رزقه مكان ما أحل الله عز وجل لک من حلاله۔ (سنن ابن ماجه ص: ۱۸۷۔ باب المخنثين من كتاب الحدود)۔

(التفسير للبيضاوي) تحت قوله تعالىٰ۔ ومما رزقناهم ينفقون۔ ص: ۲۰۔

(۴) فإن كانت الوظيفة تتضمن مباشرة العمليات الربويات، أو العمليات المحرمة لآخرى، فقبول هذه الوظيفة حرام۔ وذلک مل التعاقد بالربو أخذ أو عطاء۔ أو خصم الكمبيلات، أو كتابة هذه العقود۔ أو التوقيع عليها، أو تقاضي الفوائد الربوية۔ أو دفعها، أو قيدها۔۔۔۔ أما إن كانت الوظيفة ليس لها علاقة مباشرة بالعمليات الربوية، مثل وظيفة الحارس۔ أو سائق السيارة۔ أو العامل على الهاتف۔۔۔۔ فلا يحرم قبولها۔ إن لم يكن بنية الإعانة على العمليات

المحرمة۔ (فقه البیوع ج: ۲ ص: ۱۰۶۴ ۔ دار المعارف)۔

(۵) وفی فتاویٰ أهل سمرقند استأجر رجلاً لینحت له مزماراً أو طُنبوراً أو بربطاً ففعل یطیب له الآجر إلا أنه یأثم فی الإعانة علی المعصیة۔ (البحر الرائق ج: ۸ ص: ۲۰ ۔ باب الاجارة العاسدة سعید)۔

اولاد کی شکایت اپنے والدین کہ یہ ہمارا حق ادا نہیں کیا یہ کیسا ہے؟

سوال: کسی کی اولاد باپ سے یہ شکایت کرتی ہے کہ تم نے ہمارا حق ادا نہیں کیا۔ لہٰذا بزبان حال یہ کہتے ہیں قرآن میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی جو آیت (۱۵ نمبر پارہ، وقضی ربک الخ) ہے اس کے ہم مصداق نہیں ہیں۔ کیونکہ تم نے ہمارا حق ادا نہیں کیا۔ تو ہم کیوں تمہارا خیال رکھیں۔ حالانکہ ان کا والد بوڑھا ہے محنت مزدوری کے قابل نہیں ہے (اور لڑکے سب شادی شدہ ہیں کام بھی کرتے ہیں) ان کی یہ سوچ رکھنا اور اس پہ عمل کرنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ہر مسلمان سے چند حقوق کا تعلق ہوا کرتا ہے۔ جیسے والدین، بیوی یا شوہر، اپنی اولاد، اقارب و اعزاء، خادم، غلام، باندی پڑوسی، اور عام مسلمانوں کے حقوق۔

اور ہر حقدار کے حق کو ادا کرنا ضروری ہے۔ ان مذکورہ حقوق میں سے چند حقوق تو ایسے ہیں۔ جو از قبیل فرائض ہیں۔ جیسے والدین کے حقوق۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے بھی تم پر احسان کیا ہے۔

هل جزاء الاحسان إلا الاحسان۔

احسان کے بدلے احسان کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ والدین نے اپنی اولاد کے حقوق ادا کئے یا نہیں؟ وہ اپنی جگہ پر ہے۔

لیکن کیا بغیر ماں باپ کی شفقت و خدمت کے کوئی لڑکا بڑا ہو جاتا ہے لڑکے کا وہ قول جو

سوال میں مذکور ہے بے انتہا قابل مذمت ہے۔اس کے اس جملہ سے دہریت اور کفر کی بو آتی ہے ایسے لڑکے پر لازم ہے فوراً توبہ واستغفار کرے اور اپنے ایمان اور آخرت کو بچانے کی فکر کرے اور ماں باپ کے قدموں میں گر کر اپنی آخرت کو بچائے۔

حدیث پاک میں والدین کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے،اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ۔وإن ظلماه،وإن ظلماه،وإن ظلماه۔

اگر چہ انہوں نے تم پر ظلم کیا ہو۔حضرات مفسرین تو لکھتے ہیں کہ والدین اگر کافر ہوں تب بھی ان کے لئے ہدایت کی دعائیں کرنی چاہئے،اور غور سے دیکھئے روح شریعت اور مسلک فقہاء کو۔۔۔۔

والدین پر اگر اپنی اولاد کا قرض ہو اور اسے وہ ادا نہیں کر پا رہے ہوں تو ان کو اولاد کی قرض کی وجہ سے محبوس نہیں کیا جائے گا۔

اولاد پر اپنے والدین کا نفقہ لازم ہے۔اگر چہ والدین کمائی پر قادر رہوں ایک قول کے مطابق۔

اولاد اگر مالدار ہو،تو والدین کا نفقہ اولاد کے مال سے دیا جائے گا۔

الدليل على ما قلنا:

وقضى ربک الا تعبدوا إلا اياه وبالوالدين إحسانا، إما يبلغن عندک الكبر أحدهما أو كلاهما فلا تقل لهما اف ولا ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما۔ (سورة الاسراء،رقم الآية:۲۳)۔

(۲) عن علي:قال:ان قريشاهم أئمة العرب أبرارها أئمة ابرارها۔وفجارها أئمة فجارها۔ولكل حق فأدوا إلى كل ذي حق حقه۔(المصنف لابن ابی شيبة ج:۱۷ ص:۱۹۱۔كتاب الفضائل المجلس العلمي)۔

(۳) وعن ابن عباس۔رضي الله عنهما۔قال:قال رسول الله۔صلى الله عليه وسلم۔ من أصبع مطبعاً لله في والديه أصبح له بابان مفتوحان من الجنة۔وإن كان واحداً

فواحداً ومن أمسى عاصياً لله في والديه اصبح له بابان مفتوحان من النار۔ إن كان واحداً فواحداً۔
قال رجل: وإن ظلماه؟ قال: وإن ظلماه، وإن ظلماه۔ (مشكاة المصابيح ج: ۲ ص: ۴۲۱۔ ابواب البر والصلة۔ الفصل الثالث۔ مكتبة بلال۔
(۴) قوله تعالیٰ: وبالوالدين إحسانا، لأنها السبب الظاهرى للوجود والتعيش۔ (تفسير المظهرى ج:۵، ص:۲۸۷۔ زكريا ديوبند)۔ تفسير روح المعانى ج: ۹ ص: ۸۷۔
(۵) لأن الوالدين: إذا كانا كافرين، فله أن يدعو لهما بالهداية، والإرشاد، وأن يطلب الرحمة لهما بعد حصول الإيمان۔ (التفسير الكبير ج: ۲۰ ص: ۱۹۱۔ دار إحياء التراث العربى۔ تفسير القرطبى ج: ۱۰ ص: ۲۳۹۔ دار إحياء التراث العربى)۔
(۶) ولا يجس والد وإن علا فى دين ولده وإن سفل۔ (مجمع الأنهر ج: ۲ ص: ۱۹۲۔ فقيه الأمة ديوبند)۔ (شامى ج: ۳ ص: ۶۱۲۔ كراچى)۔
الدر المنتقى ج: ۲ ص: ۱۹۲۔ فقيه الأمة ديوبند۔
حاشية الشرنبلالى على دور الحكام غرر الأحكام۔ ج: ۱ ص: ۴۱۸۔ قديم۔
الفقه الاسلامى وادلته ج: ۸ ص: ۵۹۶۷۔ دار الفكر المعاصر۔
(۷) وتجب النفقة بأنواعها على الحر (بطفله) يعم الأنثى والجمع (الفقير) وتحته فى الشامية: قال فى الذخيرة: فإن اقدر على الكسب تفرض النفقة عليه۔ (الدر المختار مع الشامى ج: ۳ ص: ۶۱۲۔ مطلب الصغير والمكتسب نفقته فى كسبه، لا على أبيه كراچى۔

عمرہ کے طواف میں اگر رمل بھول جائے تو کیا اس کا طواف ہوگا یا نہیں؟

سوال: عمرہ کے طواف میں اگر کوئی شخص رمل بھول جائے تو کیا کرنا ہوگا؟ طواف ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہے، اس میں پہلے تین چکروں میں رمل کرنا مسنون ہے، اگر کوئی شخص پہلے چکر میں رمل کرنا، بھول جائے تو دوسرے اور تیسرے چکر میں رمل کرے۔ اور اگر پہلے تینوں چکروں میں رمل کرنا بھول جائے، تو اس کا طواف درست ہو جائے گا۔ اور کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔ البتہ رمل کی جو فضیلت تی وہ اسے نہیں ملے گی۔ اور بقیہ چار چکروں میں رمل نہ کرے، چونکہ اس میں رمل نہ کرنا مسنون ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

عن أبی الطفیل، قال: قلت لا بن عباس: أرأیت هذا الرمل بالبیت ثلاثه أطواف ومشی أربعة أطواف۔ أسنة هو؟ فإن قومک یزعمون أنه سنة قال فقال: صدقوا، و کذبوا اقال قلت: ما قولک: صدقو، و کذبوا؟ قال: إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قدمه مکة، فقال المشکرون إن محمداً و أصحابه لا یستطعون أن یطوفوا بالبیت من الهزال و کانوا۔ یحسدونه۔ قال: فأمرهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم۔ أن یرملوا ثلاثاً۔ ویمشوا أربعاً۔ (الصحیح لمسلم ج: ۱ ص: ۴۱۱۔ باب استحباب الرمل۔ فی الطواف فی العمرة۔ وفی الطواف الأول فی الحج۔ (فیصل)۔

(۲) وأما الرمل: فالأصل فیه أن کل طواف بعده سعی فمن سننه الاصطباع

والرمل فی الثلاثة الأشواط الأول منه۔ وکل طواف لیس بعده سعی فلا رمل فیه۔ وهذا قول عامة الصحابة۔ رضی الله تعالیٰ عنهم۔

بدائع الصنائع ج:۲ ص:۳۴۱۔ زکریا۔

النهر الفائق ج:۲ ص:۷۶۔ زکریا۔

شامی ج:۲ ص:۴۹۸۔ کراچی۔

هندیه ج:۱ ص:۲۲۶۔ رشیدیه۔

(۳) (ورمل) أی مشی بسرعة مع تقارب الخطی وهز کتفیه (فی الثلاث الأول) استناناً (فقط) فلو ترکه أو نسایه ولو فی الثلاثة لم یرمل فی الباقی، وتحته فی السامیة: قال فی الفتح ولو مشی شوطاً ثم تذکر لا یرمل إلا فی شوطین، وإن لم یذکر فی الثلاثة لا یرمل بعد ذلک أی لأن ترک الرمل فی الأربعة سنة فلو رمل فیها کان تارکاً للسنتین وترک إحداهما أسهل بحر۔

الدر المختار مع الشامی ج:۲ ص:۴۹۸۔ کراچی۔

النهر الفائق ج:۲ ص:۷۶۔ زکریا۔

البحر الرائق ج: ص:۳۳۰۔ سعید۔

لباب المناسک مع شرحه ص:۱۷۶۔ دار الکتب العلمیه۔

ہاتھ یا پیر میں مہندی لگانے کا کیا حکم ہے

سوال: دریافت طلب امر یہ ہے کہ مرد اور عورتوں کے لئے ہاتھ اور پیروں میں مہندی لگانے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

عورتیں اپنے ہاتھ اور پاؤں میں مہندی لگا سکتی ہیں، بلکہ ان کے لئے یہ باعث زینت ہے، اور مردوں کے لئے ہاتھ اور پاؤں میں مہندی لگانا شرعاً درست نہیں ہے۔ البتہ بطور

علاج استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن أبی نضرة عن رجل عن أبی هريرة۔ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ طيب الرجال ما ظهر ريحه وخفی لونه وطيب النساء ما ظهر لونه وخفی ريحه۔

(سنن الترمذی ج:۲ ص:۱۰۷۔ باب ماجاء فی طيب الرجال والنساء من أبواب الأدب)۔

(۲) وعن أبی هريرة۔ رضى الله عنه۔ قال: أتی رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ بمخنّث۔ قد خضب يديه ورجليه بالحناء۔ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ مابال هذا؟ قالوا: يتشبه بالنساء فأمر به فنفی إلى النقيع۔ فقال: يا رسول الله۔ ألا تقتله۔ فقال: إنی نهيت عن قتل المصلين۔ رواه ابوداؤد۔ (مشكاة المصابيح ج:۲ ص:۳۸۷۔باب الرجل مکتبہ ملت)۔

(۳) عن عكرمة، عن ابن عباس، قال: لعن رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ المتشبهات بالرجال من النساء والمتشبهين بالنساء من الرجال۔ هذا حديث احسن صحيح۔ (سنن الترمذی ج:۲ ص:۱۰۶۱۔ابواب الأدب)۔

(۴) حدثنا صفية بنت عصمة عن عائشة أن امرأة مدت يدها إلى النبی صلى الله عليه وسلم۔ بكتاب فقبض يده فقالت: يا رسول الله، مددت يدی إليک بكتاب فلم تاخذه فقال۔ إنی لم أدر أيد أمرأة هی أو رجل۔ قالت: بل يد امرأة۔ قال: لو كنت امرأة لغيرت اظفارک بالحنّاء۔

(سنن النسائی ج:۲ ص:۲۳۷۔باب الخضاب للنساء مکتبہ بلال، دیوبند)۔

(۵) يستحب للرجل خضاب شعره، ولحيته، ولو فی غير الحرب فی الأصح، وتحته فی الشامية، لا يديه ورجليه۔ فإنه مكروه للتشبيه بالنساء۔ (شامی ج:۴ ص:۴۲۲۔ كتاب الحظر والإباحة۔ کراچی)۔

غیر مسلم کی دعوت میں شرکت کرنا

سوال: اگر کوئی غیر مسلم اپنی والدہ کے انتقال پر کچھ مسلمانوں کو دعوت کرے، تو کیا اس میں شریک ہو سکتے ہیں؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

غیر مسلم کی میت کی دعوت میں جانا غیرت اسلامی کے خلاف ہے مصالح شرعیہ کے پیش نظر حسب المصالح مشروع ہے بشرطیکہ ضیافت حلال چیز سے ہو۔ اگر معلوم ہو جائے کہ یہ ضیافت حرام چیز سے ہے۔ تو پھر اس کا کھانا حرام ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) يايها الذين أمنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة الخ۔ (سورة الممتحنة۔ رقم الآية ج: ۱)۔

(۲) عن أبى وائل، وإبراهيم، قالا: لما قدم المسلمون أصابوا من أطعمة المجوس من جبنهم وخبزهم، فأكلوا ولم يسألوا عن ذلک۔ (المصنف لابن أبى شيبة ج:۱۷ ص:۶۱۴۔ المجلس العلمى رقم الحديث۔ ص ۳۳۳۴۴)۔

(۳) ولا بأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة هكذا ذكر محمد۔ رحمه الله تعالىٰ۔ وفى اضحية النوازل المجوسى أو النصرانى إذا دعا رجلا إلى طعامه تكره الاجابة وان قال اشتريت اللحم من السوق فإن كان الداعى نصرانيا فلا بأس به وماذكر فى النوازل فى حق النصرانى يخالف رواية محمد۔ رحمه الله تعالىٰ۔

(الفتاوىٰ الهندية ج:۵ ص:۳۴۷۔ كتاب الكراهية۔ الباب الرابع عشر فى أهل الذمة والاحكام التى تعود إليهم۔ رشيدية۔

(۴) ويقبل قول الفاسق، والكافر، والعبد فى المعاملات لكثرت وقوعها: وتحته فى الشامية: قوله لكثرة وقوعها: فاشتراط العدالة فيها، يؤدى إلى الحرج

و قلمایجد الإنسان المستجمع لسرائط العدالة۔ الخ۔
شامی ج: ٦ ص: ۳۴۵۔ کتاب الحظر و الإباحة۔ کراچی۔
(۵) أهدی إلی رجل شیئًا أو أضافه إن کان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن یعلم بأنه حرام۔ فامن کان الغالب هو الحرام ینبغی أن لا یقبل الهدیة۔ ولا یأکل الطعام إلا أن یخبره بأنه حلال۔ ورثته أو استقرضته من رجل۔ کذا فی الینابیع۔
(الفتاویٰ الهندیة ج: ۵ ص: ۳۴۲۔ الباب الثانی عشر فی الهدایا و الضیافات۔ رشیدیه)۔

(۴) ویقبل قول الفاسق، والکافر، والعبد فی المعاملات لکثرت وقوعها:
وتحته فی الشامیة: قوله لکثرة وقوعها: فاشتراط العدالة فیها یؤدی إلی الحرج، وقلمایجد الإنسان المسجمع لسرائط العدالة۔ الخ۔
شامی ج: ٦ ص: ۳۴۵۔ کتاب الحظر و إلاباحة۔ کراچی۔
(۵) أهدی إلی رجل شیئًا أو أضافه إن کان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن یعلم بأنه حرام۔ فان کان الغالب هو الحرام ینبغی أن لا یقبل الهدیة۔ ولا یأکل الطعام إلا أن یخبره بأنه حلال۔ ورثته أو استقرضته من رجل۔ کذا فی الینابیع۔
(الفتاویٰ الهندیة ج: ۵ ص: ۳۴۲)۔
الباب الثانی عشر فی الهدایا و الضیافات۔ رشیدیه۔

کیا قبل کے علاوہ دوسری جگہوں سے جماع کرنا جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے اس (اپنی بیوی) کے قبل اور کے علاوہ کسی دوسری جگہ جماع کر کے اپنی شہوت پوری کرے۔

مثلاً اپنی بیوی کے شکم پر اپنے عضو تناسل سے ملامسہ کر کے اپنی شہوت پوری کرے یا

اپنی بیوی کی دونوں پستانوں کے درمیان اپنے عضو تناسل سے ملامسہ کر کے اپنی شہوت پوری کرے یا اپنی بیوی کی دونوں رانوں کے درمیان ملامسہ کر کے اپنی شہوت پوری کرے۔ یا اپنی بیوی کے ہاتھ میں اپنے عضو تناسل کو دیکر شہوت پوری کرے۔ وعلی ہذا القیاس۔

تو اس کا کیا حکم ہے۔ برائے مہربانی جواب سے نواز کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

ناجائز تو نہیں ہے، البتہ بیوی کی رضا مندی کا خیال رکھے، چونکہ وطی میں میاں بیوی دونوں کا حق ہوتا ہے، لیکن بغیر عذر ایسا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ چونکہ اس میں ایک خاص قسم کا پانی ضائع ہوتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے قدرت تولید رکھی ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) نساؤکم حرث لکم فأتوا حرثکم انّی شئتم۔ وقدموا لانفسکم۔ واتقوا اللہ۔ واعلموا انکم ملٰقوہ۔ وبشر المؤمنین۔ (سورۃ البقرۃ رقم الآیۃ: ۲۲۳)۔

(۲) قال محمد بن الحسن: قلت (للشافعی) فما تقول لو وطئها بین ساقین، أو تحت بطنها، أو أخذت ذکرہ بیدها۔ أفی ذلک حرث؟ قال: لا: قلت: أفتحرم ذلک قال: لا:۔ (تفسیر المظهری ج: ۱ ص: ۳۱۲) زکریا۔

(۳) قال الخطیب: لما سئل عن ذلک، ماصح عن النبی۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ فی تحلیله ولا تحریمه شیئی۔ (تفسیر روح المعانی ج: ۲ ص: ۱۸۹۔ زکریا)۔

(۴) إن سبب إتیان النساء فی لأدبار الاستقذار، وذلک منتف فیمن وطئها بین ساقیها، ونحو ذلک۔ (تفسیر المظهری: ج: ۱ ص: ۳۱۳۔ زکریا)۔

(۵) ولا یجوز تفویت حق الإنسان من غیر رضاہ، فإذا رضیت، جاز۔ (إعلاء السنن ج: ۱۷۔ ص: ۴۰۴۔ کراچی)۔

(۶) فیکون الوطء حقا لهما، لأنه لو لم یکن لها فیه حق لما وجب استئذانها فی العزل۔ (الفقه الإسلامی وأدلته ج: ۹ ص: ۶۵۹۹۔ دار الفکر المعاصر)۔

اِذا جامع فلم یمن حدیث کی تحقیق

سوال: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پاک جس کے الفاظ ہیں: ارأیت اِذا جامع فلم یمن کس کتاب میں ہے اور صحت کے لحاظ سے کس درجہ کی ہے؟ برائے کرم وضاحت فرمادیں، ہم آپ کے بے حد شکرگذار رہوں گے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

رواہت بالا احادیث کی کئی کتابوں میں مذکور ہے، ان میں صحیحین اور مسند احمد سر فہرست ہے، دیکھئے ''المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث: صحت کے اعتبار سے بھی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ کیونکہ بخاری و مسلم دونوں بزرگوں نے اسے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ البتہ حکم کے لحاظ سے یہ روایت منسوخ ہے۔ ناسخ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ إذا جلس بین شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب علیه الغسل۔ زاد مسلم۔ وإن لم ینزل۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں اس روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

''إن الأمة مجمعة الآن علی وجوب الغسل بالجماع، وإن لم یکن معه انزال، وکانت جماعة من الصحابة علی أنه لا یجب إلا بالإنزال ثم رجع بعضهم۔ وانعقد الاجماع بعد الآخرین۔

الدلیل علی ما قلنا:۔

(۱) عن زید بن خالد أنه سأل عثمان بن عفان قال: أرایت إذا جامع الرجل امرأته فلم یمن؟ قال عثمان: یتوضأ کما یتوضأ للصلاة۔ ویغسل ذکره، قال عثمان: سمعته من النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ فسألت عن ذلک علیاً والزبیر وطلحة وأبی بن کعب، فامروه بذلک۔ (الصحیح للبخاری۔ باب من لم یر الوضوء من المخرجین، القبل والدبر۔ لقوله تعالیٰ: أو جاء أحد منکم من

الغائط۔

(۲) عن أبی سلمة أن عطاء بن یسار۔ أخبره أن زید بن خالد الجهنی۔ أخبره أنه سأل عثمان بن عفان، قال: قلت أرایت إذا جامع الرجل المرأة فلم یمن؟ فقال عثمان: یتوضأ وضوءه للصلاة ویغسل ذکره۔ وقال عثمان: سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ قال: وسألت عن ذلک علیاً۔ والزبیر، وطلحة، وابی بن کعب، فامروه بذلک۔

مصنف ابن ابی شیبة: باب من کان یقول الماء من الماء، رقم الحدیث ص:۹۶۵۔

(۳) وأجاب الحافظ وغیره بأن الحدیث ثابت من جهة اتصال اسناده وحفظ رواته ولیس هو فرداً ولا یقدح فیه افتاؤهم بخلافه لأنه ثبت عندهم ناسخه فذهبوا الیه، فکم من حدیث منسوخ۔ وهو صحیح من حیث الصناعة الحدیثیة۔ وقد ذهب الجمهور إلی نسخه بحدیث ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ قال: إذا جلس بین شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل۔ (رواه الشیخان وأبو داؤد والنسائی وابن ماجه وبحدیث عائشة نحوه مرفوعاً فی مسلم وغیره وروی أحمد والشافعی والنسائی وابن ماجه والترمذی وقال: حدیث حسن صحیح۔

وابن حبان وصحیحه عن عائشة مرفوعاً: إذا التقی الختانان فقد وجب الغسل۔ وبما رواه احمد وابو داؤد وغیرهما عن سهال بن سعد حدثنی ابی بن کعب أن الفتیا التی کانوا یقولون: الماء من الماء رخصة۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ رخص بها فی اول الاسلام ثم امر بالاغتسال بعد۔ صحیحه ابن خزیمة وابن حبان وغیرهما، قال الحافظ، علی أن حدیث الغسل وإن لم ینزل ارجح لأنه بالمنطوق من حدیث الماء من الماء لأنه بالمهرم أو بالمنطوق ایضاً۔ لکن ذاک

أصرح منه، وروى ابن ابی شیبة وغیره۔ عن ابن عباس۔ أنه حمل حدیث الماء من الماء علی صورة مخصوصة وهی ما یقع فی المنام من رؤیة الجماعه۔ (شرح الزقانی علی المؤطا ج: ۱ ص: ۱۹۶۔ مکتبة الثقافة الدینیة قاهرة۔

(۴) فی أخر کتاب الغسل ونبین هناک أنه منساوخ ولا یقال إذا کان منسوخاً کیف یصح الاستدلال به لأنا نقول المنسوخ منه عدم وجوب الغسل وناسخه الامر بالغسل۔ (فتح الباری ج: ۱ ص: ۲۸۳)۔ بیروت۔

(۵) وهذا منسوخ لما بیناه ومذهب الجمهور هو أن ایجاب الغسل لا یتوقف علی انزال المنی۔ بل متی غابت الحشفة فی الفرج وجب الغسل علی الرجل والمرأة، ولذا جاءٔ فی روایة اخری فی (الصحیح) وإن لم ینزل۔ (عمدة القاری ج: ۳ ص: ۲۵۲)۔ دار إحیاء التراث العربی۔

قبرستان میں بلڈنگ وغیرہ بنا کر کرایہ دینا کیسا ہے؟

سوال: مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جس زمین کو قبرستان کے لئے وقت کیا گیا ہے اس میں بلڈنگ وغیرہ بنا کر اس کے نفع سے قبرستان کی دیگر حوائج میں لگا سکتے ہیں؟ برائے کرم دین کے صحیح موقف سے ہمیں آگاہ فرمائیے ممنون ہوں گا۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

قبرستان کے لئے موقوفہ جگہ پر قبریں ہی بنانی چاہئے۔ تاکہ واقف کا منشا پورا ہو سکے۔ اس پر بلڈنگ اور دوکانیں وغیرہ کی تعمیر درست نہیں ہے۔ لیکن اگر قبرستان بہت کشادہ ہو۔ اس میں ایک کنارہ ایسا ہو جو دفن کے کام میں نہ آتا ہو۔ یا دوسرے کے قبضہ کا ڈر ہو۔ تو اس جگہ کی حفاظت کی غرض سے قبرستان کی مصلحت کے لئے کچھ بنایا جا سکتا ہے، جیسے دوکانیں وغیرہ لیکن اگر دفن کے لئے لوگوں کو اس جگہ کی ضرورت پڑ جائے تو اسے ہٹا کر اس میں بھی دفن کیا جائے گا۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) شرط الواقف كنص الشارع، أى: فى المفهم والدلالة۔ (الدر المختار مع الشامى ج:۴ ص:۴۳۳) كراچى۔

(۲) ونص أبو عبدالله الدمشقى فى (كتاب الوقف) عن شيخه شيخ الاسلام قول الفقهاء: نصوصه۔ (الواقف) كنص الشارع۔ (شامى ج:۴ ص:۴۳۴۔ كراچى)۔

(۳) فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع۔ (شامى ج:۴ ص:۳۶۶۔ كراچى)۔

(۴)شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه۔ (شامى ج:۴ ص:۴۹۵۔ كراچى)۔

(۵) سئل القاضى الإمام شمس الأئمة محمود الآزو جندى عن المقبرة القرى إذا اندرست۔ ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره۔ فهل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا، ولها حكم المقبرة۔ (الفتاوىٰ الهندية ج:۲ ص: ۴۷۱۔ رشيديه)۔

(۶) أرض لأهل قرية، جعلوها مقبرة، وأقبروا فيها، ثم إن واحد من أهل القرية يبنى فيها بيتاً لوضع اللبن، وأداة القبر، وأجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية۔ أو رضى بذلك بعض۔ إن كان فى القبر سعة بحيث لا يحتاج إلى ذلك المكان۔ رفع البناء حتى يقبر فيه۔ (فتاوىٰ قاضى خان ج:۳ ص: ۱۹۱۔ ۱۹۲) بيروت۔

ضحوی صغریٰ اور کبریٰ میں فرق؟

سوال: (۱) ضحوی صغری اور کبری میں کیا فرق ہے؟

(۲) ''السلام علیکم'' پر دس نیکیاں اور ''ورحمۃ اللہ'' پر بیس نیکیاں اور ''وبرکاتہ'' پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے؟ براہ کرم مدلّل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

(۱) سورج کی روشنی اچھی طرح نکلنے کے بعد سے لے کر زوال شمس تک وقت شرعاً ضحوہ کہا جاتا ہے۔ ٹھیک دو پہر یعنی ''نصف النہار الشرعی'' کو ضحوی کبری اور اس سے قبل جو حالت رہتی ہے اسے ضحوی صغری کہا جاتا ہے۔ (۱)

چند احکام شرعیہ ایسے ہیں جو ضحوی کبریٰ سے متعلق ہیں۔

چنانچہ حدیث پاک میں ضحوی کبری یعنی استواء الشمس کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ رمضان المبارک، ندر معین اور نفل روزے کی نیت رات سے لیکر ضحوی کبری تک کسی بھی وقت کر سکتے ہیں۔

(۲) السلام علیکم پر دس نیکیان، اور ''ورحمۃ اللہ'' پر بیس نیکیاں اور ''وبرکاتہ'' پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ یہ صحیح صریح حدیث سے ثابت ہے۔ (۲)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) فوقت الضحوة من حين تبيض الشمس إلى أن تزول۔ (المبسوط للسرخسي ج: ۹ ص: ۵) جديد۔

هكذا في: الفقه الاسلامي وأدلته ج: ۴ ص: ۲۵۳۰۔ دار الفكر المعاصر۔

نصف النهار الشرعي هو الضحوة الكبرى۔ (شامي ج: ۲ ص: ۴۰۳۔ كتاب الصوم مطلب في حكم الاستمناء باليد۔ كراچی)۔

و کرہ تحریماً مطلقاً مع شروق و استواء۔ وتحتہ فی الشامیة: لروایة أبی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ أنہ نهی عن الصلاة نصف النهار حتی تزول الشمس۔۔۔ وبأن المراد: انتصاف النهار الشرعی، وهو الضحوة الکبری۔

(شامی ج: ا ص: ١٧١۔ کتاب الصلوٰۃ، مطلب یشترط العلم۔ بدخول الوقت کراچی)۔

فیصح أداء صوم رمضان، والنذر المعین۔ والنفل، بنیة من اللیل، فلاتصح قبل الغروب ولاعندہ إلی الضحوۃ الکبری، ولا بعدها، ولا عندها۔

(الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ٣٧٧۔ کتاب الصوم۔ کراچی)۔

فی المسئلة الثانیة:

(۲) عن عمران بن حصین: رضی اللہ عنہ۔ قال: جاء رجل إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقال: ”السلام علیکم“ فرد علیہ، فجلس۔ فقال: عشر۔

ثم جاء رجل أخر، فقال: السلام علیکم و رحمة اللہ۔ فرد علیہ فجلس فقال: عشرون۔

ثم جاء أخر، فقال: السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ فرد علیہ، فجلس فقال: ثلاثون۔

رواہ أبو داؤد فی سننہ: ج: ۲ ص: ٧٠٦۔ فی باب، کیف السلام۔ بلال۔

(رواہ الترمذی فی سننہ ج: ۲ ص: ۹۸۔ باب، ما ذکر فی فضل السلام۔ مکتبہ بلال۔

رواہ البغوی فی مصابیح السنة ج: ا ص: ۳۹۸۔ فی باب السلام۔ من کتاب الآداب، مکتبہ ملت۔

سلام کرنا اور اس کے جواب دینے کا حکم

سوال: کیا سلام کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے؟
اور دعوت قبول کرنا واجب ہے؟ اور اس میں شرکت کرنا مستحب ہے؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سلام کرنا سنت ہے، اور اس کا جواب دینا واجب ہے، مگر یہاں سنت پر عمل کرنا واجب سے بہتر ہے۔ اگر چہ فقہی قواعد میں ہے کہ ''أن الواجب ثوابہ أکمل'' سنت کی بنسبت واجب کا ثواب کا اکمل ہے۔ لیکن چند مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جس میں سلام کا مسئلہ بھی ہے۔ (۱)

(۲) دعوت قبول کرنے کے سلسلہ میں بعض حضرات کہتے ہیں یہ واجب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے، یہی اصح قول ہے۔ اور اگر کوئی عذر نہ ہو تو اس میں شرکت کرنا مستحب ہے، کھائے یا نہ کھائے، البتہ کھانا بہتر ہے تاکہ میزبان خوش ہو جائے۔ (۲)

الدلیل علی ما قلنا:

فی المسئلة الأولی:

(۱) قالوا إن السلام سنة۔۔۔ وإسماع رده واجب: بحيث لو لم يسمعه لا يسقط هذا الفرض عن السامع۔ (شامی ج:٦ ص:۴۱۳)۔ کتاب الحظر والإباحة۔ کراچی۔

وفی التاتارخانية عن الفقيه أبی جعفر۔ التسليم تحية وإجابتها فرض۔ (المصدر السابق ج:٦ ص:۴۱٦۔ کتاب الحظر والإباحة زکریا دیوبند)۔

(۳) السلام ابتداء وجوباً: والأول أفضل مع أنه سنة: ومن القواعد: أن الواجب ثوابه أکمل۔ ولعل وجهه أنه مشتمل علی التواضع۔ (مرقاة المفاتيح ج:۹ ص:۴۵۔ باب السلام من کتاب الأدب)۔

فی المسئلۃ الثانیۃ:

(۱) عن أبی هريرة۔ رضی الله عنه۔ أن النبی صلی الله عليه وسلم۔ كان يقول: شر الطعام طعام الوليمة۔ يدعی لها الأغنياء، ويترک الفقراء: ومن ترک الدعوة عصی الله ورسوله۔

رواه البخاری فی صحيحه۔ ج:۲ ص:۷۷۸۔ فی كتاب النكاح۔ وأيضا رواه مسلم فی صحيحه: ج:۱ ص:۴۶۳۔ فی باب الأمر باجابة الداعی إلی الدعوة من كتاب النكاح۔

ولأن إجابة الدعوة سنة، سواء كانت وليمة أو غيرها۔ وبه قال أحمد ومالک ثم غير الوليمة من الدعوات مستحبة عندنا۔ (بناية شرح الهداية للعينی ج:۱۱ ص:۹۹۔ كتاب الكراهة۔ دار الفكر بيروت)۔

اختلف فی إجابة الدعوی۔ قال بعضهم۔ واجبة لا يسع تركها۔ وقال العامة: هی سنة۔ والأفضل أن يجيب إذا كانت وليمة۔ وإلا فهو مجيز۔ ولأن فيه إدخال السرور فی قلب المؤمن۔ وإذا أجاب فعل ما عليه، أكل أولا۔ (شامی ج:۶ ص:۳۴۸۔ كتاب الحظر والإباحة۔ كراچی)۔ هكذا فی الهندية ج:۵ ص:۳۴۳۔ كتاب الكراهية۔ رشيديه)۔

تسن عند الحنفية إجابة الدعوة۔

(الفقه الاسلامی وأدلته۔ ج:۹ ص:۶۶۲۰۔ كتاب النكاح، المبحث الخامس، مندوبات عقد النكاح، دار الفكر المعاصر)۔

پلاسٹک کا ٹانگ لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے

سوال: سردیوں کے موسم میں سرد ہواؤں سے بچنے کے لئے مساجد میں پلاسٹک ٹانگتے ہیں، اور وہ ایسی ہوتی ہیں کہ اس پار کا نظارہ مثل شیشے کے نظر آتا ہے، تو کیا یہ سترہ کا کام

دے سکتی ہے۔ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

پلاسٹک کا جو پردہ لٹکایا جاتا ہے۔اس سے بھی سترہ کا کام چلے گا اگر چہ گذرنے والے نظر نہ آئے۔ دوسری جانب مثل شیشہ نظر آنا یہ سترہ کے منافی نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) یجزی من السترة قدر مؤخرة الرجل۔ ولو بدقة شعرة۔ (شامی ج: ۱ ص: ۶۳۷۔ کراچی)۔

حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۳۶۶۔ دار الکتاب۔

حاشیة الشرنبلالی علی درر الحکام شرح غرر الأحکام ج: ۱ ص: ۱۰۵۔

(۲) ویجوز أن یکون (الحائل) ستارة معلقة إذا رکع أو سجد یحرکها رأس المصلی۔ ویزیلها من موضع سجوده، ثم تعود إذا قعد أو قام، وصورته: أن تکون الستارة من ثوب أو نحوه معلقة فی سقف مثلا۔ (شامی ج: ۱ ص: ۶۳۶۔ کراچی)۔

(۳) قوله فی غلظ الأصابع خلاف المذهب۔ فلاحد لما روی الحاکم عن أبی هریرة مرفوعاً یجزی السترة قدر مؤخرة الرحل ولو بدقة شعرة۔ (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ۳۶۶۔ دار الکتاب دیوبند)۔

جنگلی کبوتر کھانا کیسا ہے؟

سوال: مفتی صاب مسئلہ یہ ہے کہ پالتو اور جنگلی کبوتر دونوں کو ذبح کر کے کھانا صحیح ہے یا نہیں؟ یا پھر دونوں میں سے کون سے کبوتر کا کھانا صحیح ہے؟ حضرت مفتی صاحب مسئلہ کی وضاحت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

کبوتر کا کھانا جائز ہے وہ اگر پالتو ہو اور اپنی ملکیت میں ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر جنگلی ہو، اور اسے حلال طریقے پر شکار کیا گیا ہو، تو اس کو بھی کھانا جائز ہے۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) وما لا مخلب له من الطير فالمستأنس منه كالدجاج۔ والبط۔ والمتوحش كالحمام۔ والفاختة۔ والعصافير۔۔۔۔ حلال بالإجماع۔ (بدائع الصنائع ج:۴ ص:۱۳۵۔ کتاب الذبائح والصيود، زکریا)۔

من نصب شبكة فتعقل بها صيد ملكه صاحب الشبكة۔ (الفتاویٰ الهندية ج:۵ ص:۴۱۷۔ كتاب الصيد، الباب الثاني في بيان ما يملك به الصيد)۔

الدر المختار مع الشامي ج:۶ ص:۴۶۲۔ كتاب الصيد۔ کراچی۔

ولأن من سبق إلى المباح، فهو أحق به۔ (مرقاة الفاتيح ج:۳ ص:۲۵۸۔ باب التنظيف والتكبير من ابواب الجمعة الفصل الثالث۔

المباح يملك بالسبق إليه۔ (الفقه الاسلامي وأدلته ج:۴ ص:۲۸۳۱۔ المبحث الرابع متى يملك الصائد المصيد۔ دار الفكر المعاصر)۔

المباح يملك بالإحراز۔ (القواعد الفقهية ص:۱۱۸۔ رقم القاعدة ص:۳۰۳۔ دار الكتاب)۔

جمعہ کے روز کس وقت سورہ کہف کی تلاوت افضل ہے

سوال: ایک مسئلہ کے بارے میں معلوم کرنا ہے، جمعہ کے روز سورہ کہف پڑھنے کا افضل وقت کونسا ہے؟ اگر کوئی جمعہ کی صبح تہجد کے ساتھ سورہ کہف پڑھ لے تو جمعہ کے دن کہف پڑھنے کی فضیلت ملے گی؟ یا وہ جمعہ کے دن طلوع آفتاب کے بعد سورہ کہف پڑھے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حدیث پاک میں سورہ کہف کی جو فضیلت آئی ہے، اس کے متعلق تین روایتیں ملتی ہیں۔

(۱) مطلقا: یعنی جو شخص سورہ کہف کی تلاوت کرے گا۔ بروز قیامت اس کے لئے ایک نور ہوگا جس کی درازی اپنے مکان سے مکہ مکرمہ تک ہوگی۔

(۲) اور دوسری ایک روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کرے گا۔اس کے لئے اگلے جمعہ تک ایک نور ہوگا۔

(۳) اور تیسری ایک روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کی رات کو سورہ کہف کی تلاوت کرے گا۔اس کے لئے ایک نور ہوگا۔جس کی درازی ہوگی تلاوت کرنے والے کے یہاں سے بیت العتیق (مکہ مکرمہ) تک۔

حضرات محدثین نے مذکورہ روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ جو شخص جمعہ کی رات غروب آفتاب سے لے کر جمعہ کے دن غروب شمس تک کسی وقت بھی سورہ کہف کی تلاوت کرے۔اسے اس کی فضیلت ملے گی۔بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ دن میں پڑھنا بہتر ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن أبی سعیدن الحذری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال: من قرأ الکهف کما أنزلت کانت له نوراً یوم القیامة من مقامه إلی مکة۔ (الترغیب والترهیب ج:۲ ص:۲۴۵۔بیروت)۔

وعنه أیضاً أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: من قرأ سورة الکهف فی یوم الکهف أضاء له النور ما بین الجمعتین۔ (رواه البیهقی فی الدعوات الکبیر)۔

(مشکاة المصابیح ج:۱ ص:۱۸۹۔ کتاب فضائل القرآن)۔

روی الدارمی موقوفاً من قوله أی: أبی سعید الخدری من قرأها لیلة الجمعة أضاء

لله النور فیما بینه وبین البیت العتیق۔ (مرقاة المفاتیح ج:۴ ص:۳۷۵۔قدیم)۔
قال الحافظ ابن حجر فی أمالیه۔۔۔ أن المراد الیوم بلیلته، واللیلة بیومها۔
(فیض القدیر للمناوی ج:٦ ص:۲۵۸۔بیروت)۔
(۲) قراءة سورة الكهف یوم الجمعة ولیلتها۔۔۔ وقراء تها نهاراً آكد۔
والحكمة من قراءتها أن الساعة تقوم یوم القیامة كما ثبت فی صحیح مسلم۔
والجمعة مشبهة بها لما فیها من اجتماع الخلق۔ وفی الكهف ذكر أهوال
القیامة۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج:۲ ص:۱۳۲۵۱۔دار الفكر المعاصر)۔

قنوت نازلہ کا پس منظر

سوال: بعد سلام مسنون دریافت طلب امر یہ ہے کہ قنوت نازلہ کا پس منظر کیا ہے؟ اور کیا نماز جمعہ کی دوسری رکعت میں یا دیگر فرائض میں پڑھنا جائز ہے؟ نیز بعض ائمہ کرام جمعہ کے خطبہ میں پڑھتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں مسالک اربعہ کو بھی مدلل طور پر جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث کی روایت میں ہے کہ جب رعل و ذکوان قبیلے کے لوگوں نے ستر صحابہ کرام کو شہید کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل ایک مہینہ فجر کی آخری رکعت میں چند کلمات پڑھے۔ جسے قنوت نازلہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جو مسلمانوں کی نجات کی دعا اور کفار کے لئے بد دعاء پر مشتمل ہے، راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے ہم قنوت نازلہ نہیں پڑھتے تھے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک مسلمانوں پر جب کوئی عمومی مصیبت نازل ہو تو فجر کی آخری رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے، اور فجر کے علاوہ دوسری کسی نماز میں قنوت نازلہ کا پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ مگر امام شافعیؒ کے نزدیک امام اگر چاہے تو تمام فرض نمازوں میں

پڑھ سکتا ہے۔

حضرت حنفیہ کے نزدیک اگرچہ ارکان خطبہ میں دعا شامل نہیں ہے۔لیکن خطبہ میں چند کلمات دعائیہ کا شامل ہونا مسنون ہے،اور قنوت بھی دعا ہے۔اس اعتبار سے اگر خطبہ جمعہ میں قنوت نازلہ پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ خطبہ میں لمبی دعائیں نہیں پڑھنی چاہئے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن أنس رضى الله عنه قال: بعث النبى صلى الله عليه وسلم۔ سبعين رجلاً لحاجة يقال لهم القراء۔ فعرض من بنى سليم رعل و ذكوان عند بئر يقال لها: بئر معونة فقال القوم: ما إياكم أردنا إنما نحن مجتازون فى حاجة للنبى صلى الله عليه وسلم۔

فقتلوهم۔ فدعا النبى صلى الله عليه وسلم۔ شهراً فى صلاة الغداة۔ وذلک بدء القنوت وما كنا نقنت۔ (الصحيح للبخارى ج:۲ ص: ۵۸۶۔ كتاب المغازى)۔

ويشرع القنوت للنازلة أن ينزل بالمسلمين خوف، أو قحط، أو وباء، أو جراد۔ أو نحوها۔ اتباعاً للسنة لأنه صلى الله عليه وسلم۔ قنت شهراً يدعو على قاتلى أصحابه القراء ببئر معونة۔ (الفقه الاسلامى وأدلته ج:۲ ص:۱۰۰۸)۔ دار الفكر المعاصر۔

قال الإمام أبو جعفر الطحاوى رحمه الله۔ إنما لا يقنت عندنا فى الفجر من غير بلية، فإن وقعت فتنة أو بلية فلا بأس به۔ (مراقى الفلاح على نور الإيضاح مع حاشية الطحطاوى ص:۳۷۷۔ دار الكتاب)۔

وقال جمهور أهل الحديث: القنوت مشروع عند النوازل فى الصلوات كلها۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۴۴۔ سعيد)۔

وأما القنوت فى الصلوات كلها عند النوازل فلم يقل بها إلا الشافعى۔ (حاشية

الطحطاوی علی المراقی ص:۳۷۷۔دار الکتاب)۔

ولا قنوت فی شیئ من الصلوات إلا الصبح إلا أن تنزل نازلة۔فیقنت فی الصلوات کلهن إن شاء الإمام۔(کتاب الأم للشافعي ج:۲ ص:۱۱۸۔بیروت)

وأما غیر الصبح من الصلوات الخمس فهل یقنت فیها؟فیه ثلاثة أقوال للشافعی۔ الأصح المشهور منها أنه نزل بالمسلمین نازلة قنتوا وإلا فلا۔(کتاب الأذکار للنوری ص:۵۸۔باب القنوت فی الصبح۔دار الکتاب العربی)۔

(۸) فذهب أبو حنیفة إلی أن رکن الخطبة تحمیدة أو تهلیلة۔ أو تسبیحة۔ (الموسوعة الفقهیة ج:۱۹ ص:۱۷۷)۔

(۹) وسنتها کونها خطبتین۔۔۔۔ الأولی علی تلاوة آیة وعلی الوعظ أیضاً۔ والثانیة علی الدعاء للمؤمنین والمؤمنات عوض الوعظ۔ (حلبی کبیری ص:۵۵۵ لاهور)۔

کسی کے سامنے تعریف کرنا کیسا ہے

سوال: کیا کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنا درست ہے؟ اگر درست ہو تو ’’فاحثوا علیه التراب‘‘ حدیث کا کیا مطلب ہے؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حدیث پاک میں ہے کہ ’’إذا رأیتم المداحین فاحثوا فی وجوههم التراب‘‘۔

(مسلم شریف ج:۲ ص:۴۱۴)۔

(مشکاۃ المصابیح ج:۲ ص:۴۱۲۔باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم)۔

تم اگر کسی کو تعریف کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے چہرے پہ مٹی ڈال دو، یہ حدیث مخصوص مادح اور ممدوح کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ مرقاۃ المفاتیح میں ہے۔کہ المداحون هم الذین اتخذوا مدح الناس عادة۔وجعلوه بضاعة۔یستأکلون به الممدوح۔

یعنی اس حدیث پاک کا مصداق ایسے تعریف کرنے والے ہیں۔ جنہوں نے لوگوں کی تعریف کرنے کو اپنا پیشہ بنا لیا ہو۔ اور اس کے ذریعہ ممدوح سے مال حاصل کرنے کو اپنا مقصد بنالیا ہو۔

ورنہ تو اگر تعریف میں جھوٹ نہ ہو۔ اور ممدوح کے اس کے ذریعہ دھوکے اور غرور میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

فأما من مدح الرجل على الفعل الحسن والأمر المحمود يكون منه ترغيما له في أمثاله، وتحريضا للناس على الاقتداء به في أشباهه فليس بمداح۔ (فتح الملهم ج:۱۲ ص:۳۹۲۔ اشرفيه)۔

چونکہ حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ: إذا مدح المؤمن في وجهہ ربا الایمان في قلبہ۔ جب مؤمن کے سامنے اس کی تعریف کی جاتی ہے تو اس کا ایمان بڑھتا ہے۔

مجمع الزوائد ج:۸ ص:۱۲۲۔ کشف الخفاء ج:۱ ص:۹۹۔ دار إحیاء التراث العربی۔

دونوں حدیث کے مابین تطبیق دیتے ہوئے امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ نہی کی حدیث محمول ہے تعریف میں مبالغہ اور حد سے تجاوز اور جھوٹ کے شامل ہونے اور ممدوح میں کبر اور دھوکے کا ڈر ہونے پر۔ ورنہ جس میں اس کا ڈر نہیں ہے، تقوی کے اعلی مراتب اور اپنے آپ کو پہچاننے کی وجہ سے تو ان کے سامنے تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وطريق الجمع بينهما: أن النهي محمول على المجازفة في المدح۔ والزيادة في الأوصاف أو على من يخاف عليه فتنة من إعجاب ونحوه إذا سمع المدح۔ وأما من لا يخاف عليه ذلك لكمال تقواه۔ ورسوخ عقلله ومعرفته۔ فلا نهي في مدحه في وجهه۔ (شرح النووي على هامش الصحيح لمسلم ج:۲ ص:۴۱۴۔ فيصل ديوبند)۔

البتہ ممدوح کو چاہئے کہ وہ اس تعریف کے دھوکے میں نہ پڑے، بلکہ اپنے احوال کے بارے میں فکر رکھے، کیونکہ۔ صاحب البیت أدری بما فیہ۔ (شرح نخبۃ الفکر ص:۵)۔

ہوسکتا ہے کہ مادح اگر ممدوح کے راز و بھید سے واقف ہوتا تو اس کی تعریف سے رکا جاتا۔ تاہم اگر کوئی شخص سامنے تعریف کرنے لگے تو دل میں استغفار پڑھے۔ اور اپنی حقیقت حال کا جائزہ لے۔ اور بھی پڑھے۔ اللھم إن ہؤلاء لا یعرفونی وأنت تعرفنی۔

ایک شخص حضرت علیؓ کے سامنے تعریف کر رہا تھا، تو حضرت علیؓ پڑھنے لگے۔

اللھم اغفرلی مالا یعلمون ولا تؤاخذنی بما یقولون واجعلنی خیراً مما یظنون۔

کذافی۔ إحیاء علوم الدین ج:۳ ص: ۱۶۱)۔ دار المعرفة بیروت۔

شب برأت میں قبرستان جانا کیسا ہے؟

سوال: شب برأت میں زیارت کے لئے قبرستان میں جانا کیسا ہے؟ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

زیارت قبور کا ثبوت شریعت میں ہے۔ اور گاہ بگاہ زیارت قبور کے لئے جانا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔ البتہ اس کو کسی مخصوص وقت کے ساتھ خاص کر دینا۔ پھر اسی وقت پر اس کو لازم سمجھنا یہ غلط اور بے اصل ہے۔ جس کا ترک لازم ہے۔ شب برأت میں زیارت قبور کو لازم سمجھنا اور اس کے لئے محلہ کے لوگوں کو بلانا۔ شیرنی تقسیم کرنا یہ سب بدعت شنیعہ ہے۔ جس سے بچنا ضروری ہے۔ ویسے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شب میں قبرستان جانا ثابت ہے۔ اس لئے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال: کنت نھیتکم عن زیارة القبور فالآن فزودوھا، فإنھا تزھد فی الدنیا، وتذکر الآخرة۔

(سنن ابن ماجہ ص: ۱۱۲۔ باب زیارة القبور۔ من کتاب الجنائز۔ مشکاة المصابیح ج: ۱ ص: ۱۵۴۔ باب زیارة القبور)۔

عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهورد۔ (الصحیح للبخاری ج: ۱ ص: ۳۷۱۔ باب إذا اصطلحوا علی صلح جور۔ فهورد)۔

الصحیح لمسلم ج: ۲ ص: ۷۷۔ باب نقض الآحکام الباطلة ورد محدثات الأمور من کتاب الحدود۔

البدعة هی الأمر المحدث الذی لم یکن علیه الصحابة والتابعون، ولم یکن مما اقتضاه الدلیل الشرعی۔ (القواعد الفقهیة ص: ۲۰۴۔ دار الکتاب)۔

إن المندوبات تنقلب مکروهات إذا رفعت عن رتبتها۔ا (فتح الباری ج: ۲ ص: ۳۳۸۔ بیروت)۔

کم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم۔ والتخصیص من غیر مخصص مکروها۔ (سباحة الفکر فی الجهر بالذکر ص: ۴۲)۔

غیر مسلم کا پیسہ سید غریب کو دینا کیسا ہے؟

سوال: غیر مسلم سیکھ کا دیا ہوا پیسہ سید غریب کو دے سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

غیر مسلم سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ (۱) اور ہدیہ و تحفہ بسا اوقات اسی بنا پر دیا جاتا ہے۔ البتہ کسی مصلحت کی بنا پر لیا جا سکتا ہے۔ (۲) بشرطیکہ وہ سود کے مال سے نہ ہو۔ جو سود مسلمان کے لئے حرام ہے۔ وہ غیر مسلم کے لئے بھی حرام ہے۔ ایسا پیسہ سید غریب کو بھی دیا جا سکتا ہے۔

ملاحظہ: حضرات فقہاء جن سید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صدقہ واجبہ کی رقم ان کو دینا جائز نہیں ہے۔ اس سے مراد۔ حضرت عباسؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت جعفرؓ۔ حضرت عقیلؓ۔ حضرت حارث بن عبد المطلب۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (۳) کی اولاد ہیں۔ آج تو برادری کے حساب

سے بھی لوگ اپنے نام پر سید۔ لکھتے ہیں۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) لا یتخذ المؤمنون الکافرین أولیاء من دون المؤمنین۔ (سورۃ أل عمران رقم الآیۃ: ۲۸)۔

(۲) عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: تھادوا تجابوا۔ (الأدب المفرد مع شرحہ الدر المنضود ج:۳ ص: ۵۳۔ رقم الحدیث: ۵۹۴۔ شیخ الہند اکاڈیمی)۔

عن أنس ابن مالک أن یہودیۃ أتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ بشاۃ مسمومۃ فأکل منہا فجیئی بہا۔ فقیل إلا نقتلہا قال: لا: فمازلت أعرفہا فی لہوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الصحیح للبخاری ج: ۱ ص: ۳۵۶۔ باب قبول ہدیۃ المشرکین)۔

والأولی للمسلمین أن لا یوافقہم علی مثل ہذہ الاحوال لإظہار الفرح والسرور۔ (شامی ج: ۶ ص: ۷۵۵)۔

(۳) وجازت التطوعات من الصدقات وغللۃ الأوقاف لہم أی: لبنی ہاشم۔ (الدر المختار ج: ۱ ص: ۱۴۱۔ کتاب الزکاۃ۔ اشرفیہ)۔

مستفاد من: لو قال: مالی لأہل ببت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہم یحصون جاز۔ لأن ہذہ وصیۃ ولیست بصدقۃ ویصرف إلی أولاد فاطمۃ رضی اللہ عنہا۔ (شامی ج: ۲ ص: ۳۵۱۔ کراچی)۔

وبنو ہاشم الذین تحرم علیہم الصدقات: أل العباس۔ وأل علی۔ وأل جعفر۔ وأل عقیل۔ وولد الحارث بن عبد المطلب۔ کذا ذکرہ الکرخی۔

(بدائع الصنائع ج: ۲ ص: ۱۶۲۔ زکریا)۔

مزنیہ کی لڑکی سے شادی کرنا کیسا ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرلے، پھر وہی شخص اس کی بیٹی سے شادی کرلے،تو یہ شادی کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرات حنفیہ کے نزدیک زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔صورت مسئولہ میں جبکہ اس نے ایک عورت سے زنا کیا۔تو اس پر اس زانیہ کے اصول وفروع حرام ہو جائیں گے۔اورزانی کے لئے زانیہ کی بیٹی سے کرنا حرام ہے۔(۱)

ومن يتعد حدود الله فأولئك هم الظالمون۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ومن زنى امرأة حرمت عليه أمها وابنتها۔(هدايه ج:۲ ص:۳۰۹)۔

وحرم أيضاً بالصوبة أصل مزنيته أراد بالزنى الوطء الحرام۔وتحته في الشامية: لأن الزنى وطء مكلف في فرج مشتهاة۔ (الدر المختار مع الشامى ج:۳ ص:۳۲۔كراچى)۔

أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع: حرمة المرأة على أصول الزانى وفروعه نسباً ورضاعاً۔وحرمة أصولها وفروعها على الزانى نسباً۔ورضاعاً كما في الوطء الحلال۔(شامى ج:۳ ص:۳۲۔كراچى)۔

هكذا في بنايه شرح الهدايه للعينى ج:۴ ص:۵۲۶۔دار الفكر۔(تبيين الحقائق ج:۲ ص:۱۰۶۔إمداديه ملتان)۔

کھیت یا باغ کو نظر بد سے بچانے کے لئے کالا کپڑا لٹکانا کیسا ہے؟

سوال: دریافت طلب امر یہ ہے کہ کھیت، باغ، یا مکان کو نظر بد سے بچانے کے لئے کالا یا لال کپڑا لٹکانا کیسا ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللہ الموفق بالصواب

نظر بد کی تاثیر حدیث پاک سے ثابت ہے۔ اس سے بچنے کا بہتر طریقہ وہی ہے جس کا تذکرہ حدیث پاک میں ہے۔ معوذتین یا ادعیہ ماثورہ پڑھنے کا پابند کیا جائے۔ جیسے اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان ہامۃ ومن کل عین لامۃ۔ (۱)

البتہ کبھی کھیت یا باغات میں نقصان دہ حیوانات سے بچنے کی غرض سے لال یا کالا کپڑا لٹکایا جاتا ہے، جس کا رواج آج کل دیہاتوں میں ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن حیة ابن حابس التیمی عن أبیه أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ یقول: لا شیئ فی الهامة والعین حق۔ (سنن الترمذی ج:۲ ص:۲۶۔ ابواب الطب)۔

عن أبی سعید۔ رضی اللہ عنه۔ قال: کان النبی۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ یتعوذ من الجان وعین الإنسان حتی نزلت المعوذتان، فلما نزلتا ترک ما سواهما۔ (المصدر السابق ج:۲ ص:۲۶۔ بلال)۔

عن ابن عباس۔ رضی اللہ عنهما۔ قال: کان رسول۔ صلی اللہ علیه وسلم۔ یعوذ الحسن والحسین یقول: أعیذ بکلمات اللہ التامة من کل شیطان هامة ومن کل عین لامة۔ (المصدر السابق ج:۲ ص:۲۶۔ بلال)۔

مستفاد من ولا بأس یربط الرجل افی إصبعه أو خاتمه الخیط للحاجة۔ (هدایه ج:۴ ص:۴۵۴۔ فیصل)۔

کیا ایک مؤمن کے جھوٹے میں دوسرے مؤمن کے لئے شفاء ہے؟

سوال: کیا ایک مؤمن کے جھوٹے میں دوسرے مؤمن کے لئے شفاء ہے؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

کتب حدیث میں ''سور المؤمن شفاء'' اور ''ریق المؤمن شفاء'' ایسی دو روایتیں ملتی ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مؤمن کے جھوٹے میں دوسرے مؤمن کے لئے شفاء ہے۔ اگرچہ ان روایتوں کی سند او متن میں حضرات محدثین کا کلام ہے بعض نے اس کو ضعیف، اور بعض نے اس کو موضع کہا ہے۔ البتہ اس کا معنی صحیح ہے۔ جس کی تائید صحیحین کی روایت سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی کو مجبور کیا جائے جھوٹا پینے پر چونکہ اس میں کبر سے شفاء ہے۔ اس لئے متکبر کبھی کسی کا جھوٹا نہیں پیتا۔ (۱)

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن عائشة رضى الله عنها أن رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ كان إذا اشتكى الإنسان الشيئ منه۔ أو كانت به قرحة، أو جرح۔ قال النبى۔ صلى الله عليه وسلم۔ بإصبعه۔ هكذا وضع سفيان۔ سبابته بالأرض، ثم رفعها، بسم الله تربة أرضنا بريق بعضنا يشفى به سقيمنا بإذن ربنا۔ (الصحيح لمسلم ج: ۲ ص: ۲۲۳۔ كتاب الأداب)۔

حديث ''ريق الامؤمن شفاء'' معناه صحيح۔۔۔ؤ ما ما على الألسنة من: أن سورا المؤمن شفاء، (معناه صحيح) ففى الإفراد للدار قطنى من حديث نوح بن أبى مريم عن ابن جريج عن عطاء ابن عباس رفعه: من التواضع أن يشرب الرجل من سور أخيه۔ (المقاصد الحسانة للسخاوى ص: ۲۴۱۔ بيروت)۔

و أما ما يدور على الألسنة من قولهم: سور المؤمن شفاء۔ (كشف الخفاء ج: ۱

ص: ۴۳۶۔دار إحیاء التراث العربی)۔

حدیث: ریق المؤمن شفاء۔ و کذا ”سور المؤمن شفاء: لیس له اصل معروف۔

(المصنوع فی معرفة الموضوع: ص: ۱۰۶۔ بیروت)۔

(۵) عن أنس رضی الله عنه قال: من التواضع أن یشرب الرجل من سور أخیه۔

(مرقاة المفاتیح ج: ۵ ص: ۳۶۹۔ قدیم)۔

سود کی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں؟

(۱) کیا سود کی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا جائز ہے؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بینک سے لون لیتا ہے مثلاً پانچ لاکھ اور انٹرسٹ سے سات لاکھ ہوگیا تو جو دو لاکھ بڑھا ہے اس کی ادائیگی بینک سے حاصل شدہ سود سے کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

سود اور مال حرم کا اصل حکم یہ ہے کہ کسی بھی طرح اس کو مالک تک پہونچایا جائے۔ اگر اسے مالک تک پہونچانا مشکل ہو تو اس کے تین مصارف ہیں۔ (۱) جس پر اسے خرچ کیا جائے گا۔

(۱) غیر واجبی ٹیکس میں اس کو دیا جائے۔

(۲) فقراء مسلمین پر بلا نیت ثواب اس کو تقسیم کیا جائے۔

(۳) رفاہی کاموں میں اس کو صرف کیا جائے۔

صورت مسئولہ میں سود کی رقم سے انکم ٹیکس ادا کر سکتے ہیں۔ لون لینے کے بعد انٹرسٹ کے ذریعہ جس رقم کا اضافہ ہوا ہے۔ سود کے پیسے سے اس کا ادا کرنا درست نہیں ہے۔ چونکہ

ایسی صورت میں سود کی رقم سے اپنے ذاتی نفع کا حصول لازم آئے گا۔ جو کہ ناجائز ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) ولأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه۔ (شامی ج:۶ ص:۳۸۵۔ کتاب الحظر والإباحة۔ کراچی)۔ تبيين الحقائق ج:۶ ص:۲۷۔ امدادیہ ملتان۔

ويجب عليه أن يرده إن وجد المالك۔ (بذل المجهود ج:۱ ص:۳۷۔ مرکز الشيخ)۔

(۳) وقد حرم الله تعالیٰ على المسلم أن يأكل الربا۔ والانتفاع بهذه الفوائد في رفع هذه الضرائب صورة من أكل الربا۔ (أحكام المال الحرام ص:۳۳۲۔ بيروت)۔

شب معراج کو روزہ رکھنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ شب معراج کو خاص کر کے روزہ رکھنا، اور رات بھر جاگنا شریعت کے نقطہ نظر سے کیسا ہے؟ براہ کرم جواب سے نوازیں

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

شب معراج یعنی جس رات میں حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معراج کا واقعہ پیش آیا تھا۔ یقیناً وہ بابرکت اور ایک فضیلت والی رات ہے۔ حضرت مؤرخین کا اختلاف ہے کہ یہ واقعہ کس سال اور کس مہینہ اور کس دن پیش آیا۔ اکثر حضرات کا قول ہے کہ یہ نبوت کے پانچویں سال ۲۷ رجب میں ہوا ہے۔ لیکن اس کے تعلق سے احادیث مبارکہ میں کوئی خاص عمل ثابت نہیں ہے چند حدیثیں جو ملتی ہیں اس کے تعلق سے، اس کے بارے میں ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب ’’تبیین العجب فیما ورد فی شہر رجب‘‘ میں لکھا ہے کہ ان میں سے بعض

ضعیف اور اکثر موضوع ہیں۔ اور آج کل عوام میں جو رائج ہے کہ اس رات میں اتنی رکعت نماز پڑھنی ہے اور فلاں رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھنا ہے۔ یہ غیر معتبر اور بے اصل ہے۔(۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن قاسم بن محمد، عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ من احدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔

(الصحیح للبخاری ج: ۱ ص: ۳۷۱۔ کتاب العلم)۔

(الصحیح لمسلم ج: ۲ ص: ۷۷۔ کتاب الأقضية)

وأما الأحاديث الواردة فی فضل رجب أو فی فضل صيامه، شیء منها صريحة فهی علی قسمين: ضعيفة وموضوعة۔۔۔۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ من صام يوماً من رجب وصلی فيه أربع ركعات۔ يقرأ فی أول كل ركعة مأة مرة آية الكرسی۔ وفی الركعة الثانية: "قل هو الله أحد" مأه مرة لم يمت حتی يری مقعده من الجنة۔ أو يری منه۔ قال المصنف: هذا حديث موضوع علی رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ وأكثر رواته مجاهيل۔ وعثمان متروک عند المحدثين۔ (تبيين العجب فيما ورد فی شهر رجب لابن حجر العسقلانی ص: ۳۰ بيروت)۔

قال النووی فی الفتاویٰ: كان فی شهر ربيع الأول۔ وقال فی شرح مسلم۔ تبعاً للقاضی عياض: إنه فی شهر ربيع الآخر۔ وجزم فی الروضة بأنه فی رجب۔ وقيل فی شهر رمضان۔ وقيل: فی شوال۔ وكان علی ما قيل الليلة السابعة والعشرين من الشهر۔۔۔۔ فهی أفضل مطلقاً نعم لم يشرع التعبد فيها والتعبد فی ليلة القدر مشروع إلی يوم القيامة۔ والله تعالیٰ أعلم۔ (تفسير روح المعانی تحت تفسير آية ج: ۱ من سورة لإسراء)۔

قال الفقيه أبو بكر ولا يجوز أن يزاد علی سراج المسجد لأن ذلک إسراف

سواء کان ذلک فی رمضان أو غیرہ ولا یزیّن المسجد بھذہ الوصیة۔ ومقتضاھا منع الکثرة الواقعة فی رمضان فی مساجد القاھرة ولو شرط الواقف لأن شرطه لا یعتبر فی المعصیة وفی القنیة واسراج السرج اللثیرة فی السلک والأسواق لیلة البراءة بدعة وکذا فی المساجد۔ (البحر الرائق ج:۵ ص: ۲۳۲) کتاب الوقف۔

وبائی امراض کے لئے اذان دینے کا ثبوت حدیث پاک سے ملتا ہے

سوال: وبائی امراض کے ازالے کے لئے اذان دینے کا ثبوت کیا احادیث سے ملتا ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

وباء کے ازالہ کے لئے اذان دینے کا ثبوت نہ حدیث سے ملتا ہے اور نہ ہی آثار صحابہ و تابعین سے۔ اور حضرات فقہاء سے بھی اس کے بارے میں کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔ البتہ حضرات اکابرین نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ لیکن بعض حضرات اس کی مشروعیت کے قائل ہیں۔ اور استدلال میں حصن حصین کی۔ إذا تغیلت الغیلان۔ اور مسلم شریف کی۔ ”إن الشیطان إذا تودی بالصلاة ولی وله حصاص۔ کو پیش کرتے ہیں۔ چونکہ دوسری ایک روایت میں وباء کو وخزا أعدائکم من الجن۔ کہا گیا ہے۔ لیکن مذکورہ روایتوں کو وباء کے ازالہ کے لئے اذان کے ثبوت میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔

کما لا یخفی علی أھل العلم۔

چنانچہ علامہ شامی نے غیر صلاۃ کے لئے اذان کی بحث میں ”تغول الغیلان۔ کی تفسیر اس طرح کی ہے۔ أی عند تمرد الجن۔ یعنی جنات کی سرکش کے وقت جیسے کسی کے سامنے اگر

جنات ظاہر ہو جائیں۔

اس کے علاوہ بھی اگر مذکورہ روایتوں سے وباء کے ازالہ کے لئے اذان دینے کا ثبوت ہو۔ تو حضرات صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں بھی بہت مرتبہ وبائی امراض آچکے ہیں۔ لیکن کسی سے بھی اس کے لئے اذان دینا منقول نہیں ہے۔ اس لئے حضرات اکابرین نے اسے بدعت میں شمار کیا ہے۔(۱)

حالات حاضرہ میں لوگوں کو ان اعمال پر توجہ دینا چاہئے، جو وباء کے ازالہ کے لئے احادیث میں مروی ہیں۔ اور جو اسلاف سے منقول ہیں۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) عن القاسم بن محمد عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔

(الصحيح للبخاری ج: ۱ ص: ۳۷۱۔ كتاب الصالح)۔

(الصحيح لمسلم ج: ۲ ص: ۷۷۔ كتاب الأقضية)۔

قولها: لا يسن لغيرها۔ أی من الصلوات وإلا فيندب للمولود۔ وفی حاشية البحر الرملی۔ رأيت فی كتب الشافعية قد يسن الأذان لغير الصلاة۔ كما فی آذان المولود۔ والمهموم، والمصروع۔ والغضبان۔ ومن سائ خلقه من إنسان أو بهيمة وعند مزدحم الجيش وعند الحريق قيل و عند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا لكن رده ابن حجر فی شرح العباب وعند تغول الغيلان: أی عند تمرد الحن لخبر صحيح فيه۔ (شامی مع الدر المختار ج: ۱ ص: ۳۸۵۔ كراچی)۔

منحة الخالق على البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۶۹۔ باب الآذان۔

قال ابن المنير فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها لأن التيامن مستحب فی كل شيئ أی من أمور العبادة لكن لما خشی بن مسعود أن

يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته۔ والله أعلم۔ (فتح الباری ج:۳ ص:۳۳۸۔ بیروت)۔

هكذافی: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج: ۲ ص:۶۷۔

فتاویٰ رشیدیہ ص: ۱۵۲۔

اغلاط العوام ص: ۳۴۔

دورِ نبوت اور صحابہ وتابعین میں کون کون وبائی امراض آئے تھے

سوال: اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ وتابعین کے دور میں کون کون سے وبائی امراض آئے؟

اور اس وقت ان حضرات کا ان وباؤں کے ازالہ کے لئے کیا معمول رہا۔ تاکہ ان اعمال کو بھی آج امت اختیار کر کے موجودہ وبا سے اپنے کو بچا سکے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

حضرت رسول پاک ﷺ اور صحابہ وتابعین کے زمانہ میں متعدد مرتبہ وبائی امراض آچکے ہیں۔ جن میں سے چند ایسے ہیں جس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں بڑے وبائی امراض کے نام سے ہے۔ ابو الحسن المدائنی نے ذکر کیا ہے کہ اسلام میں پانچ وبائی امراض ایسے ہیں جن میں لوگوں کو سب سے زیادہ مالی اور جانی نقصان ہوا۔

(۱) طاعون شیرویۃ۔ (۶ھ) یہ طعون دورِ نبوت میں شہر مدائن میں آیا۔

(۲) طاعون عمواس: (۱۸ھ) یہ طاعون حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں آیا۔ جس میں ۲۵ ہزار لوگوں کی موت ہوئی۔

(۳) طاعون الجارف: (۶۹ھ) یہ طاعون حضرت عبد اللہ بن زبیر کے دورِ خلافت میں آیا۔ منقول ہے کہ اس وبائی کے دوران تین دن ایسے گذرے جس میں ہر روز ستر ہزار لوگوں کی موت ہوئی۔

(۴) طاعون الأشراف والفتیات: (۸۷ھ) اس طاعون میں بڑے معزز لوگوں اور زیادہ عورتوں کی موت ہوئی۔اس وجہ سے اس کو طاعون الأشراف والفتیات کہا جاتا ہے۔

(۵) طاعون مسلم بن قتیبۃ (۱۳۱ھ) یہ طاعون کوفہ میں ماہ رجب میں شروع ہوا۔اور رمضان المبارک میں بہت پھیل گیا۔جس میں ہر روز ہزار لوگوں کے جنازے اٹھتے تھے۔ شوال مہینہ میں کچھ کمی آئی تھی۔

حضرات صحابہ کرام اور تابعین ہر وقت تعلیمات نبوی کو مقدم رکھا کرتے تھے۔اور آقا ﷺ کے ارشادات کو اپنا نصب العین بنایا کرتے تھے۔اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر پوری طرح ان کا یقین اور بھروسہ تھا۔کوئی بھی مصیبت آتی تو اپنے گناہوں کو یاد کر کے دربار الٰہی میں گناہوں کی معافی اور مصیبت سے نجات طلب کرتے تھے۔مایوس کبھی بھی نہیں ہوئے اللہ کے فیصلہ پر راضی رہے۔اور اللہ سے تعلق بنائے رکھتے۔

آج مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے

اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔تلاوت، استغفار اور صلاۃ التسبیح۔صلاۃ التوبہ۔اور صدقہ نکالنے کا اہتمام کریں۔

اپنے آپ کو ادعیہ ماثورہ کا پابند بنائیں۔

صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کریں۔

حکومت اور ماہر اطباء کی جانب سے جو احتیاطی تدابیر بتائی جا رہی ہیں اس پر عمل کریں۔اللہ پاک ہر ایک کی حفاظت فرمائے۔

الدليل على ما قلنا:

وقال أبو الحسن المدايني: كانت الطواعين المشهورة العظام فى الإسلام خمسة طاعون شيراوية بالمدائن، على عهد النبى۔صلى الله عليه وسلم۔فى سنة ست من الهجرة، ثم طاعون عمواس، في زمن عمر بن الخطاب۔رضى الله عنه۔ وكان بالشام۔مات فيه خمسة وعشرون ألفا۔ثم طاعون الجارف۔في زمن ابن

الزبير فی شوال سنة تسع و ستين، هلک فی ثلاثه أيام۔ فی کل يوم سبعون ألفا۔ مات فيه لأنس بن مالک۔ رضی الله عنه۔ ثلاثة وثمانون ابنا۔ ويقال: ثلاثة وسبعون ابنا۔ ومات لعبد الرحمن بن أبی بکرة أربعون ابنا۔

ثم طاعون الفتيات: فی شوال سنة سبع وثمانين، ثم کان طاعون فی سنة إحدی وثلاثين ومئة، فی رجب، واشتد فی شهر رمضان، فکان ايحصی فی سکة المربد فی کل يوم ألف جنازة أياماً۔ ثم خف فی شوال، وکان بالکوفة طاعون، وهو الذی مات فيه المغيرة بن شعبة، سنة خمسين هذا ما ذکره المدائنی۔ (قرة عين المحتاج فی شرح صحيح مسلم بن الحجاج ج:۲ ص:۲۰۰)۔ دار ابن الجوزی۔

جس مسئلہ حضرات فقہاء کا اختلاف ہے اس میں امت کو کیا کرنا چاہئے؟

سوال: اگر کسی مسئلہ یا فتویٰ میں حضرات فقہاء کی آراء کا اختلاف ہو تو امت کے لئے لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے؟ امید ہے کہ رہبری فرما کر ممنون و مشکور ہونگے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

شریعت مقدسہ میں دور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فروعی مسائل میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا اگر آج کل حضرات فقہاء متبحرین کے درمیان مسائل حوادث و نوازل میں آراء کا اختلاف ہو تو قابل حیرت نہیں۔

لیکن عوام کو چاہئے کہ اس قول پر عمل کریں جو ان کے نزدیک احوط وانسب ہو۔ اور جس کے قول پر اطمینان و اعتماد ہو۔ لیکن دوسرے کو برا بھلا کہنا یا یہ کہنا کہ حضرات مفتیان کرام کا اختلاف ہے، تو ہم کس پر عمل کریں، یہ غلط ہے۔

واللہ یھدی من یشاء إلی صراط مستقیم۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) إعلم أن العامی الصرف ليس له مذهب وإنما مذهبه فتوى المفتی فی البحر الرائق۔ لو احتجم أو اغتاب فظن أنها يفطره ثم أكل إن لم يستفت فقيها ولا بلغه الخبر فعليه الكفارة لأنه مجرد جهل وأنه ليس بعذر فی دار الإسلام وإن استفتى فقها فأفتاه لا كفارة عليه لأن العاصی يجب عليه تقليد العالم إذا كان يعتمد على فتواه فكان معذوراً فيما صنع وإن كان المفتی مخطئا فيما أفتى وإن لم يستفت ولكنه بلغه الخبر وهو قوله عليه وسلم۔ أفطر الحاجم والمحجوم۔ وقوله عليه الصلاة والسلام۔ الغيبة اتفطر الصائم ولم يعرف النسخ ولا تأويله لا كفارة عليه عندهما لأن ظاهر الحديث واجب العمل به خلافاً لأبی يوسف لأنه ليس للعامی العمل بالحديث لعدم علمه بالناسخ والمنسوخ ولو لمس امرأة أو قبلها بشهوة أو اكتحل فظن أن ذلک يفطرا۔ ثم أفطر عليه الكفارة إلا إذا استفتى فقيها فأفتاه بالفطر أو بلغه خبر فيه ولو نوى الصوم قبل الزوال ثم أفطر لما يلزمه الكفارة عند أبی حنيفة رحمه الله تعالىٰ خلافاً لهما كذا فی المحيط وقد علم من هذا أن مذهب العامی فتوى مفتيه۔ (عقد الجيد فی أحكام الاجتهاد والتقليد ص: ۳۰۔ فصل فی العامی)۔

لأن على العامی الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء فی حقه إلى معرفة الأحاديث ولو عرف تاويله تجب عليه الكفارة لانتفاء الشبهة۔ (تبيين الحقائق ج: ۱ ص: ۳۴۳۔ بيروت)۔

ولهذا قال فی الفتح: الحكم فی حق العامی فتوى مفتية، وفی النهاية ويشترط أن يكون المفتی ممن يؤخذ منه الفقه ويعتمد على فتواه فی البلد وحينئذٍ تصير فتوه شبهة ولا معتبر بغيره۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۴۱۱۔ كراچی)۔

میت کے کوئی وارث نہ ہونے کی صورت انکا دوست اس کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ نہ قریب کا اور نہ دور کا، اس کی میراث پر اس کے ایک دوست کا قبضہ ہے۔ کیا مرحوم کا دوست وہ میراث لے سکتا ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

اگر میت کے رشتہ داروں میں ذوی الفروض، یا عصبہ میں سے کوئی نہ ہو تو ذوی الارحام وراثت کے مستحق ہوں گے، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وہ وارث ہوگا جس کے ساتھ میت کا عقد موالات ہو۔ (عقد موالات: ایک دوسرے سے کہنا کہ اگر میں کوئی جنایت کا مرتکب ہوگیا تو اس کا جرمانہ تم کو ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر میں مرجاؤں تو تم میرے مال کے وارث بنوگے)۔

اور اس نے قبول بھی کیا ہو۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو میت کا مال اس کو ملے گا جس کے لئے اس نے نسب کا دعویٰ کیا ہو۔ اور اس سے ثابت نہ ہوا ہو۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کو ملے گا جس کے لئے ثلث مال سے زیادہ کی وصیت کی ہو، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کا سارا مال بیت لمال میں جمع کر دیا جائے گا۔ محض دوستی کی وجہ سے وراثت کا استحقاق نہیں ہوتا ہے۔ (۱)

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ألحقوا الفرائض بأهلها فما بقی فهو لأولی رجل ذكر۔ الصحيح لمسلم رقم الحديث: ۱۶۱۵۔

فيبدأ بأصحاب الفرائض ثم بالعصبات النسبية ثم بالمعتق ثم عصبته۔ ثم الرد۔ ثم ذوی الأرهام ثم مولا الموالاة، ثم المقر له بنسب لم يثبت ثم الموصی له بأكثر من الثلث، ثم بيت المال۔ (ملتقى الأبحر ج:۴ ص:۴۹۷۔ فقيه الأمة ديوبند)۔

(السراجی فی المیراث ص: ۵۔ دار الکتاب دیوبند)۔

والثالث مولی الموالاۃ وھو أن یسلم کافر ویوالی رجلا من المسلمین فیقول عاھدتک وعاقدتک علی إنی إن جنیت جنایۃ فعلیک ارشھا وان مت ملک میراثی فإذا مات وترک میراثاً ولم یترک وارثا۔ (النتف فی الفتاویٰ للسغدی ج: ۲ ص: ۸۴۱۔ بیروت)۔

بیڑی، سگریٹ، زردہ کھانے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسائلہ زیل کے بارے میں۔

(۱) کرانہ کی دوکان میں تمباکو، گھوٹکہ، سگریٹ، بیڑی، زردہ وغیرہ کا بیچنا یا صرف ان چیزوں کا کاروبار کرنا کیسا ہے؟

(۲) سیندی یا تاڑی (جو کھجوڑ اور تاڑ کے جھاڑ سے نکالا جاتا ہے) پینا کیسا ہے نیز تاڑ کے پھل کا (جس کو خاجا کہا جاتا ہے) کھانا کیسا ہے؟ امید ہے کہ جواب سے نواز کر عند اللہ مشور ہوں گے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

(۱) تمباکو، گھوٹکہ، سگریٹ، بیڑی، زردہ ان چیزوں کو جن اجزاء سے تیار کیا جاتا ہے وہ فی نفسہ حلال ہیں۔ لہٰذا اس کا کاروبار کرنا جائز ہے البتہ خلاف اولیٰ ضرور ہے چونکہ اس میں ضرر ہے۔ لیکن اگر کسی ملک میں ان چیزوں پر قانوناً پابندی ہو تو اس کا ماننا ضروری ہے۔ لا یحل للمؤمن أن یذل نفسہ۔

(۲) سیندی یا تاڑی جس چیز سے بنائی جاتی ہے۔ وہ حلال ہے۔ لہٰذا اس کا پینا درست ہے۔ بشرطیکہ اس میں نشہ نہ ہو۔ اور جس برتن میں ہو وہ پاک ہو۔ اگر برتن دھو کر رات میں لگایا جائے اور صبح اتار کر پی لیا جائے تو چونکہ اس ایں نشہ نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا پینا درست اہے۔ لیکن تاہم اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ ''من رتع حول لحمی یوشک أن یقع فیہ''۔ اور جب

تاڑی میں نشہ اپیدا ہو جائے تو مسکر ہونے کی وجہ سے وہ حرام ہے۔ البتہ تاڑ کے پھل کا کھانا جائز ہے۔

الدليل على ما قلنا:

فى المسائلة الأولىٰ:۔

(۱) قيد بالخمر لأن بيع ما سواها من الأشربة المحرمة كالسكر ونقيع الزبيب والمنصف جائز عنده۔ (البحر الرائق ج:۳ص:۷۷) دار الكتاب الاسلامى۔

شامى مع الدر: ج:۵ ص:۵۵۔ كراچى۔

النهر الفائق ج:۳ص:۴۱۷۔ زكريا ديوبند۔

تحفة الفقهاء ج:۳ص:۳۳۸۔ بيروت۔

الفتاوىٰ الهندية ج:۳ص:۱۱۶۔ رشيديه۔

فى المسئالة الثانيه:

(۱) فيفهم منه حكم النبات الذى شاع فى زماننا المسمى بالتتن فتنبّه۔ وقد كرهه شيخنا العمادى فى هديته۔ وتحته فى الشامية: وهو الإباحة على المختار أو التوقف، وفيه اشارة إلى عدم سليم إسكاره وتفتيره وإضراره وإلا لم يصح إدخاله تحت القاعدة المذكورة ولذا أمر بالتنبه۔ (الدر المختار مع الشامى ج:۶ ص:۴۶۰)۔ كراچى)۔

(۲) أما النبات المأكول: فكله حلال إلا النجس والضار والمسكر أما النجس أو ما خالطته نجاسة (المتنجس) فلا يؤكل۔ لقوله تعالىٰ۔ (ويحرم عليهم الخبائث)۔ (الفقه الاسلامى وأدلته ج:۴ص:۲۹۲)۔ دار الفكر المعاصر۔

(۳) قوله ومن أكل ما يتأذى به۔ أى برائحته كثوم وبصل۔ ويؤخذ منه أنه لو تأذى من رائحة الدخان المشهور له منعها من شربه۔ (شامى مع الدر ج:۳ص:۲۰۸۔ كراچى)۔

منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج:۳ص: ۱۱۱ ۔دار الکتاب الاسلامی۔

شب برأت کی فضیلت اور اس رات کو اکے اعمال

سوال: شب برأت کی فضیلت کیا ہے؟ (۲) اس رات کونسے اعمال کرنا چاہائے؟ (۳) کیا پندرہ شعبان کا روزہ سنت ہے؟ امید ہے کہ جواب سے نوازینگے مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

(۱) شب برات ایک مبارک رات ہے، جس کی فضیلت احادیث مبارکہ اسے ثابت ہے کہ اللہ تبارک وتعلیٰ اس مبارک رات میں اپنے بے حساب بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں، اور یہ ان پانچ راتوں میں سے ایک ہے جس میں بندے کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ حضرات صحابہ اور تابعین، اکابرین واسلاف اس کی بہت قدر کرتے تھے۔(۱)

(۲) اس رات میں زیادہ سے زیادہ صلاۃ التوبہ، تلاوت، ذکر، استغفار، اور دعاء کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور عشاء وفجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہائے۔ اور تمام گناہوں سے بچنے کا بہت زیادہ التزام کرنا چاہیئے۔

(۳) اس مہینہ میں روزہ رکھنا ویسے بھی کثرت ثواب کا باعث ہے۔ چونکہ اس رات کی بہت فضیلت ہے، لہٰذا پندرہ شعبان کو روزہ رکھنے میں کوئی مضائقہ انہیں ہے۔ حضرات اکابرین نے بھی اس کا اہتامم کیا ہے، لیکن ’’قوموالیلہا واصوموا نہارہا‘‘ کے تحت زیادہ سے زیادہ اسے مستحب کہا جاسکتا ہے۔ واجب وسنت نہیں۔

جن چیزوں سے پرہیز کرنا چاهئے۔

اس رات میں متعین کوئی نماز نہیں ہاے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس رات میں اتنی رکعت نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور فلاں رکعت میں فلاں سورت پڑھنا چاہائے۔ یہ بے اصل اور غلط ہے۔ مخصوص طریقہ سے نوافل پڑھنا، نعت خوانی کرنا حلوہ پکانے کو ضروری سمجھنا، قبرستان میں چرغ جلانا۔ گھروں میں روحوں کے آنے کا عقیدہ رکھنا۔ گھروں کو چراغاں کرنا، گھروں اور مساجد کو

سجانا۔ اس رات میں آتش بازی کرنا۔ یہ سب امور شریعت وسنت کے خلاف ہیں۔ حسب استطاعت نماز، تلاوت، ذکر، استغفار، دعاء کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ان اعمال کے لئے اجتماع کرنے سے بھی گریز کرنا چاہئے۔ (کما فی تبیین العجب فیما ورد فی شہر رجب لابن حجر العسقلانی)۔

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ إذا كانت ليلة النصف من شعبان يغفر الله من الذنوب أكثر من عدد شعر غنم كلب۔

عن القاسم بن محمد بن أبى بكر، عن أبيه أو عن عمه، عن جده: عن النبى صلى الله عليه وسلم۔ ينزل إلى السماء الدنيا ليلة النصف من شعبان فيغفر لكل شيئ إلا رجل مشرک أو فى قلبه شحناء۔ (شعب الإيمان البيهقى، باب ما جاء فى ليلة النصف من شعبان، رقم الحديث: ۳۵۴۱۔ ۳۵۴۶)۔

عن عروة، عن عائشة قالت: فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة فخرجت، فإذا هو بالبقيع، فقال۔ (أكنت تخافين أن يحيف الله عليک ورسوله۔) فقلت: يا رسول الله، إن ظننت أنک أتيت، بعض نسائک۔ فقال: إن الله عز وجل ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا۔ فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب۔ (سنن الترمذی۔ باب جاء فى ليلة النصف من شعبان رقم الحديث: ۷۳۹)۔

وخمس ليالى لا يرد فيهن الدعاء ليلة الجمعة وأول ليلة من رجب وليلة النصف من شعبان وليلتا العيدين۔ (حاشية الطحطاوى على المراقى)۔

وإحياء ليلة العيدين، والنصف من شعبان، والعشر الأخير من رمضان۔ والأول من ذى الحجة۔ ويكون بكل عبادة تعم الليل أو أكثره۔ (الدر المختار مع الشاميا ج: ۲ ص: ۲۵)۔ کراچی۔

(۲) (تتمة) أشار بقوله فرادى إلى ما ذكره بعد فى متنه من قوله ويكره الاجتماع

على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد۔ وتمه في شرحه وصرّح بكراهة ذلك في الحاوي القدسي قال: وما روي من الصلوات في هذه الأوقات يصلى فرادى غير التراويح۔ (شامي ج: ۲ ص: ۲۶)۔ كراچي۔

ایثار فی القرب کا ایک مسئلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع میں مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مؤذن اذان دے کر انفراداً مسجد ہی میں نماز پڑھ کر چلا جائے پھر جماعت شروع ہو۔ جیسا کہ حالات حاضرہ میں مسجد میں صرف پانچ لوگوں کو ہی باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور مؤذن کا مقصد یہ ہے کہ اگر میں اذان دے کر فوراً نماز پڑھ لوں تو میرے علاوہ پانچ لوگ پڑھ سکتے ہیں۔ تو ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں مؤذن کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، چونکہ اسے باجماعت نماز پڑھنے کا موقع ملا ہے اور اس نے اس موقع کو چھوڑ کر انفراداً نماز پڑھ لی تاکہ دوسرا شخص باجماعت نماز ادا کر سکے۔ اس صورت میں ایثار کا تو ثواب ملاے گا۔ لیکن جماعت کی فضیلت سے محروم رہے گا۔

حضرات محققین لکھتے ہیں کہ ایثار بالقرب مکروہ ہے، ہاں اگر ایثار میں صورت ایسی ہو کہ جس عبادت سے منتقل ہو رہا ہے اس سے جس کی طرف منتقل ہو وہ افضل ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

الدليل على ما قلنا:

(۱) أخبرنا قتيبة، عن مالك عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ قال: صلاة الجماعة تفضل على صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة۔ (سنن النسائي، باب فضل الجماعة، رقم الحديث: ۸۳۸)۔

إنه مشكل على ما اشتهر من أنه لا إيثار بالقرب، وإنما الإيثار المحمود ما كان من حظوظ النفس دون الطاعات وقد اقتصر القاضى فى النقل عن العلماء على كراهة الإيثار بالقرب بخلاف ما يتوهمه كثير من الناس أنه يحرم الإيثار بالقرب۔ (عمدة القارى مع شرح صحيح البخارى ج:۲۱ ص:۱۹٦) دار إحياء التراث العربى۔

وعبارة إمام الحرمين فى هذا لا يجوز التبرع فى العبادات۔ ويجوز فى غيرها۔ (فتح البارى شرح صحيح البخارى ج:۱۰ ص:۸۷۔ بيروت)۔

أقول: وينبغي تقييد المسألة بما إذا عارض تلك القربة ما هو أفضل منها۔ كاحترام أهل العلم و الأشياخ۔ كما أفاده الفرع السابق و الحديث فإنهما يدلان على أنه أفضل من القيام فى الصف الأول و من إعطاء الإناء لمن له الحق و هو من على اليمين۔ فيكون الإيثار بالقربة انتقالاً من قربة إلى ما هو أفضل منها وهو الاحترام المذكور۔ أمّا لو أثره على مكانه فى الصف مثلاً من ليس كذلك يكون أعرض عن القربة بلا داعٍ وهو خلاف المطلوب شرعاً۔ (الدر المختار مع الشامى ج:۱ ص:۵٦۹۔ كراچى)۔

مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں پہ بھی جماعت ثانیہ مکروہ ہے

سوال: دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ ایک ہی جگہ پہ دوبارہ جماعت کرنا درست ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ مدلل جواب سے نوازینگے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مسجد میں تکرار جماعت کی ممانعت اس لئے ہے چونکہ اس میں تقلیل جماعت کا خوف اور لوگوں میں جماعت کی رغبت کم ہونے کا اندیشہ ہے۔ بخلاف مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں کے یہاں یہ اندیشہ نہیں ہے۔ تاہم اگر دوسری کسی جگہ جماعت کرنی ہو تو کوشش کریں کہ

ایک جماعت ہو جائے۔ چونکہ جماعت جتنی بڑی ہوگی اس کی فضیلت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اور اگر جگہ کی تنگی ہو یا دوسرا کوئی عذر ہو تو الگ الگ جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۱)

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) بل یکره فعلهما وتکرار الجماعة إلا فی مسجد علی طریق فلا بأس بذلک۔ جوهرة وتحته فی الشایة۔ ولأن التکرار یؤدی إلی تقلیل الجماعة۔ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة یتعجلون فتکثر وإلا تأخروا۔ (الدر المختار مع الشامی ج: ۱ ص: ۳۹۵۔ کراچی)۔

وفی تکرار الجماعة فی مسجد واحد تقلیلها۔ لأنهم إذا عرفوا أنهم تفوتهم الجماعة یتعجلون للحضور فتکثر الجماعة۔ (منحة الخالق علی البحر الرائق ج: ۱ ص: ۲۷۳۔ دار الکتاب الاسلامی)۔

وبینما إذا اصلی فیه قوم لیسوا من أهله حیث کان لأهله أن یصلوا فیه بجماعة بأذان وإقامة۔ لأن تکرار الجماعة هنا لا یؤدی إلی تقلیل الجماعة۔ (المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی ج: ۱ ص: ۳۷۱)۔ بیروت۔

أنا أمرنا بتکثیر الجماعة وفی تکرار الجماعة فی مسجد واحد تقلیلها لأن الناس إذا عرفوا أنهم تفوتهم الجماعة یعجلون للحضور فتکثر الجماعة وإذا علموا أنه لا تفوتهم یؤخرون فیودی إلی تقلیل الجماعات وبهذا فارق المسجد الذی علی قارعة الطریق۔ (المبسوط للسرخسی ج: ۱ ص: ۱۷۳۔ بیروت)۔

نماز تراویح میں ختم قرآن کا کیا حکم ہے؟

سوال: موجودہ حالات میں جبکہ کرونا وائرس کی وجہ سے مسجد میں پانچ سے زیادہ لوگوں کو نماز کی اجازت نہیں ہے تو کیا تراویح میں مسجد میں اس حال میں بھی ختم قرآن ضروری ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ مدلل جواب سے نوازیں گے۔

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

رمضان المبارک کے مہینہ میں تراویح کی نماز پڑھنا ایک مستقل سنت ہے۔ جیسے جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا سنت علی الکفایہ ہے۔(۱) اور نماز تراویح میں کم از کم ایک مرتبہ ختم قرآن کرنا(۲) بھی ایک مستقل سنت ہے اور حالات حاضرہ میں حکومت کی جانب سے پابندی لگی ہوئی ہے کہ پانچ سے لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ توان پانچ لوگوں میں ایک حافظ کا بھی انتظام کرلیں تاکہ ختم قرآن کی سنت پر عمل ہوجائے۔ اور اگر اس کی گنجائش نہ ہو۔ تو الم تر سے تراویح پڑھ سکتے ہیں۔ اور باقی اپنے گھر یا چھت پر یا میدان میں چند افراد مل کر ختم قرآن کے ساتھ تراویح پڑھنے کی کوشش کریں۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو الم تر سے پڑھ لیں۔

الدلیل علی ماقلنا:

(۱) حدثنا وکیع، عن علی، عن نضر بن شیبان، قال: سألت أبا سلمة بن عبد الرحمن، فذکر عن أبیه قال: حدثنا ابو بکر قال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ إن اللہ افترض علیکم صیامه وسننت لکم قیامه۔ فمن صامه إیماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه۔

مصنف ابن أبی شیبة: باب من یری القیام فی رمضان۔ رقم الحدیث: ۷۷۰۵۔

سنن النسائی: باب ذکر اختلاف یحیی بن أبی کثیر والضر بن شیبان فیه۔ رقم الحدیث: ۲۲۱۰۔

سنن ابن ماجه۔ باب ماجاء فی قیام شهر رمضان۔ رقم الحدیث: ۱۳۲۸۔

قال رحمه اللہ۔ (وسُن فی رمضان عشرون رکعة بعشر تسلیمات بعد العشاء قبل الوتر وبعده۔ بجماعة واختم مرة وبجلسة بعد کل أربع بقدرها)۔ أی بعد کل أربع رکعات بقدر الأربعة، الکلام فی التراویح فی مواضع الأول فی صفتها وهی سنة عندنا، رواه الحسن عن أبی حنیفة نصاً وقیل مستحب والأول أصح لأنها

واظب علیها الخلفاء الراشدون۔ (تبیین الحقائق ج: ا ص:۱۷۸)۔بیروت۔

(۲) والختم مرۃ سنۃ ومرتین فضیلۃ وثلاثاً أفضل (ولا یترک) الختم۔ (لکسل القوم)۔

الدر المختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۴۶۔ کراچی۔

ہدایۃ ج: ا ص: ۱۵۱۔دار الکتاب دیوبند۔

المحیط البرہانی ج: ا ص: ۴۵۹۔بیروت۔

الجوہرۃ النیرۃ ج: ا ص:۹۸۔المطبعۃ الخیریۃ۔

کتاب الفرائض

میراث کا ایک مسئلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام محمد یعقوب کے دو لڑکے ہیں۔ مشتاق اور اشفاق، یعقوب کے انتقال کے بعد ان کے دادا دونوں پوتوں کو کچھ زمین رجسٹری کر دیتے ہیں، تو ایک پوتا یعنی اشفاق کا اپنے دادا حیات میں ہی انتقال ہوگیا۔ ان کی جائداد میں کن لوگوں کو حصہ ملے گا۔

وارثین: ایک بھائی، ماں، دادا

الجواب: حامداً و مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

صورت مسئولہ میں جناب مرحوم اشفاق صاحب کے مال سے ماں کو پورے مال سے تیسواں حصہ ملے گا۔ ۱/۳ اور باقی دو حصہ ان کے دادا کو ملے گا۔ اور بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔

مسئلہ

بھائی	ماں	دادا
محرم	ثلث الکل	عصبہ

الدلیل علی ما قلنا:

(۱) فإن لم یکن له ولد ورثه أبواه فلأمه الثلث۔ (سورہ النساء رقم الآیۃ ص: ۱۱)

(۲) وثلث الکل عند عدم هؤلاء المذکورین۔ (السراجی فی المیراث ص: ۱۸)۔

(۳) یرجحون بقرب الدرجة أعنی أولهم بالمیراث جزء المیت أی البنون۔۔۔۔ ثم أصله أی الأب ثم الجد۔۔۔۔ ثم جزء أبیه أی الإخوة۔ (السراجی فی المیراث ص: ۲۲)۔

فرائض کا ایک مسئلہ

سوال: اگر کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے اس کا ایک والدہ ایک بیوی چار لڑکیا تین بہنیں اور چار بھائی ہے

الجواب: حامداًو مصلیاً: واللّٰہ الموفق بالصواب

مسئلہ

ماں	بیوی	لڑکی ۳	بہن ۳	بھائی ۴
سدس	ثمن	ثلثان		عصبہ
۴	۳	۱۶		۱
۴۴	۳۳	۱۷۶		۱۱

صورت مسئولہ میں مرحوم کے اموال ۲۶۴۔ سے تقسیم کی جائے گی۔

ماں کو ۴۴ ملے گے۔

بیوی کو ۳۳ ملے گے۔

۳ لڑکیوں کو ۱۷۶ ملے گے۔

۳ بہن کو ۳ ملے گے۔

۴ بھائی کو ۸ ملے گے۔

۲۶۴۔

واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا

مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

کی تصنیفات وعلمی خدمات ایک نظر میں

حبیب الفتاویٰ اول
تحفۃ السالکین
حبیب الفتاویٰ دوم
نوٹ کی شرعی حیثیت
حبیب الفتاویٰ سوم
والدین کا پیغام زوجین کے نام
حبیب الفتاویٰ چہارم
تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت
حبیب الفتاویٰ پنجم
حضرات صوفیاء اوران کا نظام باطن
حبیب الفتاویٰ ششم
حبیب العلوم شرح سلم العلوم
حبیب الفتاویٰ ہفتم
حضرت حبیب الامت کی علمی، دینی خدمات کی ایک جھلک
حبیب الفتاویٰ ہشتم
قدوۃ السالکین
تحقیقات فقہیہ جلداول
درود وسلام کا مقبول وظیفہ
رسائل حبیب جلداول
التوضیح الضروری شرح القدوری
رسائل حبیب جلددوم
خطبات حبیب
صدائے بلبل (اشرف التقاریر) جلداول
مقالات حبیب
احب الکلام فی مسئلۃ السلام
برکات قرآن
مبادیات حدیث
علماء وقائدین کے لئے اعتدال کی ضرورت
نیل الفرقدین فی المصافحہ بالیدین
مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں
التوسل بسید الرسل
جمع الفوائد شرح شرح عقائد
المساعی المشکورۃ فی الدعاء بعد المکتوبۃ
جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلادیا
احکام یوم الشک
جذب القلوب

کتابی دنیا میں ایک اور عظیم الشان اضافہ

’’ایک نئی دُنیا کی تلاش‘‘

محترم حضرات کسی بھی مذہب کے لوگ خواہ ہندو ہوں یا مسلم یا عیسائی بدھ یا سکھ جب تک اس کتاب کا اچھی طرح مطالعہ نہیں کریں گے، اپنے مذہب کا مقام کہاں ہے یہ پتہ نہیں چلے گا اور اپنے مذہب کی حقانیت کا سوفیصد یقین اس کو حاصل نہیں ہوگا۔

اس دنیا میں 65-60 مسلم ممالک اور عالم کی ایک چوتھائی آبادی مسلمانون کی ہے لیکن آج پورا عالم مسلمانوں کے لئے اتنا تنگ ہے کہ ایک مسلمان کو سانس لینے کے لئے بھی جگہ نہیں، یہ کیوں ہوا؟ اس کی تفصیلی وجہ بھی اس کتاب میں موجود ہے۔

بدھ ایسا مذہب ہے کہ جس کے قانون میں کسی جانور کو مارنا، تانا دور کی بات کسی پیڑ پودے یا اس کی شاخ تک کاٹنا بھی منع ہے لیکن یہ لوگ بھی آج مسلم مرد عورت، شیر خوار بچوں کو بھی ایسے بے رحمی سے مارتے ہیں کہ عالم کے درندے بھی اسے دیکھ کر رونے لگتے ہیں اس ظالمانہ حرکت پر ان کو کس نے آمادہ کیا اس کی بھی وجہ اس کتاب میں موجود ہے۔

کسی بھی محقق عالم یا طالب علم کو دس بارہ سال میں ہزاروں کتابوں کو ٹٹول کر جو علم حاصل ہوگا وہ صرف ایک ہفتہ میں اس کتاب کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور کسی بھی مذہب باطلہ کو مناظرہ میں آسانی سے لا جواب کرنے کے لئے یہ کتاب ایک انمول تحفہ ہے۔ نٹ قیمت:-/200

مکتبہ طیبہ دیوبند